اردو کے کلاسیکی ادب

کلیاتِ مصحفی

(دیوان دوم)

از

غلام ہمدانی مصحفی

مرتبہ

ڈاکٹر نور الحسن نقوی

مجلسِ ترقیِ ادب ۰ لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۸۴

کلیاتِ مصحفی

(دیوانِ دوم)

مرتبہ

ڈاکٹر نور الحسن نقوی

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

طبع اول : جنوری ۱۹۶۹ع
تعداد ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور
طابع : سید اظہارالحسن رضوی
مطبع : مطبع عالیہ ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور
قیمت : دس روپے

غزل نمبر	مصرع اول	صفحہ

ردیف ب

غزل نمبر | مصرع اول | صفحہ

ردیف پ

ردیف ت

غزل نمبر | مصرع اول | صفحہ

ردیف ذ

ردیف ر

غزل نمبر	مصرع اول	صفحہ

غزل نمبر — مصرع اول — صفحہ

ردیف م

غزل نمبر　　　　مصرع اول　　　　صفحہ

ردیف و

غزل نمبر — مصرع اول — صفحہ

ردیف ہ

غزل نمبر | مصرع اول | صفحہ

غزل نمبر	مصرع اول	صفحہ
۴۱۲	اٹھ گیا زیست کے کرنے کا مزہ دنیا سے - - -	۳۴۳
۴۱۳	کس چاؤ سے دل کا مرے ارمان نکل جائے - -	۳۴۳
۴۱۴	منہ سے ترے 'مربھی' جو مری جان نکل جائے -	۳۴۴
۴۱۵	کل اٹھ گیا وہ ہاتھ چھڑا میرے ہاتھ سے - - -	۳۴۴
۴۱۶	نت اس بت کافر کی ملاقات نئی ہے - - - -	۳۴۵
۴۱۷	کوچے میں اس کے جو کوئی جی کھو کے جا سکے -	۳۴۶
۴۱۸	جس سے امید وفا تھی بے وفائی اس نے کی - -	۳۴۷
۴۱۹	کچھ حیا آنکھوں میں ہے اس کی تو کچھ پیار بھی ہے -	۳۴۷
۴۲۰	جب کبھی صید افگنی کو وہ صنم چڑھ جاے ہے	۳۴۸
۴۲۱	جب شب غم اشک سرخ اپنے کا یم چڑھ جاے ہے	۳۴۹
۴۲۲	جب ترا ماتھا غضب سے اے صنم چڑھ جاے ہے -	۳۵۰
۴۲۳	دیکھ تو ہم میں غم عشق نے کیا رکھا ہے - -	۳۵۱
۴۲۴	پیری میں بھی ہم الفت طفلاں سے نہ چھوٹے -	۳۵۱
۴۲۵	نہ دوستی، نہ محبت، نہ دلبری دیکھی - - - -	۳۵۳
۴۲۶	نالے مرے ہر چند اثر کچھ نہیں رکھتے - - -	۳۵۳
۴۲۷	جس گھڑی یاد وہ زلف و کمر آ جاتی ہے - -	۳۵۴
۴۲۸	تازہ ترکیب کوئی جب نظر آ جاتی ہے - - -	۳۵۵
۴۲۹	خط کھینچے تو نے مجھ پر تحریر کیا نکالی - -	۳۵۶
۴۳۰	رونق بہار حسن تمھارا ہمیں سے ہے - - - -	۳۵۷
۴۳۱	ملنا ترا اغیار سے منظور کسے ہے - - - -	۳۵۷
۴۳۲	صورت عرق میں ہے یہ رخ پر حجاب کی - - -	۳۵۸
۴۳۳	یہ نہ سمجھو کہ سحر چاک گریباں ہووے - -	۳۵۹
۴۳۴	لباس سرخ میں کافر بھبوکا بن کے آیا ہے - - -	۳۶۰

غزل نمبر	مصرع اول	صفحہ
۴۳۵	یار کا سیبِ زنخداں تو مرے ہاتھ میں ہے	۳۶۱
۴۳۶	سو مفر ہیں اس کے ، گر کوئی بلا پیچھے پڑے	۳۶۲
۴۳۷	ہاتھ میں لے کے وہ جب تیغ و سپر نکلے ہے	۳۶۳
۴۳۸	صبح کی شام ہوئی ، شام کی پھر رات ہوئی	۳۶۴
۴۳۹	گر چشم تر سے ہم نے ٹک آستیں اٹھا لی	۳۶۵
۴۴۰	شرم آتی ہے اب اٹھ کر یاں سے کیا گھر جائیے	۳۶۶
۴۴۱	جی میں آتا ہے گر اب کے اس کے در پر جائیے	۳۶۶
۴۴۲	نہ اس رونے سے آفت دیدہ گریاں پہ آئی ہے	۳۶۷
۴۴۳	بہار موسم گل اب کے پھر تغیاں پہ آئی ہے	۳۶۸
۴۴۴	یاد اس کو دیدہ بازی کے ہیں فن نئے نئے	۳۶۹
۴۴۵	خط نیا خال نیا زلف کی تحریر نئی	۳۷۰
۴۴۶	کاجل آنکھوں میں نہ اتنا بھی لگایا کیجے	۳۷۰
۴۴۷	بہ حال نزع ہوں میں دے مجھے شمشیر سے پانی	۳۷۱
۴۴۸	جوں جوں الفت زیادہ ہوتی ہے	۳۷۲
۴۴۹	جز نجد کے دیکھی نہ کوئی منزل لیالی	۳۷۳
۴۵۰	نہ ڈر سے شیخ کے جام مل آستیں میں ہے	۳۷۴
۴۵۱	نہ یہ وہ دل ہے کہ اب جس سے نالہ سر کھینچے	۳۷۵
۴۵۲	دور رہنا ہی بھلا ہے ہمیں محبوبوں سے	۳۷۶
۴۵۳	گو تم نے مجھے زیست سے بیزار رکھا ہے	۳۷۶
۴۵۴	مروت بھی اگر آنکھوں میں اس کی اک ذرا ہوتی	۳۷۷
۴۵۵	غرض کہ جو حرکت ہے سو دل لبھانے کی	۳۷۸
۴۵۶	تم ہم کو اپنا منہ نہ دکھاؤ تو خوب ہے	۳۷۹
۴۵۷	اس کی چاہت کے گرفتار ہیں ہم بھی سچ ہے	۳۸۰

ردیف الف

۱

خورشید کو سایے میں زلفوں کے چھپا رکھا
چتون کی دکھا خوبی زلفوں[۱] کو لگا رکھا

سویا تو[۲] لپٹ کر میں ساتھ[۳] اس کے ولے اس نے
پہلو سے مرے پہلو تا صبح جدا رکھا

معمار نے قدرت کے طاقِ خمِ ابرو کو
موقعے سے بنایا تو ٹک ، لیک[۴] جھکا رکھا

کس منھ سے اجل کو ہم[۵] منھ اپنا دکھاویں گے
ہم میں تری الفت نے کہہ تو ہی کہ کیا رکھا

قاصد جو گیا میرا لے نامہ تو ظالم نے
نامے کے کیے پرزے ، قاصد کو بٹھا رکھا

بے یار و دیار اپنے جیتا تو رہا میں پر
رکنے نے مرنے جی کے دم میرا خفا رکھا

کس لب کے تبسم نے چھڑکا تھا نمک آن پر
زخموں کے الم نے شب ، تا صبح مزا رکھا

---

۱ - مرے : ل -
۲ - تھا : ح -
۳ - اس ساتھ : ل -
۴ - لے کے : ح ، ل -
۵ - اب : ح ، ل -

کیا جانیے کب کا تھا میرا یہ فلک دشمن
جو اس مہ تاباں کو نت[1] مجھ سے چھپا رکھا

میں اپنے ہنر کا بھی بندہ ہوں کہ کل میں نے
پہلو میں دل اپنے کو پیکاں سے بچا رکھا

دیکھ اس کی ادا یارو ، بس مر ہی گیا میں تو
جوں ہاتھ کو قاتل نے قبضے پہ ذرا رکھا

اے مصحفی ! میں کس کی رفتار کا کشتہ تھا
ہر شعر میں جو میں نے انداز نیا رکھا

۲

پیغام و سلام اس نے[2] ذرا بھی نہیں لکھا
نامے میں تو اک حرفِ دعا بھی نہیں لکھا

تقدیر میں اپنی غمِ خوباں ہی میں مرنا
لکھا بھی[3] جو حق نے تو برا بھی نہیں لکھا

تا پاوے نہ مطلب کو کوئی ، نامے میں میرے
گر شکر نہیں ہے تو گلا بھی نہیں لکھا

بدنامی کے ڈر سے سرِ مکتوب پر[4] اس نے
نام اپنا تو کیا ، نام مرا بھی نہیں لکھا

اس شوخ نے دشمن کو مرے قتل کا ایما
بے جا نہیں لکھا تو بجا بھی نہیں لکھا

نامے میں مرے وصف ہے نکسکھ کی[5] بتاں کے
اتنا تو میں کچھ بے سروپا بھی نہیں لکھا

---

۱ - شب : ل -
۲ - اس نے یہ ذرا بھی : ح -
۳ - ہی : ح ، ل -
۴ - پہ : ح ، ل -
۵ - کا : ح -

اے **مصحفی**! قاصد کو کہاں بھیجوں کہ خط[۱] میں
گھر[۲] اپنے کا اس نے تو پتا بھی نہیں لکھا

۳

ترا خدنگِ نگہ جس کے دل کے پار ہوا
نشانِ تیرِ تغافل وہ دل فگار ہوا
فلک نہ دیکھ سکا ، دیکھوں اپنے یار کو میں
کہ دیکھنا بھی مرا اس کو ناگوار ہوا
زمانہ[۳] سازی کی یوں ہی تو ہم نے خاطر خواہ
کسی کے ساتھ ہمارا نہ روزگار ہوا
جہاں کہ بیٹھ کے زلفوں کو تو نے شانہ کیا
سب اس زمین کا تختہ بنفشہ زار ہوا
دریغ غمزۂ کافر نے کج ادائی کی
نگاہوں میں جو کبھی وصل کا قرار ہوا
تمام عمر ہمیں گزری آشنائی میں
پر آشنا نہ کوئی اب تلک دو چار ہوا
غبار اس کا نہ بیٹھا کسو[۴] کے دامن پر
مری طرح جو کوئی خاکِ کوے یار ہوا
قفس سے چھوڑ دے تو اب تو ہم کو اے صیاد !
چمن میں کہتے ہیں پھر موسمِ بہار ہوا
صبا! جو پوچھے خبر **مصحفی** کی تجھ سے وہ شوخ
تو ہنس کے کہیو میں صدقے ترے نثار ہوا

۱ - کہ اس نے : ح -
۲ - خط میں تو گھر اپنے کا پتا بھی نہیں لکھا : ح -
۳ - زمانہ سازی کی ہم نے (تو ؟) یونہیں خاطر خواہ : ح -
۴ - کسی : ح ، ل -

۷

لطف کیا ، جب بہ سرِ راہ عیاں ہو جانا
دیکھ کر دور سے عاشق کو رواں ہو جانا

تو ملے یا نہ ملے اس سے تو کچھ کام نہیں
ہم کو کوچے میں ترے روز میاں ہو جانا

میں دل آزردہ پھر اک نالہ کیا چاہوں[۱] ہوں
ٹک پرے مجھ سے تو[۲] اے ہم نفساں! ہو جانا

کیا بری خو ہے تمھاری کہ مہِ عید کی طرح
منھ دکھانا بھی تو پھر وون ہی نہاں ہو جانا

اس میں جو ہووے سو ہو ہم کو رہِ عشق کے بیچ
جستجو میں تری بے نام و نشاں ہو جانا

سی رکھے کیا کوئی منھ اپنا عجب مشکل ہے
بات کہنے میں وہیں دشمنِ جاں ہو جانا

ہے تماشا کدۂ خلق مری خاکِ مزار
جی میں آوے تو کبھی آپ بھی یاں ہو جانا

دل کی اپنے بھی عجب خو ہے کہ بیٹھے بیٹھے
خود بہ‌خود ناوکِ مژگاں کا نشاں ہو جانا

کوچۂ عشق میں پرسش نہیں کچھ اے یارو !
سہل سی بات ہے یاں جی کا زیاں ہو جانا

طرفہ عالم ہے ہمارا بھی کہ با ایں ہمہ ضبط
دیکھتے ہی تجھے سرگرمِ فغاں ہو جانا

---

۱ - چاہتا ہوں : ح ، ل -   ۲ - تم : ح ، ل -

مصحفی یہ تری کیا خو ہے کہ روے خوش کو
دیکھنا اور وہیں[1] آودھر نگراں ہو جانا!

۵

مرضِ عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا
تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا

مجھ کو قاصد کے تغافل نے تو مارا ہی ہے
روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا

تو کھلے[2] بالوں مرے سامنے آیا مت کر
ورنہ سر پیٹ ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

دل فریبی کا ہے اُس چشم کو دعویٰ لیکن
غمزہ کہتا ہے کہ میں اس کو بھی چھل[3] جاؤں گا

روغنِ نفت کی حاجت مجھے کیا ہے اے عشق!
میں تو پروانہ ہوں پل مارتے جل جاؤں گا

پاس سے اُس کے نہ کہہ مجھ کو تو، جا جا[4] ہم دم
تجھ کو کیا کام مرے جانے سے چل جاؤں گا

گو کہ خورشیدِ قیامت میں بٹھاویں مجھ کو
کیا بنا موم کا ہوں میں کہ[5] پگھل جاؤں گا

اس کے کوچے میں پکارے گا اگر مجھ کو رقیب
میں بھی عیار ہوں آواز بدل جاؤں گا

---

۱ - ووہیں : ح ، ل ۔
۲ - کھیلے بالوں (؟) : ح ۔
۳ - چھل جانا : (س) دھوکے سے لے لینا ۔
۴ - ہم دم جاجا : ح ۔
۵ - جو : ح ، ل ۔

۶

لے چلا ہے مجھے یہ کہہ کے دل اس کے کُو میں
تو اٹھانے مجھے لگیو میں مچل جاؤں گا
رل[1] گئے خاک میں لاکھوں، تو اچنبھا کیا ہے
میں بھی اک روز اسی خاک میں رل جاؤں گا
لے چلو باغ میں مجھ کو کہ بہ یادِ رخِ دوست
ہوں دل آزردہ، وہاں گل سے بہل جاؤں گا
مصحفی جو مرے منکر ہیں بہ قولِ سودا
ان کی خدمت میں لیے میں یہ غزل جاؤں گا

۶

بتا گر ناز سے تو اُس کو پھر انداز سے مارا
کوئی انداز سے مارا تو کوئی ناز سے مارا
کسی کو گرمیِ تقریر سے اس[2] نے لگا رکھا
کسی کو منہ چھپا کر نرمیِ آواز سے مارا
ہمارا مرغِ دل آخر[3] نہ چھوڑا اس شکاری نے
کبھی شاہیں پھینکے اس پہ، گاہے باز[4] سے مارا
غزل پڑھتے ہی میری، یہ مغنی کی ہوئی صورت[5]
کہ اس نے ساز مارا سر سے اور سر ساز سے مارا
نکالی رسمِ تیغ و طشت دلّی میں جزاک اللہ
کہ مارا تو ہمیں تو نے پر اک اعزاز سے مارا
نہ اُڑتا مرغِ دل تو چنگلِ شاہیں میں کیوں پھنستا
گیا یہ خستہ اپنی خوبیِ پرواز سے مارا

---

۱ - رل جانا : (ہ) مل جانا -
۲ - اپنی : ح -
۳ - چھوڑا نہ آخر : ح -
۴ - ناز : ل -
۵ - حالت : ح ، ل -

۶

جہاں تک ساز واری تھی ، لکھی دشمن کے طالع میں
ہمیں بدنام کر کے طالع نا ساز سے مارا
ہزاروں رنگ اس کے خون نے یاروں کو دکھلائے
جب اس نے مصحفی کو اپنی تیغ ناز سے مارا

۷

صانع نے جو خم ابروئے دل‌دار میں رکھا
سالح[1] نے بھلا کون سی تلوار میں رکھا
وہ رنگ نزاکت نہ دیا عارض گل کو
جو رنگ نزاکت ترے رخسار میں رکھا
پردہ نہ اٹھایا کبھی رخسار سے اس نے
تا زیست مجھے حسرت دیدار میں رکھا
خورشید خجل ہو گیا دیکھ اس کی پھبن کو
طرے کو جب اس شوخ نے دستار میں رکھا
خوں روؤں کہاں سے میں‌کہ اس رونے نے یارو
کیا خاک مرے دیدۂ خوں‌بار میں رکھا
صیاد یہ شکوہ ہے کہ بلبل کے قفس کو
لے جا کے کبھی تو نے نہ گلزار میں رکھا
قاصد نے دیا نامہ مرا اس کو تو اس نے
کر چاک وہیں رخنۂ دیوار میں رکھا
دکاں پہ یوسف کی نہ کوئی نظر آیا
جب اس نے قدم مصر کے بازار میں رکھا

۱- صالح : ل ، ح ، پ (مولانا عبدالحق نے تذکرۂ مصحفی میں 'سالح' لکھا اور یہاں وہی درست معلوم ہوتا ہے) ۔

اے مصحفی میں ہوں وہ الم دوست کہ جس نے
برسوں دمِ خنجر دلِ افگار میں رکھا

۸

جس دم کہ وہ کمر میں رکھ کر کٹار نکلا
جس رہگزر سے نکلا ، عالم کو مار نکلا
خاکِ سیہ میں ہم نے اپنے تئیں ملایا
تو بھی نہ تیرے دل کا ظالم غبار نکلا
آئی زباں جو اپنی جنبش میں نزع کے دم
تیرا ہی نام منہ سے بے اختیار نکلا
باریک ہوگیا میں عشقِ کمر میں لیکن
اس رنج کا کسی سے ہرگز نہ تار نکلا
اُس خانگی سے ازبس اک مجھ کو رفتگی تھی[1]
جب میں ادھر سے نکلا کہانس[2] اور پکار نکلا
ہاتھ اپنے دل پہ میں نے مارا جو وقت شیون
سینے کے نعل[3] سے بھی سوزاں شرار نکلا
کم بخت دل نے ہرگز میرا[4] کہا نہ مانا
آخر گلی سے اس کی ہو بے وقار نکلا
فرقت میں رات اس کی میں زار زار رویا
یاں تک کہ خوب میرے دل کا بخار نکلا
میں ضبط تو کیا تھا اپنے تئیں بہت سا
آنکھوں سے خون دل کا پر جوش مار نکلا

---

۱ - ہے : ح ، ل - ۳ - نالے : پ -
۲ - کہانس و پکار نکلا : ح - ۴ - میرا ہرگز کہا نہ مانا: ح ، ل -

مژگاں کی اس کے سوئیاں، مڑ مڑ گئیں ولیکن
تو بھی ہمارے دل کا ان سے نہ خار نکلا
تہمت ہے **مصحفی** پر سیرِ چمن کی یارو
کب گھر سے اپنے باہر وہ سوگوار نکلا

۹

ہوا شعلہ جو میری آہِ آتش‌ناک سے پیدا
تو ہوویں گے شرارے خرمنِ افلاک سے پیدا
نہیں پیوند پایا بس‌کہ زخموں نے مرے اب تک
ہوا ہوتی ہے اکثر سینۂ صد چاک سے پیدا
کیا ہے خوں جنھوں کا اس کی دستار گلابی نے
گلابی لالہ ہوتا ہے اُنھوں کی خاک سے پیدا
گریباں کیوں نہ پھاڑیں میرزایانِ چمن اپنا
کہ وضعِ میرزائی ہے تری پوشاک سے پیدا
نہیں معلوم کس کے سرکو تو نے اس سے باندھا تھا
ہزاروں داغِ خوں ہیں دامنِ فتراک سے پیدا
قدم رکھتا ہوں میں گر موسمِ گل اس کے سائے میں
جنوں ہوتا ہے مجھ کو دارِ بستِ تاک سے پیدا
پہنچ سکتا ہے کب سروِ رواں اس کی روانی کو
کہ ہے اور ہی روش اس قامتِ چالاک سے پیدا
گرا ہو جس زمیں پر خون تری پلکوں کے زخمی کا
عجب کیا لالہ ہووے واں خس و خاشاک سے پیدا[1]
نہیں اے **مصحفی**! تہمت زدہ میں فسق کا ہرگز
صفائے دل ہے میری، میرے[2] عشقِ پاک سے پیدا

---

۱ - بروزن فع -　　۲ - تیرے: ل، ح -

اے مصحفی میں ہوں وہ الم دوست کہ جس نے
برسوں دمِ خنجر دلِ افگار میں رکھا

۸

جس دم کہ وہ کمر میں رکھ کر کٹار نکلا
جس رہگزر سے نکلا ، عالم کو مار نکلا

خاکِ سیہ میں ہم نے اپنے تئیں ملایا
تو بھی نہ تیرے دل کا ظالم غبار نکلا

آئی زباں جو اپنی جنبش میں نزع کے دم
تیرا ہی نام منہ سے بے اختیار نکلا

باریک ہوگیا میں عشقِ کمر میں لیکن
اس رنج کا کسی سے ہرگز نہ تار نکلا

اُس خانگی سے ازبس اک مجھ کو رفتگی تھی[1]
جب میں ادھر سے نکلا کھانس[2] اور پکار نکلا

ہاتھ اپنے دل پہ میں نے مارا جو وقت شیون
سینے کے نعل[3] سے بھی سوزاں شرار نکلا

کم بخت دل نے ہرگز میرا[4] کہا نہ مانا
آخر گلی سے اس کی ہو بے وقار نکلا

فرقت میں رات اس کی میں زار زار رویا
یاں تک کہ خوب میرے دل کا بخار نکلا

میں ضبط تو کیا تھا اپنے تئیں بہت سا
آنکھوں سے خون دل کا پر جوش مار نکلا

---

۱ - ہے : ح ، ل - ۳ - نالے : پ -
۲ - کھانس و پکار نکلا : ح - ۴ - میرا ہرگز کہا نہ مانا: ح ، ل -

۹

مژگاں کی اس کے سوئیاں، مڑ مڑ گئیں ولیکن
تو بھی ہمارے دل کا ان سے نہ خار نکلا
تہمت ہے **مصحفی** پر سیرِ چمن کی یارو
کب گھر سے اپنے باہر وہ سوگوار نکلا

۹

ہوا شعلہ جو میری آہِ آتشناک سے پیدا
تو ہوویں گے شرارے خرمنِ افلاک سے پیدا
نہیں پیوند پایا بس کہ زخموں نے مرے اب تک
ہوا ہوتی ہے اکثر سینۂ صد چاک سے پیدا
کیا ہے خوں جنھوں کا اس کی دستار گلابی نے
گلابی لالہ ہوتا ہے اُنھوں کی خاک سے پیدا
گریباں کیوں نہ پھاڑیں میرزایانِ چمن اپنا
کہ وضعِ میرزائی ہے تری پوشاک سے پیدا
نہیں معلوم کس کے سر کو تو نے اس سے باندھا تھا
ہزاروں داغِ خوں ہیں دامنِ فتراک سے پیدا
قدم رکھتا ہوں میں گر موسمِ گل اس کے سائے میں
جنوں ہوتا ہے مجھ کو دارِ بستِ تاک سے پیدا
پہنچ سکتا ہے کب سروِ رواں اس کی روانی کو
کہ ہے اور ہی روش اس قامتِ چالاک سے پیدا
گرا ہو جس زمیں پر خوں تری پلکوں کے زخمی کا
عجب کیا لالہ ہووے واں خس و خاشاک سے پیدا!
نہیں اے **مصحفی**! تہمت زدہ میں فسق کا ہرگز
صفائے دل ہے میری، میرے[2] عشقِ پاک سے پیدا

---

۱ - بروزن فع -
۲ - تیرے : ل، ح -

۱۰

روئے نے میرے ہوش تو طوفاں کا کھو دیا
ٹک آنکھیں ڈبڈبائیں کہ عالم ڈبو دیا

اب جوہری کہاں ہے کہ اک طشتِ آب نے
کافر کے بال بال میں موتی پرو دیا

جانی نہ قدرِ لختِ جگر ، آہ کیا کہیں[1]
اک طرفہ لعلِ بیش بہا تم[2] نے کھو دیا

رسمِ حنا نہیں ہے کہ یوں پشت و رو لگے
یہ ہاتھ کس کے خون میں تو نے ڈبو دیا

دامن جھپک کے چلتے ہو تم ، پاس ہے ضرور
تربت کا میری دیکھیو ٹھنڈا نہ ہو دیا

ہاتھوں سے درد و غم کے دلِ زار **مصحفی**
اتنا ہوا بہ تنگ کہ بس اس نے رو دیا

۱۱

شعلہ آتش پہ جب میں اپنا داماں رکھ دیا
پرزے پرزے کرکے دل نے بھی گریباں رکھ دیا

ہیں ابھی لاکھوں مسلماں ، خیل ہیں[3] تیرے اسیر
ہاتھ سے خنجر کو کیوں اے نامسلماں ! رکھ دیا

اڑتے اڑتے اس کے کوچے میں جو جا نکلے کہیں
حاملوں نے دوش سے تختِ سلیماں رکھ دیا

دوست داروں کو خبر پہنچے کہ شب مقتل میں جا
ہم نے سر اپنا تہِ شمشیرِ براں رکھ دیا

---

۱ - کریں : ح ، ل -
۲ - ہم : ح -
۳ - میں : پ -

جب قسم کھانے لگا میں اختلاط غیر کی
دوڑ کر کافر نے میرے سر پہ قرآں رکھ دیا

چشم[1] تر کو دی بہار اس آہِ آتش بار نے
جوئبار اوپر میں کیا سروِ چراغاں رکھ دیا

جب حکایت ہائے رنگیں اس نے عاشق کی سنیں
پڑھتے پڑھتے ہاتھ سے جزوِ گلستاں رکھ دیا

مہربانی دیکھیو کانِ ملاحت کی مرے
زخمِ عاشق پر نگوں کرکے نمک داں رکھ دیا

چاک در سے بھی نہیں کر سکتے ہم اس پر نگاہ
کس نے دروازے پہ یہ اس کے نگہباں رکھ دیا

کیا نظر آیا مجھے اس میں کہ[2] روزِ وصل ہائے
لب تلک لے جاکے[3] میں نے آبِ حیواں رکھ دیا

عشق کے ہاتھوں سے جلتا ہوں کہ سینے پر مرے
گرم گرم ، آتے ہی اس نے داغِ ہجراں رکھ دیا

سودۂ الماس چاہے تھا مرا زخم ، اے طبیب !
تو نے کیوں مرہم کا پھاہا اس پہ ناداں رکھ دیا

اس نے سینے سے مرے پیکاں کو کھینچا تو ولے
جب یہ دیکھا دل[4] بھی ہے اس میں تو پیکاں رکھ دیا

جیسے گل ڈالی پہ پھولے یوں نظر آیا وہ رخ[5]
یک بیک ہاتھ اس نے جب زیرِ زنخداں رکھ دیا

---

۱ - نار چشم تر کو دی اس آہ آتش باز نے : ل - ۵ - شوخ : ح -
۲ - کہ میں نے روز وصل : ل ، ح -
۳ - جام آب حیواں : ح ، ل -
۴ - دل ہے اس میں : ل - دل ہی ہے : ح -

سیم سی سینے کی تختی سب نظر آنے لگی
کس نے وا اتنا ترا چاک گریباں رکھ دیا
مصحفی بارِ امانت کا نہ تھا حامل کوئی
اس لیے اس بوجھ کو بر فرقِ انساں رکھ دیا

۱۲

دل کب متحمل ہو جدائی کے الم کا
اس حرف کے لکھنے سے جگر شق ہے قلم کا
ہووے نہ عذاب اس کو کبھی، جس کی پسِ مرگ
چھاتی پہ ہو تعویذ ترے نقشِ قدم کا
آیا جو عدم سے سو عدم ہی کو سدھارا
ہستی میں کوئی رہ نہ گیا ملکِ عدم کا
ہوتا ہے مسافر کو دوراہے میں توقف
رہ ایک ہے اٹھ جائے جو شک دیر و حرم کا
اے مصحفی! دنیا ہے سرا ، اس میں مری جاں
جوں ہووے غنیمت ہے گزارا کوئی دم کا

۱۳

نالۂ مرغِ سحر دل میں اثر کر ہی گیا
سنتے ہی اس کے ، میں دنیا سے سفر کر ہی گیا
جس کی جس طرح کٹی ، غم کدۂ دنیا[1] میں
عمر اپنی کے وہ اوقات بسر کر ہی گیا
چشمۂ آبِ حیات اس کے دمِ تیغ میں تھا
خضر بھی اپنے لبِ خشک کو تر کر ہی گیا

---

۱ - غم کدۂ ہستی : ل ، ح -

دمِ شمشیر پہ تھی راہ مری اس کُو میں
کر کے بند آنکھیں میں آخر کو گزر کر ہی گیا
بزمِ خوباں میں جوشب لے گئے مجھ کو احباب
میں بھی ہر ایک کی صورت پہ نظر کر ہی گیا
مل گیا تھا وہ طپنچوں کو کمر بیچ سجے
بانکپن[1] دیکھ کے میں اس کا حذر کر ہی گیا
کیا کہوں اس کی ادا ، وقت بگڑنے کے وہ شوخ
رات مجھ سے بھی اگر اور دگر کر ہی گیا
مصحفی کون سی ہے اب مرے بچنے کی امید
ناوکِ غمزہ تو سوراخِ جگر کر ہی گیا

۱۴

یک چند آس طرف جو میں جانے سے رہ گیا
رک رک کے وہ بھی کچھ ادھر آنے سے رہ گیا
کیوں کر کہوں نہ اس کو ترازو کہ تیرِ عشق
وہ تیر ہے جو لگ کے نشانے سے رہ گیا
گردش کی آسماں کی وہی چال ڈھال ہے
کس دن یہ بے کسوں کے ستانے سے رہ گیا
کس کی نگاہِ مست نے تجھ کو چھکا دیا
ساقی تو کیوں شراب پلانے سے رہ گیا
وہ نور دیدہ اٹھ جو گیا سامنے سے رات
مجھ کو اسی گھڑی نظر آنے سے رہ گیا
قاصد کو اس نے جاتے ہی رخصت کیا تھا لیک
بدذات ماندگی کے بہانے سے رہ گیا

---

۱ - بانکپن دیکھ کے اس کا میں حذر کر ہی گیا : ح -

بسمل کی تیرے کچھ نہ گئی پیش جستجو
آخر وہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے رہ گیا

وہ لالہ رو نہ مجھ سے ملا ، مصحفی دریغ
یہ داغ میرے دل پہ زمانے سے رہ گیا

۱۵

مجھ تک یہ نہ آوے ، تمھیں منظور یہی تھا
میں بیٹھ رہا ، میرا بھی مقدور یہی تھا

دیکھا کہ نہ دیکھا اسے جاتے ہوئے تم نے
اے کج کلہاں ، ہاں بتِ مغرور یہی تھا

کیا اپنی خرابی میں کہوں سنگ جفا سے
جس نے کہ کیا شیشۂ دل چور ، یہی تھا

مدت ہوئی ویراں ہے مرا کلبۂ احزاں
کیا کہیے کبھی جلوہ گہ طور[1] یہی تھا

ہو جاتے تھے معشوق یوں ہی دشمنِ عاشق
کیا اگلے زمانے میں بھی دستور یہی تھا

اک صانعِ قدرت کی جدی بات ہے لیکن
یوسف میں بھی ہاں حسن یہی نور یہی تھا

بولا وہ صنم دل پہ مرے تیر لگا کر
کیا سچ ہے ترے زخم کا انگور یہی تھا

سینے میں مجھے اپنی تجلّی نظر آئی
میں عشق میں موسیٰ تھا مرا طور یہی تھا

---

۱ - حور : ح ، ل -

مجھ سے نہ گیا مرتے تلک عشق کا اپکا
سینے میں مرے مصحفی ناسور ہی تھا

۱٦

جاتے جاتے راہ میں اس نے منھ سے اٹھایا جوں ہی پردا
راہ کے جانے والوں نے بھی منھ اس کا پھر پھر کے دیکھا
قیس ملے تو اس سے یہ پوچھوں، کیا ترے جی میں آئی دوانے
شہر کو تو نے کس لیے چھوڑا، کیوں کہ خوش آیا تجھ کو صحرا
صبح سے لے کر شام تلک یاں یہ وہ گلی ہے جس میں پھریں ہیں
چاک گریبان ، موے پریشاں ، ہم سے ہزاروں عاشقِ رسوا
اس نے مزہ کیا پایا ہوگا ، دو چلّو مے پینے کا یاں
جس مے کش کے ہاتھ نہ آیا غبغبِ ساغر ، ساعدِ مینا
سوختگی نے غم کی اثر جو دل میں کیا ہے، ہونے لگا ہے
تھوڑا تھوڑا رنگ دھوئیں کے، سبزہ ہماری خاک سے پیدا
اک ٹھوکر سے مُردے ہزاروں اٹھتے[۱] ہیں ہر گور سے ووں ہی
لیتا ہے وہ وقت خرامش پاؤں سے اپنے کارِ مسیحا
آنکھ لڑانا ، سامنے آنا ، منھ دکھلانا اور چھپ جانا
یہ بھی ادا ہے کوئی ظالم مان خدا کو مت دے ایذا
جاتے ہیں نہ کسی کے گھر ہم اور نہ کوئی کچھ دیتا ہے ہم کو
قطع[۲] کیے ہیں ہم نے دونوں پاے طلب اور دستِ تمنا
مصحفی اس دل چسپ زمیں میں طبع کرے گر تیری رسائی
خامہ ترا کچھ کند نہیں ہے ایک غزل تو اور بھی لکھ جا

---

۱ - اٹھ بیٹھے ہیں گور سے ووہیں : ل ، ح ۔
۲ - قطع کیے ہم نے تو دونوں : ل ، ح -

١٧

دیکھ کر اک جلوے کو تیرے گرہی پڑا بےخود ہو موسا
ان آنکھوں کے صدقے جاؤں جو ہیں ہر دم محو تماشا
زہد و ورع پر پھول نہ زاہد حسن کا منکر ہو نہ دوانے
صنعاں سے کو لے گیا غافل ایک ادا میں عشوۂ ترسا
دیکھ تجلی حسن کی تیرے کوہ ہے جب ہو کر پانی
دیوانا سا بھاگا ووں ہی چاک گریباں کرکے دریا
کیوں نہ گریباں پھاڑوں اپنا ، ہاتھ مرا اور اس کا دامن
طالع میں مل کرکے ہوا ہے دامنِ یوسف دستِ زلیخا
روز کے وعدے روز بہانے روز یہ کہنا : آؤں گا کل
فائدہ کیا ان باتوں کا ہے ہم نے میاں بس تم کو دیکھا
زلفِ معنبر اس نے جو کھولی تو یوں مجلس ساری مہکی
آوے چمن سے موسمِ گل میں بادِ صبا کا جیسے جھونکا
مدھیں بھرا ہے جوبن کے وہ حسن سے اس کے ٹپکے ہے مستی
چاہِ ذقن ہے جامِ بلوریں اور غبغب ہے شیشۂ صہبا
نیم نگہ پر دیتے ہیں دل کو جانو تو کچھ لے لو صاحب
پھر نہ ملے گا ورنہ تم کو ہرگز ایسا سستا سودا
کیوں نہ جھکے دل دیکھ کے اس کو ، جس ساق کا ہووے یارو
دستِ نگاریں پنجۂ مرجاں ، ساعد سیمیں گردن مینا
مصحفی کرکے چاک گریباں چل جنگل کو اے دیوانے
دیکھ تو کیا پھولا ہے لالہ سرخ ہے کیسا دامنِ صحرا[1]

١- دامن عبرا: ح ، ل ۔

۱۸

آیا جو یاں[1] تو ووں ہی بہانے سے اٹھ گیا
آسودگی کا حرف زمانے سے اٹھ گیا

گو اب ہزار شکل سے جلوہ کرے کوئی
اپنا تو دل اس آئنہ خانے سے اٹھ گیا

دیوانۂ بہار جو تھا اس بہار میں
صحرا کو نوبہار کے آنے سے اٹھ گیا

بیٹھا تھا آ کے قیس تو لیلی کے در پہ لیک
دیوانہ کودکوں کے ستانے سے اٹھ گیا

ہرگز نہ مصحفی کا رہا خاک بھی نشاں
نقشِ قدم کی طرح زمانے سے اٹھ گیا

۱۹

کچھ آرزو نہ تھی بت و بت‌خانہ دیکھنا
منظور تھا ہمیں رخِ جانانہ دیکھنا

الجھا ہے کس کی زلفِ پریشاں میں دل مرا
اے شانہ ہیں! برائے خدا ، شانہ دیکھنا

نکلے ہیں اس میں گردشِ چشمِ پری کے ڈھنگ
ساقی ادائے گردشِ پیمانہ دیکھنا

گھوریں ہیں ہم بتوں کو رقیبوں کے ساتھ دیکھ
کوئی[2] سیکھ لیوے ہم سے حریفانہ دیکھنا

اے دل بس آنکھیں موند لے اب[3] کیا ضرور ہے
نت اٹھ کے روے محرم و بیگانہ دیکھنا

---

۱ - سو : ح -
۲ - بروزن فع -
۳ - اب ضرور ہے (؟) ح -

کیا سہل سی طرح سے جلاوے ہے آپ کو
اے شمع جاں فشانی پروانہ دیکھنا
کرتا ہے نت[۱] تو زلف کا مذکور مصحفی
اک دن کھنچے گا طول یہ افسانہ دیکھنا

۲۰

سخت مشکل ہے اب اس کوچے میں جانا اپنا
کہ وہاں جان کا دشمن ہے زمانا اپنا
اس فریبی کا میں کشتہ ہوں کہ مجھ سے سرِ راہ
مل بھی جانا ، تو کبھی گھر نہ بتانا اپنا
آنکھ لڑ جاے کسی سے جو تری گو لڑ جاے
لیکن اے جان مرے ! دل نہ لڑانا اپنا
سینہ غربال ہی اس کا نظر آیا آخر
تیرِ مژگاں نے کیا جس کو نشانا اپنا
ہو کے پروانہ ہم اس بزم میں جو جاتے ہیں
ہم کو منظور ہے آتش میں جلانا اپنا
اگر اُس شوخ کی مجلس میں ہوئی راہ ہمیں
ایک دن ہم بھی سناویں گے فسانا اپنا
چاک ہو جاویں گے لاکھوں ہی گریباں ظالم
چاکِ پردہ سے نہ یوں ہاتھ دکھانا اپنا
بولی وہ زلفِ سیہ کر کے گرفتار مجھے
پھر تو دل عشق کے پھندے میں پھنسانا اپنا
کر کے میں چاک گریباں جو گیا ، یوں بولا
"حال دکھلاے ہے کس کو یہ دوانا اپنا"

۱ - تو تو : ح -

مصحفی گو تری منت کرے ناصح آکر
فصلِ گل میں تو گریباں نہ سلانا اپنا

۲۱

تیرِ کرشمہ دل سے مرے پار ہوگیا
آنکھیں لڑیں تو پھر! جگر افگار ہوگیا
صیاد نے نہ ذبح کیا مرغِ دل کو ہائے
یہ تو قفس کے بیچ ہی مردار ہوگیا
ہے ہے ستم کے نام سے جو آشنا نہ ہو[۱]
یہ کیا ستم ہوا کہ ستمگار ہوگیا
ظالم خدا کے واسطے کر اب تو در گذر[۳]
سینہ جراحتوں سے تو گلزار ہوگیا
برگشتگی[۴] کا بخت کی کس سے بیاں کروں
دل‌دار تھا جو اپنا، دل آزار ہوگیا
کس کی بلائے زلف مری جان پر پڑی
یارب میں کس بلا میں گرفتار ہوگیا
دیکھا جو وقتِ شام آسے پشتِ بام پر
خورشید ہو خجل پسِ دیوار ہوگیا
دل سے خبر نہیں ہے مجھے اس کے مصحفی
آنکھوں میں تو اشارہ کئی بار ہوگیا

۲۲

کیا کہیے یار تھا سو وہ اغیار ہوگیا
اس غم سے جل کے داغ، دلِ زار ہوگیا

---

۱ - یہ: ح، ل -
۲ - تھا: ح، ل -
۳ - اب تو بھی درگذر: ح -
۴ - برگشتگیٔ بخت کا: ح، ل -

آنکھ اس کی سوے در ہی رہی رات دن لگی
نظروں میں جس سے وعدۂ دیدار ہوگیا
سینہ جو چاک چاک ہوا اس کی تیغ سے
یہ مرغِ دل قفس میں گرفتار ہوگیا
آیا[1] کبھی غبار اگر ، میرے یار کے
وہ بھی تو درمیان میں دیوار ہوگیا
سفاک ابتدا سے وہ بے رحم ہے ، غلط
کہیے گر اس کو آج جفا کار ہوگیا
اتنی تو مجھ کو سیرِ چمن کی ہوس نہ تھی
پر دل کی بے کلی سے میں ناچار[2] ہوگیا
تعریف مجھ سے سنتے ہی اس گل‌عذار کی
بس پھول تو گلے کا مرے ہار ہوگیا
اب ڈھونڈتا ہے تیر کو ظالم کہاں ، کہ وہ
سینے میں غرق تا لبِ سوفار ہوگیا

ق

یوسف بھی اپنے عہد میں کچھ تجھ سے کم نہ تھا
اس کا بھی حسن رونقِ بازار ہوگیا
پرتو وہ جنسِ نغز ہے ، بازارِ دہر میں
سودے[3] میں جس کے محو خریدار ہوگیا
بے وجہ مصحفی کا[4] نہیں ہے یہ اشک و آہ
ظاہر ہے یہ کہ اس کو کچھ آزار ہوگیا

---

۱ - آیا اگر غبار کبھو : ح - ۳ - سودے میں محو جس کے : ح ، ل -
۲ - لاچار : ح ، ل - ۴ - کی : ح ، ل -

۲۳

اس کو دکھلائیو نقشہ مری حیرانی کا
جس سے نکلے ہے اک انداز پشیمانی کا

ضبطِ غم کوئی کہاں تک کرے اس ضبط میں تو
حوصلہ صرف ہوا طاقتِ انسانی کا

کہکشاں تو نہیں گردوں پہ، اگر کیجیے غور
تختہ پارہ ہے کسی کشتیِ طوفانی کا

خنجر و تیغ ملے جاتے ہیں اُس کے گھر میں
آج سامان ہے شاید مری مہمانی کا

اے برہمن بچے[1] اس کی بھی خبر ہے جو غریب
گیا دیکھ کے صندل تری پیشانی کا

آئنے کی 'تو عبث کرتا ہے اتنی[2] تعریف
آئنہ آپ ہے حیراں مری حیرانی کا

مصحفی میں وہ غزل خواں ہوں کہ جس کے آگے
ہو نہ سرسبز سخن بلبلِ بستانی کا

۲۴

رخ پہ عالم ہے[3] وہ زلفوں کی پریشانی کا
جوں پڑے روز پہ پردہ شبِ ظلمانی کا

جب نہ تھا سلسلۂ زلف سے مجھ کو سروکار
عشق باعث تھا مری سلسلہ جنبانی کا

کفر پھیلا ہے یہاں تک کہ زمانے میں کوئی
نام لیتا نہیں بھولے سے مسلمانی کا

---

۱ ۔ کچھ اس کی خبر ہے جو غریب : ح ، ل ۔
۲ ۔ اپنے : ل ، ح ۔
۳ ۔ ہے : ح ، ل ۔

ہوش اڑ جائیں گے اے زلفِ پریشاں تیرے
گر میں احوال لکھا اپنی پریشانی کا

ہو گیا حلقۂ زنجیر اسے کام نہنگ
پاؤں لوہے[1] سے نہ نکلا ترے زندانی کا

لا سکے حسن ترا اے صنمِ مہر جمال!
کس طرح صفحۂ کاغذ پہ قلم مانی کا

کلکِ صنعت نے نہ کھینچی ترے چہرے کی شبیہ
دستِ قدرت نے بنایا نہ ترے ثانی کا

مصحفیؔ جھوٹ ہے کیا، ریختہ گوئی میں مجھے
ہوں تو میں مور، پہ دعویٰ ہے سلیمانی کا

۲۵

منہ دیکھوں میں روزِ عید تیرا
مقصود ہے مجھ کو دید تیرا

کہتے ہیں کہ خوں میں لوٹتا ہے
تیرا زخمی، شہید تیرا

ہیں زلف کے سلسلے میں لاکھوں
اک میں بھی سہی مرید تیرا

اے دل! اسے اور بھی سیہ کر
نامہ ہے ابھی سپید تیرا

آیا جو عدم سے میں، تو مجھ کو
منظور تھا باز دید تیرا

مطلب اس بے وفا سے کیا ہے
کہہ اے دلِ نا اُمید تیرا

---

۱ - بیڑی: ح، ل۔

کہتی ہے جسے کہ مصحفی خلق
ہے بندۂ زرخرید تیرا

۲۶

میں اس صنم ماہ لقا کو نہیں دیکھا
جس طرح کہ بندے نے خدا کو نہیں دیکھا
پھولا ہے بہت لالہ جو رنگینی پر[۱] اپنی
اس نے کرے پاؤں کی حنا کو نہیں دیکھا
اتنی ہے حیا تجھ میں[۲] کہ افراط حیا سے
آنکھوں نے تری روے حیا کو نہیں دیکھا
ہم نام ہی سنتے ہیں سدا مہر و وفا کا
آنکھوں سے کبھی مہر و وفا کو نہیں دیکھا
ہنستا ہے جو ہر لحظہ پریشانی پہ میری
اس گل نے زمانے کی ہوا کو نہیں دیکھا
زلفوں کے تموج کو وہ کیا سمجھے کہ[۳] جس نے
اٹھتے ہوے طوفان بلا کو نہیں دیکھا
دیکھا ہے تجھے رقص میں لاکھوں نے ولیکن
آنکھوں سے مری ، تیری ادا کو نہیں دیکھا
یاروں کی فقط جنبش دامن پہ نظر ہے
افسوس کہ اس جنبش پا کو نہیں دیکھا
اے مصحفی ! دل کیوں کہ لگے باغ میں میرا
پھرتے ہوے واں باد صبا کو نہیں دیکھا

---

۱ - پہ : ح ، ل - ۲ - کو : ل ، ح - ۳ - گا : ح -

۲۷

ٹکڑا جہاں گرا جگرِ چاک چاک کا
یاقوت سا دمکنے لگا رنگ خاک کا

لے[1] جاتے ہیں اٹھا کے ملک اس کی نعش کو
یہ مرتبہ ہے تیغِ نگہ کے ہلاک کا

اے باغباں ! نہ مجھ سے ہو آزردہ ، میں چلا
اک دم خوش آگیا تھا مجھے سایہ تاک کا

ملنے میں کتنے گرم ہیں یہ ہائے دیکھیو
کشتہ ہوں میں تو شعلہ رخوں کے تپاک کا

اے شعلہ ! اپنی گرم روی پر نہ بھولیو
عالم ہے دور آہِ دلِ سوزناک کا

آتا ہے اپنے کشتے کی تربت پہ جب وہ شوخ
اک نعرہ[2] واں سے اٹھے ہے "روحی فداک"[3] کا

شکرِ خدا کہ نام ہے عصمت کا **مصحفی**
روزِ جزا کو آہ مرے عشقِ پاک کا

۲۸

جانے سے جس گلی کے مجھے عار ہی رہا
جب شب ہوئی میں واں پسِ دیوار ہی رہا

آخر نصیبِ غیر ہوئی وہ متاعِ نیک
اک عمر تک میں جس کا خریدار ہی رہا

۱- یہ شعر ن ، ح و ن ، ل میں نہیں -
۲- نالہ : ح ، ل -
۳- روحی فداک : میری روح تیرے جسم پر فدا ہو ! (عرب کسی سے خوش ہوتے ہیں تو یہ کہا کرتے ہیں) -

تخفیف دی نہ اس کو گریباں نے ایک دن
دستِ جنوں گلے کا مرے ہار ہی رہا

مانندِ مرغِ رشتہ بہپا ، دستِ چرخ میں
چھوٹے ہوئے پہ بھی میں گرفتار ہی رہا

اک پل لگی نہ آنکھ مری ، اس کی یاد میں
راتوں کو میں فلک زدہ بیدار ہی رہا

جس دن سے اس کی تیغ کے جوہر نظر پڑے
ہم کو تلاشِ مرہمِ زنگار ہی رہا

اوروں نے اُس سے کامِ دل اپنا کیا حصول
میں ایک بوسے تک بھی طلب گار ہی رہا

اک زخم پر کبھی نہ تسلی ہوا یہ دل
نت زخمِ تازہ اس کو تو درکار ہی رہا

ہر چند لکھنئو میں رہے ہم پہ **مصحفی**
اِس شہر سے دل اپنا تو بیزار ہی رہا

۲۹

ملنے سے میرے ، اس کو ز بس عار ہی رہا
جب تک جیا میں ، وعدۂ دیدار ہی رہا

اُس لب سے کامیاب ہوئے تا بہ جام مے
محرومِ بوسہ اک یہ گنہگار ہی رہا

مانندِ مرغِ قبلہ نما مرغِ دل مرا
نکلا نہ آشیاں سے ، گرفتار ہی رہا

اندھیر تھا ز بس تری زلفوں کے عہد میں
روزِ وصال ہم پہ شبِ تار ہی رہا

کیا اعتماد یاں کی عمارت کا ہے کہ یاں
خورشید زندگی سرِ دیوار ہی رہا
موسم میں خط کے کیا ہوسِ بوسہ کیجیے
نے وہ صفا رہی ، نہ وہ رخسار ہی رہا
اک بار تجھ پہ جس کی نظر پڑ گئی وہ شخص
دنیا میں روے خوش کا خریدار ہی رہا
رکھتے تھے جو زمیں پہ مطلا[1] عمارتیں
اب وہ رہے نہ ان کا کچھ آثار ہی رہا
غیروں کے گھر ہمیشہ گیا **مصحفی** وہ شوخ
پر میرے نام سے اسے انکار ہی رہا

۳۰

باغباں دیکھ کے کل ضبطِ نفس بلبل کا
لے گیا سامنے گل کے ہی قفس بلبل کا
کام ان کا ہے یہ جو لوگ کہ ہیں عاشقِ دوست
شوق کرتے ہیں عبث اہلِ ہوس بلبل کا
کر چلا کوچ مگر قافلۂ فصلِ بہار
دل ہے فریاد میں مانندِ جرس بلبل کا
عشق وہ چیز ہے کیا کچھ جسے جوکھوں آوے
کبھی خواہاں نہ سنا ہم نے عسس[2] بلبل کا
کون جانے تھا کہ اس طفل کے ہاتھوں میں ابھی
جی نکل جاے گا مانندِ مگس ، بلبل کا

---

۱ - مطلا : (ع) سنہری -
۲ - عسس : (ع) کوتوال -

آشیانے کے بنانے میں یہ دل سوزی کی
جلنے[1] لاگو نہ ہوا ایک بھی خس بلبل کا
مصحفی دام ہے گل چہرہ بُتوں کی خاطر
تو بھی گر شوق کرے اب کے برس بلبل کا

۳۱

خوبی کو تری کس نے مری جاں نہ سراہا
صدقے میں ترے ، تجھ کو صنم کس نے نہ چاہا
پونچھے نہ کبھی تو نے مرے دیدۂ گریاں
رکھا نہ کبھی تو نے مرے زخم پہ پھاہا
جو راہ پسند آوے تری اس میں قدم رکھ
مشہور ہے یاں مذہب و مشرب کا دوراہا
گر اس کی یہ صورت ہے تو اس چاہ کے اوپر
کس طرح سے گزرے گی مری بار الٰہا
خال و خط و زلف اس میں ترے سب ہیں قلم بند
ہے نامۂ اعمال کا اپنے جو سیاہا[2]
جب پردہ اٹھاوے ہے کبھی منہ سے وہ اپنے
اُس وقت مرے منہ سے یہی نکلے ہے ’آہا‘
زخمی وہ ترا کون ہے جو خوں میں نہ لوٹا
بیمار ترا کون ہے وہ جو نہ کراہا
ٹھوکر جو لگاتا ہے مرے دل کو تو ہردم
راہ و روشِ ناز یہ ہے جلوہ پناہا

---

۱ - چلتے : ح -
۲ - سیاہا (ہ) : روزنامچہ ، بہی کھاتہ -

ہے کون سے مذہب میں روا کس نے بتا دی (کذا)
مسجد کے تئیں واسطے بت خانے کے ڈھاپا
کہنا تھا تو اے **مصحفی**! عاشق میں نہ ہوں گا
قول اپنے کے تئیں[۱] تو نے غرض زور نباہا

۳۲

ہے کسوں پر جو ذرا وہ بتِ بےباک چڑھا
ہر گھڑی آئے ہے پنڈے[۲] کے تئیں خاک چڑھا
قد کو یوں اس کے دھواں آہ کا میری لپٹا
جوں کسی نخل پہ ہووے[۳] شجرِ تاک چڑھا
جامۂ صبر کیا ماہِ فلک نے ٹکڑے
شب جو کوٹھے پہ وہ مہ پہن کے پوشاک چڑھا
کون جھکجھولے[۴] سہے ہم سے ضعیفوں کے تئیں
نہ ہنڈولے[۵] پہ تو اے گردشِ افلاک! چڑھا
طلبِ بوسۂ رخسار عبث ہے اس سے
دور سے دیکھ کے عاشق کو جو لے ناک چڑھا
اس قدر تو ہے اسے اپنی نزاکت کا گھمنڈ
گل بھی ہاتھ اس کے جو[٦] دیجے تو وہ لے ناک چڑھا
جب کبھی جاتے ہیں تربت پہ ترے کشتے کی
جائے گل دیتے ہیں ہم واں جگرِ چاک چڑھا

---

۱ - برون فاع -
۲ - پنڈا : (ہ) جسم -
۳ - ہوئے : ح -
۴ - جھکجھولے : (ہ) جھٹکے، ہچکولے -
۵ - ہنڈولا : (ہ) پالنا ، گہوارہ -
٦ - میں : ح ، ل -

دل ہے نازک مرا، ہاتھوں سے ترے جاے نہ ٹوٹ
اس نگینے کو نہ تو چرخ[1] پہ حکاک[2] چڑھا
اس طرح باغ میں نرگس کی جھکی[3] ہیں آنکھیں
کسی کیفی کو ہو جوں نشۂ تریاک چڑھا
مصحفی کشتہ ہے آگو ہی ترا ، تو اس پر
آستیں[4] کو نہ عبث تو بتِ سفاک چڑھا

۳۳

اس نے جس وقت کہ خال اپنے زنخداں پہ رکھا
داغ اک اور مرے سینۂ سوزاں پہ رکھا
آ گیا یار کا دامن جو مرے ہاتھ کبھو
میں نے رومال سمجھ دیدۂ گریاں پہ رکھا
تو خراماں جو ہوا باغ میں کل نرگس نے
اپنی آنکھوں کو ترے گوشۂ داماں پہ رکھا
رات آنکھوں میں کٹی مجھ کو جدائی کی تری
میں نے اک پل بھی تو مژگاں کو نہ مژگاں پہ رکھا
دھجیاں ہو کے اڑا میرا گریباں ، میں نے
ہاتھ جس وقت کہ سودے میں گریباں پہ رکھا
مژدۂ قتل نہ پہنچا جو مجھے زنداں میں
رک کے میں اپنا گلا خنجرِ برّاں پہ رکھ
مصحفی لعلِ لب اس کے کی کروں کیا تعریف
جس نے سو بار سخن[5] لعلِ بدخشاں پہ رکھا

---

۱ - چرخ : (ف)خراد کا ایک آلہ - ۴ - آستینیں نہ عبث : ح ، ل -
۲ - حکاک : (ع) نگینہ ساز - ۵ - سخن رکھنا : الزام دینا -
۳ - جھکیں : ح ، ل -

۳۴

جس سنگ پہ خونِ کوہ کن تھا
وہ سنگ ہی تختۂ چمن تھا

اُس گل کو میں اس ادا سے دیکھا
شبنم کا گلے میں پیرہن تھا

دیکھا میں ترے شہید کا رنگ
جامہ جو گلے میں تھا کفن تھا

باندھا تھا وہ چیرہ اس نے سر پر
ہر پیچ میں جس کے بانکپن تھا

ہم اس سے جو کھنچ رہے تھے زیں پیش
یہ بھی اک عاشقوں کا فن تھا

اے شمع! تو خوب سا نہ روئی
آگے ترے صبح تک لگن تھا

میں نالہ بلند کیونکہ کرتا
سر پر مرے گنبدِ کہن تھا

زلف اپنی جو[1] رات اس نے کھولی
ہر چین میں اس کی اک ختن تھا

جاتے ہی میں اس کے[2] رہ گیا چپ
نالہ ہی تو اپنا ہم سخن تھا

اک بجلی کی کوند ہم نے دیکھی
اور لوگ کہیں ہیں وہ بدن تھا

اے مصحفی! کیا گیا تو رات
اُس کوچے میں شورِ مرد و زن تھا

۱ - جو اس نے رات کھولی : ح ، ل - ۲ - کو : ح ، ل -

۳۵

رات پردے سے ذرا منھ جو کسو کا نکلا
شعلہ سمجھا تھا اسے میں پہ بھبوکا[1] نکلا

مہرومہ اس کے تئیں دیکھ کے حیران رہے
جب ورق یار کی تصویر دو رو کا نکلا

یہ ادا دیکھ کے کتنوں کا ہوا کام تمام
نیمچہ کل جو ٹک اُس عربدہ‌جو کا نکلا

مر گئی سرو پہ جب ہو کے تصدق قمری
اُس سے اس دم بھی نہ طوق اپنے[2] گلو کا نکلا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

۳۶

شب ترے کوچے میں کوئی کہتے ہیں مر کر رہ گیا
تو نہ آیا اور وہ مسکیں آہ بھر کر رہ گیا

قافلہ باد بہاری کا یہ اس کو کیا ہوا
باغ سے جاتا تھا؛ کیوں عزمِ سفر کر رہ گیا

تو گیا پیارے سفر کو چھوڑ کر میرے تئیں
رفتہ رفتہ میں ترے جی سے بسر کر رہ گیا

ہے گزشت ایسی مزاج اپنے میں دیکھا بارہا
اس نے دی گالی مجھے میں درگزر کر رہ گیا

اب جو بھولے سے ادھر آتا نہیں اس کا خیال
ہائے کیا وہ بھی کسی کے جی میں گھر کر رہ گیا

---

۱ - بھبوکا : (ہ) چمک دار ، انگارہ ۔ ۲ - اس کے : ح ، ل ۔

منہ پھرا کر جب چلا وہ مجھ سے ہنگامِ وداع
اس کے چہرے پر میں حسرت کی نظر کر رہ گیا

میں وہ بلبل ہوں کہ جو بعد از رہائی کے وہیں[1]
سامنے صیّاد کے پرواز کر کر رہ گیا

وصل کی شب آتے ہی مجھ سے جو وہ لڑنے لگا
کام اپنا کچھ جو سنورا تھا سنور کر رہ گیا

کیا کہوں حالت وداعِ یار کی اے مصحفی!
منہ لیا اس نے پھرا میں چشم‌تر کر رہ گیا

۳۷

آتا ہے یوں محال تو اک شب بہ‌خواب آ
مجھ تک خدا کے واسطے ظالم شتاب آ

دیتا ہوں نامہ میں تجھے اس شرط پر ابھی
قاصد تو اس کے پاس سے لے کر جواب آ

ایسا ہی تجھ کو عزم ہے گر کوے یار کا
چلتا ہوں میں بھی اے دل پر اضطراب آ

یہ خستہ چشم وا ہے ترے انتظار میں
اے صبح منہ دکھا، کہیں اے آفتاب آ

تا یہ شبِ فراق کی دیجور دور ہو
اے رشکِ ماہ! گھر میں مرے بے نقاب آ

آبِ رواں و سبزہ و روے نگار ہے
ساقی شتاب ایسے میں لے کر شراب آ

روویں گلے سے لگ کے بہم خوب کوئی دم
کیا دیکھتا ہے اے دلِ بے‌صبر و تاب آ

---

۱ - ووہیں : ح، ل۔

بحرِ جہاں میں دیر شد آمد روا نہیں
مانندِ قطرہ جا تو بہ رنگ حباب آ
قربان[1] آج در پہ ترے کرتے ہیں مجھے
لے کرکے تیغ تو بھی برائے ثواب[2] آ
شاید وہ تجھ کو دیکھ کے غم کھائے مصحفی
تو اُس کے سامنے تو بہ چشمِ پُر آب آ

۳۸

کہوں کیا ، ہجر میں صبر و شکیبائی پہ کیا گزرا
گئی طاقت کدھر تن کی ، توانائی پہ کیا گزرا
گیا میں در سے تیرے اور نہ پوچھا تو نے اتنا بھی
خدا جانے کہ اُس کم بخت سودائی پہ کیا گزرا
تری زلفوں کی رعنائی جو دیکھی رات گلشن میں
کہوں کیا طرۂ سنبل کی رعنائی پہ کیا گزرا
ہوئی وہ شہر بند خیمۂ شرم و حیا ، اُس بن
خبر لیلٰی کو کیا ہے اس کے صحرائی پہ کیا گزرا
مری آنکھوں کا جوہر جل گیا کل اک نظارے سے[3]
نہ پوچھو حسن کے شعلے سے بینائی پہ کیا گزرا
غرض دل نے تو سو صدمے اٹھائے پر[4] خدا جانے
فغاں شب سے میری چرخِ مینائی پہ کیا گزرا
نہ پوچھا تفرقے میں مصحفی اتنا بھی کافر نے
کہ اس عزلت نشینِ کنجِ تنہائی پہ کیا گزرا

---

۱ - قربانی : ح -
۲ - صواب (؟) : ح ، ل -
۳ - میں : ل ، ح ، کمال -
۴ - یہ : کمال -

۳۹

جہاں اندیشۂ اغیار کا دن رات ہے کھٹکا
کروں تدبیر کیا اس کی ، مرا دل ہے جگہ اٹکا

نہ تُرشی اُس کا جوں چاہے تھا جی، تصویر شیریں کی
بہت سا تیشۂ فرہاد نے پتھر سے سر پٹکا

اُسے گرمی جو پہنچی آہ آتش ناک کی میری
رقیب رو سیہ شب کوئلے کی طرح سے چٹکا[1]

غبار ناتواں تھا میں تو ،کیا جانے وہ کیا سمجھا
کہ میرے ہاتھ سے دامن کو اس انداز[2] سے جھٹکا

دفینہ گھر میں کیا تھا اور تو ہم بادہ نوشوں کے
کُھدا جب شہر سارا واں سے نکلا مے کا اک مٹکا

خدا کے واسطے کوئی[3] اس کو راہ نجد بتلا دو
کہاں تک ناقۂ لیلٰی پھرے ایدھر اُدھر بھٹکا

ادا تو دیکھیو اے **مصحفی** ! اُس کی کہ وہ مجھ پر
لگاتا ہے بنا کر تازیانہ زلف کی لٹ کا

۴۰

پردہ اٹھا کے اس نے جو سینہ دکھا دیا
میں چاک کرکے اپنا گریباں اُڑا دیا

---

۱ - چٹکنا : (ہ) بمعنی چٹخنا -
۲ - انداز جھٹکا ؟ : ح ، ل - ایسے داخلی شواہد سے قیاس ہوتا ہے کہ نسخۂ حیدر آباد و لاہور ایک دوسرے کی یا کسی ایک ہی نسخے کی نقل ہیں -
۳ - بروزن فع -

اک پل میں روزِ عیش مرا کر دیا سیاہ
آنکھوں میں اس کی کس نے یہ کاجل لگا دیا
جب تک کسے نسیں تھی کہاں تھا ترا یہ حسن
اک جام نے تو تجھ کو بھبوکا بنا دیا
اس حسنِ پردہ سوز کی تعریف کیا کروں
پردے میں مہر و ماہ کو جس نے بٹھا دیا
اے وائے ! آ گیا مرے آرام میں خلل
خوابِ عدم سے کس نے یہ مجھ کو جگا دیا
کل دیکھتے ہی ہم آنھیں بے ہوش ہو گئے
آنکھوں نے ان[1] کی ہم کو دھتورا[2] کھلا دیا
ظالم ہے یہ بھی چال کوئی ٹک خدا سے ڈر
اس چال نے تو خاک میں ہم کو ملا دیا
کیا جی میں آئی اس کے یہ ، شعلے پہ شمع کے
اپنے تئیں پتنگ نے کیسا جلا دیا
بس عاشقی کرے کوئی کیا اور بے شعور
تیرے تو غم میں جی بھی میں اپنا کھپا دیا
رکھتا ہے مصحفی سے جو لاحق تو اتنی لاگ
اے چرخِ سفلہ ! اس نے ترا کچھ لیا دیا ؟

---

۱ - اس کی : ح ، ل -
۲ - دھتورا : (ہ) ایک خار دار زہریلا پودا اور اس کا پھول -

٢١

کیا تعجب ہے اگر پھر کے ہو جینا میرا
کہ مری گور پہ آیا ہے مسیحا میرا
گر یہی چال ہے اُس کی تو انھیں گلیوں میں
مجھ کو بدنام کرے گا دل شیدا میرا
مرغ بسمل کی طرح خاک پہ تڑپوں ہوں پڑا
قاتل اس وقت تو آ دیکھ تماشا میرا
مجلس شادی و ماتم کا میں آئیں ہوں ولیک
قابل داغ ہے جوں شمع سراپا میرا
جوں جوں کرتا ہے خط و خال کی وہ آرائش
دن بہ دن اور فزوں ہووے ہے سودا میرا
میں اگر نیک وگر بد ہوں تو پھر ان کو کیا
ذکر کرتے ہیں عبث مردم دنیا میرا
مصحفی جب سے میں گلیوں میں پھرا خاک بہ سر
نام لڑکوں نے رکھا شہر کے رسوا میرا

٢٢

کٹ کر سر میں تری راہ میں دھر جاؤں گا
جاں فشانی ہے مرا کام سو کر جاؤں گا
دل کے دھڑکے سے مجھے نیند نہ آئی شب وصل
سوتے سوتے جو کہا اس نے میں گھر جاؤں گا
اپنے کوچے سے تو مجھ کو نہ نکال اے بے رحم!
یاں سے اٹھ کر کے میں کس اجڑے نگر جاؤں گا
یہ بھی اندیشہ رہے ہے مرے دل میں دن رات
کہ میں اُس در سے جو اٹّھا تو کدھر جاؤں گا

ہوں مشوش مجھے اس دم نہ لگا ہاتھ صبا
ورنہ زلفوں کی طرح میں تو بکھر جاؤں گا
جس طرح جائے ہے گزرا ہوا عالم سارا
میں بھی اک روز اسی طرح گزر جاؤں گا
مصحفی! یہ ہی ہیں گر اس کی جفائیں تو میاں
میں تو جینے کا نہیں، دیکھیو مر جاؤں گا

۴۳

میں زلف منھ میں لی تو کہا، مار کھائے گا
چومی جو بھوں تو بولا کہ تلوار کھائے گا
خنجرزنی کا صرفہ نہ کر ورنہ جان من
لوہے کو اس کی تیغ کے زنگار کھائے گا
جب تک صبا نہ باغ سے لاوے گی برگ گل
کب آب و دانہ مرغ گرفتار کھائے گا
روکش ہوا جو تجھ سے تو دست نسیم سے
ہر برگ گل طمانچہ بہ رخسار کھائے گا
دامن ترا بنے گا گریبان عاشقاں
گر یوں ہی ٹھوکریں دم رفتار کھائے گا
چن چن رکھا ہے خار مغیلاں کو قیس نے
لیلیٰ کا ناقہ یعنی کہ یہ خار کھائے گا
زہرہ ہے کس کا کھاوے اس ابرو کی تیغ کو
گر کھائے گا تو ہم سا جگردار کھائے گا
عصمت میں اس کی شک نہیں ہاں روز باز پرس
اس بات پر قسم یہ گنہگار کھائے گا

ہم قافلے میں عشق کے ہیں ، ہم کو کیا ہے غم
غم قافلے کا قافلہ سالار کھائے گا

ہے طرفہ مخمصے میں کئی دن سے مصحفی
پوچھو تو کوئی کچھ بھی یہ بیمار کھائے گا

۴۴

عاشق تو ملیں گے تجھے انساں نہ ملے گا
مجھ سا تو کوئی بندۂ فرماں نہ ملے گا

ہوں منتظرِ لطف کھڑا کب سے اِدھر دیکھ
کیا مجھکو دل اے طرۂ جاناں ! نہ ملے گا ؟

کہنے کو مسلماں ہیں سبھی کعبے میں لیکن
ڈھونڈوگے اگر ایک مسلماں نہ ملے گا

ناصح اسے[1] سینا ہے تو اب سی لے وگرنہ
پھر فصلِ گل آئی یہ گریباں نہ ملے گا

رہنے کے لیے ہم سے گنہگاروں کے یارب
کیا شہرِ عدم میں کوئی زنداں نہ ملے گا ؟

ہونے کی نہیں تیری خوشی سروِ خراماں
تا خاک میں یہ بے سر و ساماں نہ ملے گا

دل اس سے تو مانگے ہے عبث مصحفی ہر دم
کیا فائدہ اصرار کا ، ناداں ! نہ ملے گا

---

۱ - سیتا ہے ، ا ، د ۔

۴۵

محنت کے لیے یا ہوے آرام کو پیدا
خالق نے کیا ہے ہمیں کس[1] کام کو پیدا

نام آوری چاہے ہے تو ٹک سر کو جھکا چل
خم ہو کے ہی کرتی ہے نگیں نام کو پیدا

داغِ جگرِ سوختگاں مثلِ کواکب
گر صبح کیے[2] گم تو ہوے شام کو پیدا

چل باغ میں اے گل ! تری مےنوشی کی خاطر
غنچے نے صراحی سے کیا جام کو پیدا

مت زلف سیہ فام کو عارض سے جدا کر
جب تک وہ کرے خطِ سیہ فام کو پیدا

پھر فصلِ گرفتاریِ بلبل ہوئی صیاد
کر جلد کہیں سے قفس و دام و پیدا

اے مصحفی ! چاہے ہے اگر شوکت ظاہر
کر تو بھی زمانے میں سرانجام کو پیدا

۴۶

حسن و خوبی میں تجھے یوسف ثانی سمجھا
مرتبہ خوب ترے حسن کا مانی سمجھا

جس کے آگے میں کہا عشق کا اپنے قصہ
قصہ عشقِ زلیخا کو[3] کہانی سمجھا

---

۱ - اس : ح ، ل -
۲ - ہوئے : ح ، ن ، ل میں "کیے" قلم‌زد کرکے "ہوئے" لکھا ہے -
۳ - وہ : کمال -

کیوں رکھی اُس نے مرے ساتھ بنا کینے کی
خصم گر مجھ کو فنِ شعر کا بانی سمجھا
اُس کی فہمید کے صدقے ہوں کہ اس چاہت پر
دوست دشمن کو مرا دشمنِ جانی سمجھا
اُس نے گالی مجھے دی ہو کے عتاب آلودہ
اور میں سادہ اسے لطفِ زبانی سمجھا
اُس کی چتون کی ادا جس نے کہ دیکھی گا ہے
وہ ہی ہمدم تو مرا دردِ نہانی سمجھا
مصحفی نے کوئی مطلع جو لکھا درد آمیز
خصمِ بےدرد اُسے شعرِ فغانی سمجھا

۴۷

میں تو دیکھا نہیں اس جلوہ گری کا سونا
اُس کے سونے میں تو نکلے ہے پری کا سونا
اک ذرا دیکھیو اُس رشک پری کا سونا
میں تو دیکھا نہیں اس بےخبری کا سونا
کس کی ٹھوکر یہ لگی کنجِ قفس کو یارب !
جس سے برباد گیا کبکِ دری کا سونا
لے گئی سایۂ دیوار میں یوں ہم کو اجل
برسرِراہ ہو جوں رہ‌گزری کا سونا
گل کے رخسار پہ منہ[1] رکھ کے سوئی[2] ہے نرگس
اک ذرا دیکھیو اُس چاؤ بھری[3] کا سونا

۱ - منہ رکھ رہی ہے کیا نرگس : ح ، ل -
۲ - بروزن فعل -
۳ - چاؤ بھری : (ص) ارمان رکھنے والی -

رات کو سیر کرے مجلسِ معشوقاں کی
جس نے دیکھا ہو بہم حور و پری کا سونا
پہنچے منزل کو تو غفلت نے ہمیں آن لیا
تعب راہ سے ہو' جوں سفری کا سونا
مصحفی اب تو مری جان کہیں آنکھیں کھول
صبحِ محشر ہوئی اس بےخبری کا سونا

۴۸

شب کہ نظروں میں خیالِ رخِ دلدار رہا
دل کی بیتابی سے تا صبح میں بیدار رہا
نالے بہنے سے تھمے[۲]، چلنے سے دریا ٹھٹکے[۳]
اشک باری سے نہ یہ دیدۂ خوں‌بار رہا
بات کہتا ہوں تو کرتے ہو زباں میری بند
بات کہنے سے بھی کیا اب یہ گنہگار رہا ؟
دل جو شیدا[۴] ہے مرا آس پہ وہ جانے گو ہو
مجھ کو کیا اس دل شیدا سے سروکار رہا
جب نہ تب روئے نکو ہی پہ‌پڑیں ہیں[۵] آنکھیں
حیف صد حیف کہ ان کو یہی آزار رہا

---

۱ - جوں ہو : ح ، ل -
۲ - رہے : ل ، ح -
۳ - ٹھٹکنا ، ٹھٹھکنا : (٥) ٹھہرنا ، رک جانا -
۴ - دل جو خورسند رہے اس پہ : ح ، ل -
۵ - ح : یہ -

ق

مصحفی نے نہ خیال اُس کی گلی کا چھوڑا
جب ہوئی رات یہ جا کر پسِ دیوار رہا
نہ سنا پر نہ سنا اُس نے مرے کہنے کو
دوستو ! میں تو بہت اپنا سا سر مار رہا

۴۹

کون سے روز ترا وعدۂ دیدار نہ تھا
کون سی شب میں ترے واسطے بیدار نہ تھا
تو نے نادان مجھے جرمِ وفا پر مارا
گو گنہگار تھا ، اتنا تو گنہگار نہ تھا
رکھ دیا زخمِ جگر پر میں نمک کا پھاہا
شب کہ بالیں پہ مری مرہم زنگار نہ تھا
اُس کے در تک بھی[1] نہ پہنچا کہ ہوئی جان ہوا
بس کہ قسمت میں مری سایۂ دیوار نہ تھا
سچ ہے اب کیوں نہ میاں اُس کی طرف تو بولے
وعدے سب[2] غیر سے تھے ہم سے کچھ اقرار نہ تھا
تو نے اوروں کو دے کیا کوئی گل اے صیاد[3] !
حقِ چاکِ قفس مرغِ گرفتار نہ تھا ؟
باغِ جنت میں نہ[4] دل اپنا لگا ہاں سچ ہے
باغِ جنت ترے کوچے سے[5] ہوا دار نہ تھا

---

۱ - میں : ح ، ل -
۲ - شب : ح ، ل -
۳ - باد صبا : ل ، ح -
۴ - دل اپنا نہ لگا : ح -
۵ - سا ہوا دار : ل -

ماہِ کنعاں جو گیا مصر میں بکنے کے لیے
کوئی کنعاں میں مگر اس کا خریدار نہ تھا ؟

دل کے آ جانے کی ہے بات جُدی اے قمری !
ورنہ کچھ سروِ سہی اتنا طرح‌دار نہ تھا

مصحفی کی جو میں بالیں پہ گیا وقت اخیر
آنکھیں کھولیں تو ذرا اُس نے پہ ہشیار نہ تھا

۵۰

شبِ ہجراں تھی ، میں تھا اور تنہائی کا عالم تھا
غرض اُس شب عجب اک بے سروپائی کا عالم تھا

گریباں غنچہ‌ٔ گل نے کیا گلشن میں سو ٹکڑے
کہ ہر فندق پر اُس کی طرفہ رعنائی کا عالم تھا

نہالِ خشک ہوں میں اب تو یارو کیا ہوا ، یعنی
کبھی اس بیدِ مجنوں پر بھی شیدائی کا عالم تھا

لکھے گر جا و بے جا شعر میں نے ڈر نہیں اس کا
کہ میں یاں تھا سفر میں مجھ پہ بےجائی کا عالم تھا

حنا بھی تو لگا دیکھی ، پہ وہ عالم کہاں ہے اب
ہمارے خوں سے جو ہاتھوں پہ زیبائی کا عالم تھا

چلا جب شہر سے مجنوں طرف صحرا کی یوں بولا
نصیب اپنے تو اس عالم میں رسوائی کا عالم تھا

یہ عالم ہم نے دیکھا **مصحفی** ہاں اپنی آنکھوں سے
کہ پیدا جیسے اس معشوقِ ہرجائی کا عالم تھا

۵۱

کیوں کھینچ کے تیغا مجھے[1] اک بار لگایا
کب تجھ کو گلے سے میں ستمگار لگایا

رکھتے ہی نہ تھے نقد تو کچھ ، ہم نے سر اپنا
سودے میں تری تیغ کے ناچار لگایا

کاغذ جو شکایت کا تری ہم نے لکھا تھا
کوچے میں ترے جا سرِ دیوار لگایا

آیا جو اُسے بوسۂ عاشق کا تصور
منہنال سے حقے کی نہ رخسار لگایا

کی اس نے عَلَم اپنی جو تیغِ خمِ ابرو
گزری کا تماشا سرِ بازار لگایا

جو زخم کہ آئے تھے ترے حسن سے ان پر
سبزے نے ترے مرہمِ زنگار لگایا

گزرا وہ مری خاک سے سو بار ولیکن
دامن نہ زمیں کو گہِ رفتار لگایا

آیا جو کبھی گھر وہ مرے تو وہیں چھپ کر
ساتھ اُس کے ، طرح سایے کی اغیار لگ آیا

ہے[2] تیغ دو جانب سے علم ، ہائے یہ کس نے
سرمہ تری آنکھوں میں جفاکار لگایا

کل دیکھ کے رونے جو لگا لختِ جگر کو[3]
پھولوں کی طرح اُس نے اک انبار لگایا

---

۱ - مرے : ح ، ل -
۲ - ہیں : ح ، ل -
۳ - لخت جگر کا : ح ، ل -

اے مصحفی ! ہیں مرد وہی یار جنھوں نے
دل قحبۂ دنیا سے نہ زنہار لگایا

۵۲

تو ایسا غیر کے حصّے میں آیا
کہ میں نے تجھ کو جب ڈھونڈا نہ پایا
ٹک اپنے جی میں تُو انصاف تو کر
مجھے کس کس طرح تو نے ستایا
تری تقصیر کیا ، میرا ہی ہے جرم
جو میں نے تجھ سے کافر دل لگایا
طریقِ عاشقی میں ہوں میں ثابت
مجھے سو بار تو نے آزمایا
نہ کرتا تھا بہاراں میں تو یہ کام
گریباں کن دنوں ہم نے سلایا
پکڑ کر ہاتھ میں اُس کا لیا چوم
طمانچہ اس نے جب مجھ پر اُٹھایا

ق

وہ غافل تھا مزے داری سے یعنی
مزہ یوں چاہ کا اُس کو چکھایا[1]
کبھی کپڑے رنگے میں اُس کے اوپر
کبھی پھر بھیس جوگی کا بنایا
کبھی آپھی گیا بن کر کے قاصد
کبھی خط ہاتھ قاصد کے بھجایا

---

۱ - جتایا : ح ، ل -

کبھی کی جا کے ہمدم کی خوشامد
کبھی محرم کو دردِ دل سنایا
غرض سو سو طرح کے فن میں گانٹھے
تب اُس کو **مصحفی** قابو میں لایا

۵۳

غم کی شدت میں کروں فکر میں شیدائی کیا ؟
جان بھی لیوے گی توا ے شبِ تنہائی ! کیا ؟
سن کے آواز مری ، گھر میں یہ بولا کافر
دیکھیو در پہ کھڑا ہے وہی سودائی کیا ؟
بالدھ نکلا تھا جو وہ اپنی کمر سے اس کو
چشم بددور پھبے ہے اُسے اکلائی[۱] کیا
کرکے گلشن میں خرام اُس گلِ رعنا نے کہا
خاک میں مل گئی اے گل ! تری رعنائی کیا
گو زن و مرد کریں عشق کا اُس کے چرچا
مردِ عاشق کو ہے اندیشۂ رسوائی کیا
خونِ عشاق سے گلگوں ہے تری فندقِ دست
تجھ کو درکار ہے اب زینت و زیبائی کیا
مصحفی تو جو کرے عشق کا اُس کے دعویٰ
کتنا مقدور ترا اور توانائی کیا ؟

---

۱ - جامع اللغات میں ''اُکلائی'' بہ معنی قے وغیرہ ہے - پلاٹس میں ''اکلائی'' تنہائی اور بستر وغیرہ - وہ اکہرے عرض کی چادر وغیرہ جس میں کناری ہو (یعنی بیل بوٹے وغیرہ ہوں) (فائق) - (پلاٹس : صفحہ ٦٦، یونیورسٹی پریس آکسفورڈ ۱۹٦۰ع -)

۵۴

مجھ سے مطلب ہے ترا اے شب تنہائی ! کیا؟
جا کہیں ، ہے تو مرے درپے رسوائی کیا
جس کو کہتے ہیں شب ہجر خبر لیجو کوئی
جی دھڑکتا ہے مرا پھر وہی شب آئی کیا
جب سے عاشق ہوا میں اُس کا سمجھتا ہی نہیں
صبر کیا چیز ہے ہوتی ہے شکیبائی کیا
اُس کے آنے کی خبر سن کے خیابانوں میں
دیکھیو باد صبا پھرتی ہے گھبرائی کیا
خاک سے اٹھ نہیں سکتا ہوں میں جوں نقش قدم
نہیں معلوم ہوئی میری توانائی کیا
حال دل کہنے لگوں ہوں تو مری صورت دیکھ
ہنس کے کہتا ہے وہ ، بکتا ہے یہ سودائی کیا
مصحفی کے تئیں میں غش[1] میں پڑا دیکھا کل
تیری تصویر کسی نے اُسے دکھلائی کیا؟

۵۵

غم ترا دل میں مرے پھر آگ سلگانے لگا
پھر دھواں سا اُس سے کچھ اٹھتا نظر آنے لگا
عشق کے صدمے اٹھائے تھے بہت پر کیا کریں[2]
اب تو ان صدموں سے کچھ جی اپنا گھبرانے لگا
میں ہی کچھ بے صبر و طاقت عشق میں اس کے نہیں
دل بھی اب بےطاقتی کو کام فرمانے لگا

---

۱ - غم میں کھڑا : ل -   ۲ - کہیں : ح ، ل -

دیکھتے ہی اُس کے کچھ اِس کی یہ حالت ہو گئی
جو مجھے سمجھاتے تھا ، میں اس کو سمجھانے لگا

رقص میں اس کے سنجافِ سرخ کے عالم کو دیکھ
شعلۂ جوّالہ دامن سے لپٹ جانے لگا

ہو چکی فصلِ گریباں چاکی ، اب دستِ جنوں
دھجّیاں کر کے مجھے دامن کی دکھلانے لگا

منہ سے نکلا تھا مرے اتنا ہی کیا[1] اینٹھی ہے زلف
سنتے ہی اس بات کے کچھ وہ تو[2] بل کھانے لگا

کیوں نہ میں پھاڑوں گریباں میرے ہوتے بزم میں
غیر سے بندِ قبا اپنی وہ[3] کھلوانے لگا

مصحفی میں تو نہ کہتا تھا ولے شوقِ فضول
اس زمیں میں پھر غزل اک مجھ سے لکھوانے[4] لگا

۵۶

حسن اس کا اب سماں کچھ اور دکھلانے لگا
چاند سا پردے سے وہ مکھڑا نکل آنے لگا

ہاتھ پر دھر ہاتھ اس کا بیٹھنا کیا[5] ہے غضب
اس ادا سے تو بس اپنا جی ہی پس جانے لگا

لاگ ہے کیا ساتھ عاشق کے ٹک اس کو دیکھیو
یاں جو جی الجھا تو واں وہ زلف سلجھانے لگا

یا وہ عالم تھا کہ کوئی آس سے واقف ہی نہ تھا
یا یہ عالم ہے کہ عالم آس پہ مر جانے لگا

---

۱ - کیا ہے اینٹھی زلف: ح ، ل - ۴ - کھوانے لگا : ح ، ل -
۲ - بھی : ح - ۵ - ہے کیا غضب : ح ، ل -
۳ - تو اپنے : ح ، ل -

عشق[1] سے میرے جو گھبرایا تو پھر ناچار ہو
آ کے گھر میرے وہ مجھ کو آپ سمجھانے لگا
اٹھتے اٹھتے اس کے کل میری یہ حالت ہوگئی
جی جو گھبرایا تو بس پھر میں بھی گھبرانے لگا
دل جو رہتا ہے گریزاں مجھ سے اتنا[2] کیا سبب
ظاہرا کچھ اب مرے پہلو سے دکھ پانے لگا
کان میں قاصد نے کچھ ایسا ہی آ کر کہہ دیا
جس کو سن کر سر میں دیواروں سے ٹکرانے لگا
مجھ کو ساقی کی یہ مجلس میں بہت بھائی ادا
مصحفی کو جام خالی سے جو ڈہکانے[3] لگا

۵۷

ہاتھ میرے[4] نہ کبھی دامن دلدار لگا
پھر رہے کیوں کہ گریباں میں بھلا تار لگا
خاک رہ ہیں جو ترے ، رحم کر ان پر ظالم
یوں تو دامن کو نہ ٹھوکر گہہ رفتار لگا
ہائے عارض پہ ترے جلد نکل آیا خط
بے طرح آئنۂ حسن کو زنگار لگا
خوں کو تا گوشۂ دامن[5] بھی پہنچنے[6] نہ دیا
بل بے چالاکی ، الگ ہو گئے تلوار لگا

---

۱ - عشق میرے نے : ح ، ل -
۲ - اپنا : ح -
۳ - ڈہکانا : (ھ - بالفتح) ترسانا - (نوراللغات ج ۳ ، ص ۲۰)
۴ - اپنے : ح ، ل -
۵ - داماں : ح ، ل -
۶ - بہنے : ح -

جس جگہ بیٹھ گیا کھول کے زلفیں وہ صنم
سودے والوں کا دو رستہ وہیں بازار لگا
جنسِ حسن اس کی پہ جس دن سے پڑا ہے پردہ
ساتھ دلال کے پھرتا ہے خریدار لگا
شکوہ کرتا ہوں گر اس کا تو رہے ہے یہی ڈر
کہ کہیں ہووے نہ دشمن پسِ دیوار لگا
ابر ترکو ہے اگر رونے پر[1] اپنے دعویٰ
تو بھی ساون کی جھڑی دیدۂ خوں بار لگا
مصحفی[2] عشق کی ہے گرمیِ ہنگامہ وہی
کشورِ حسن میں نت رہتا ہے بازار لگا

۵۸

ایک ہچکی میں ٹھکانے دلِ بیمار لگا
اس پر اب تیر لگا خواہ تو تلوار لگا
کل جو میں شدتِ گرما میں گیا سوے چمن
کتنا مطبوع مجھے سایۂ[3] دیوار لگا
جن کے سر زانو پہ ہیں ان کے الم کیا جانو
تم تو سو رہتے ہو گل تکیوں سے رخسار لگا
خارِ صحراے جنوں کاوشِ بے جا سے تری
اپنے دامن میں تو ہرگز نہ رہا تار لگا

---

۱ - ح : پہ -
۲ - ن - ح میں غزل ۵۷ میں ۵۸ کا مقطع درج ہے اور غزل نمبر ۵۸ میں ۵۷ کا - یہ درست بھی معلوم ہوتا ہے -
۳ ۔ مطبوع : (ف) پسندیدہ -

کیا ارادہ جو یہ[1] آ بیٹھے ہو تم مجلس میں
مستی ہونٹوں کے تئیں اپنے دھؤاں دھار لگا
رنگ اور گل میں ٹک اک فرق کر اے مرغِ چمن!
گل سمجھ کر نہ مرے زخم کو منقار لگا
پھر وہ بیمار بھلا کیوں کہ پنپنے[2] پاوے
جس کو ہر دم ہو غمِ دوری دل‌دار لگا
اس میں بوسے کا اک انداز نکلتا ہے صریح
لب سے اپنے نہ مری جاں لب‌سوفار لگا
مصحفی کیوں نہ غزل بعدِ غزل ہو تحریر
ہاتھ میرے ہے یہ سر رشتۂ گفتار لگا

۵۹

پاس میرے وہ ترا پیار سے آنا نہ رہا
وہ محبت نہ رہی اور وہ زمانا نہ رہا
ہے یہ قاروں کے دفینے سے کنایہ کہ کبھی
دہر میں پاس بخیلوں کے خزانا نہ رہا
ہوش کا اس کے میں کشتہ ہوں کہ وہ مایۂ ناز
شب رہا گھر مرے اور غیر نے جانا نہ رہا
کب شبِ وصل وہ آیا کہ مرے[3] اور اس کے
درمیاں میں شبِ ہجراں کا فسانا نہ رہا
ہو کے ناچار کہا میں نہیں جاتا ، اس کو
پاس سے میرے جب اٹھنے کا بہانا نہ رہا

---

۱ - یوں بیٹھے ہو : ح -
۲ - پنپنا : (ہ)فربہ ہونا -
۳ - مرے اس کے ہائے: ح،ل.

پایا میں زلف بنانے ہی کا مائل تجھ کو
ہاے کب دو دو گھڑی ہاتھ میں شانا نہ رہا
مصحفی کا نہ نشاں پوچھ کہ مدت ہوئی میاں
پائنتی[1] گھس گئی تربت کا سرہانا نہ رہا

٦٠

کوچے سے ترے دل مجھے جانے نہیں دیتا
اسبابِ سفر یاں سے اٹھانے نہیں دیتا
ہے رشک فلک کو مری اوقات سے یاں تک
غم کھاؤں تو غم بھی مجھے کھانے نہیں دیتا
شانے نے ز بس اس کو اجارے میں لیا ہے
زلفوں کو تری ہاتھ لگانے نہیں دیتا
یارب کہ شتاب اس کی اجل سامنے آوے
جو تجھ کو مرے سامنے آنے نہیں دیتا
کہتے ہیں کہ پھر فصل گل آئی ہے چمن میں
کیوں دست جنوں دھوم مچانے نہیں دیتا
دشمن ہے وہ یاں تک کہ نسیم اور صبا کو
تربت پہ مری پھول چڑھانے نہیں دیتا
اے **مصحفی**! سمجھا تو ہی اس دستِ جنوں کو
مجھ کو یہ گریبان سلانے نہیں دیتا

---

۱ - پائنتی : (ہ)مؤنث - سرہانے کی ضد - (نوراللغات ، ج ۲ ، ص ۴۲)
پائینت : ہ - اسم مؤنث - سرہانے کا نقیض ، ادوان کا رخ -
پائینتی : پلنگ کا وہ حصہ جس طرف پاؤں رہتے ہیں -
(فرہنگ آصفیہ ، ج ۱ ، ص ۴۹۲)

٦١

قصد کرتا ہوں جو اس در سے کہیں جانے کا
دل یہ کہتا ہے تو جا ، میں تو نہیں جانے کا

آبرو تک بھی جو ہو عشق بتاں میں حاضر
اس کو اندیشہ ہے پھر کیا دل و دیں جانے کا

رات اندھیری ہے ستانے کا مرے قصد نہ کر
یہ کوئی وقت ہے اے زہرہ جبیں ! جانے کا

چین میں زلف کی ہم کو تو نظر آئی شام
چین کو جائے جسے شوق ہو چیں جانے کا

بے اثر واں سے کئی بار[1] پھری سوے فلک
تو تو اب قصد نہ کر آہ حزیں جانے کا

کیا رہے چین سے ہم خاک کہ دنیا میں ہمیں
غم رہا تا نفس بازپسیں جانے کا

رہ گیا نالہ مرا کیوں فلک اوّل پر
تھا گھمنڈ اس کو تو تا عرش بریں جانے کا

تجھ سے ناچار ہیں اے مرگ ! وگرنہ ہم تو
قصد کرتے نہ کبھو زیر زمیں جانے کا

مصحفی آئے تھے[2] ہستی میں عدم سے جو یار
پھر ارادہ کیے بیٹھے ہیں وہیں جانے کا

---

۱ - یار : ح - ۲ - بھی : ح ۔

٦٢

دم[1] آخر تو ہے یہ تجھ کو بھی روا مل جانا
بر سرِ راہ ہیں ہم ، ہم سے ذرا مل جانا

سرکو رکھ زانوں پہ روتا ہوں میں جب آئے ہے یاد
چوری چوری وہ ترا پیار سے آ مل جانا

ہم اسیران قفسِ سے بھی ذرا پھر خدا
باغ کو جائے تو اے بادِ صبا! مل جانا

کیا گلہ تجھ سے کریں ہائے ہم اس چاہت پر
ساتھ غیروں کے مناسب ہے ترا مل جانا

نہیں کچھ دور گیا قافلہ یاروں کا ابھی
جا کے اے دل! بہ سرِ راہِ فنا مل جانا

تھی گلے لگنے کی تیرے جنھیں حسرت ان کو
تیرے خنجر کا میسر نہ ہوا مل جانا

اس کی لذت کہوں کیا ہائے وہ اک دل کے تئیں
ہجر کے بعد جو دیتا ہے مزا مل جانا

ہم بھی مشتاق ہیں مدت سے تمھارے صاحب
اس طرف آؤ تو ہم سے بھی بھلا مل جانا

مصحفی عالمِ رنجش کا مزہ[2] رکھتا ہے
روٹھنا اس کا ، ترا[3] ہو کے خفا مل جانا

٦٣

جاؤ اس کو میں تو اک اک سے جدا مل جانا
یارو تم ہم سے بھی از بہرِ خدا مل جانا

۱ - دم آخر تو ہے تجھ کو بھی روا مل جانا : ح ، ل -
۲ - میں : ح ، ل -
۳ - مرا : ل ، ح -

ہم نے باندھا ہے سر راہ پہ تیری تکیہ
جی میں آوے تو فقیروں سے ذرا مل جانا
کیا برا کام کیا تو نے یہ[1] ، ظالم تجھ کو
میرے دشمن سے مناسب تو نہ تھا مل جانا
قسمت[2] اس کوچے میں پامال کرے ہے تو کرے
خاک میں ہم کو بھی اے بادِ صبا! مل جانا
ہاتھ قاتل کا مرے خوں سے بھر جاے تو پھر
رنگ سے اس کے تو اے رنگ حنا! مل جانا
اپنی قسمت کی قسم کھائیے ، ہم کو اس کا
عید کے دن بھی میسر نہ ہوا مل جانا
سچ تو یہ ہے نہیں قسمت میں ہر اک بسمل کی
زخم شمشیر سے قاتل کے مزا مل جانا
خواہشِ وصل میں خلق اس کی پڑی پھرتی ہے
مصحفی اس سے کچھ آسان ہے کیا مل جانا

۶۴

نہ مرے دل کو گرفتار کرو تم اپنا
جاؤ جی اور ہی کوئی[3] یار کرو تم اپنا
ہر گھڑی پاس بلاؤ نہ مجھے ، جانے دو
کہیں موقوف بھی یہ پیار کرو تم اپنا
یوں جو چاہو تو چھپالو سبھی مکھڑا ہم سے
لیک[4] زلفوں میں نہ رخسار کرو تم اپنا

---

۱ - نہ : ح ، ل -
۲ - خلق : ح ، ل -
۳ - کو : ح ، ل -
۴ - اک نہ زلف : ح - ن ، ل میں بعد کو ن ، ح کے مطابق کیا ہے-

پاس اُس کے جو میں جاتا ہوں توکہتا ہے یہی
مدعا کچھ بھی تو اظہار کرو تم اپنا
دلِ صد چاک مرا گل سے تو کچھ کم بھی نہیں
زیب دے کر گلِ دستار کرو تم اپنا
مجھے رونا ہے تمہارا ، مجھے کیا روتے ہو
فکر اے دیدۂ خوں بار ! کرو تم اپنا
یوں ہی اک روز میاں **مصحفی** ! گھل جاؤ گے
کچھ علاجِ دلِ بیمار کرو تم اپنا

٦۵

رہتا ہوں تجھے دیکھ کے میں ہاتھ ہی ملتا
اے وائے کروں کیا ، مرا بس کچھ نہیں چلتا
اُچھلا نہ یہ دل چاہِ زنخداں سے صد افسوس
ڈوبا ہوا دریا کا جو ہوتا تو اُچھلتا
لایا درِ قاضی سے میں شب دخترِ رز کو
مستی میں غضب تھا جو مرا پاؤں پھسلتا
انداز سے خالی نہیں یہ بات کہ گھر کو
میں تجھ سے کہوں چل ' تو کہے' ہے نہیں چلتا
شب **مصحفی** بیٹھا تھا بھرا ہم نے نہ چھیڑا
اس ڈر سے کہ کیا جانے وہ کیا زہر اُگلتا

٦٦

تو جاتے سر رہ میں جس کو کہ نظر آیا
وہ رفتہ دل اے ظالم ! پھر اپنے نہ گھر آیا

---

۱ - چل نہیں چلتا : ح ، ل -

پھر آنکھوں کے آگے کچھ پردہ سا نظر آیا
کوئی[1] لخت جگر شاید نوک مژہ پر آیا

کیا جانے کرے گی کیا یہ کم نگہی تیری
جوں شیشۂ مے ساقی دل اپنا تو بھر آیا

اس گرمی سے روئے ہم یعنی کہ شب آنکھوں میں
پرکالۂ آتش تھا جو لختِ جگر آیا

خوں ریزی و جلادی ، بے رحمی و بے دردی[2]
سب کام کیے تو نے پر لطف نہ کر آیا

بے وجہ نہیں تیرا ایدھر سے گزر کرنا
کئیں[3] راہ نہ بھولا ہو تو آج کدھر آیا

واں بس کہ غریبوں پر تلوار برستی تھی
اس کوچے سے جو آیا وہ خون میں تر آیا

اے مصحفی ! پردے میں یوں بیٹھے نہیں بنتی
اٹھ صبح ہوئی روشن اور وقت سفر آیا

٦٧

دنیا میں جب تلک کہ میں اندوہگیں رہا
دل غم سے اور دل سے مرے غم قریں رہا

آئینہ بن کے گر میں گیا اس کے روبرو
تو بھی تو میری شکل سے چیں بر جبیں رہا

جتنا تو چاہے اتنا[4] گریباں کو کر رفو
اب ہاتھ اپنا کام سے اے ہم نشیں ! رہا

---

۱ - بروزن فع -
۲ - بیدادی : ح ، ل -
۳ - بروزن فاع - (اصل لفظ ”کہیں“ تھا) -
۴ - وتنا : ح -

ق

گو گردشِ فلک نے ہے آوارہ کر دیا
مت جانو تم کہ اس کا تعشق نہیں رہا
اک بار پھر بھی یار کے کوچے میں مصحفی
آوے گا قصد کر کے جو جیتا کہیں رہا

٦٨

رونے سے کام بس کہ شب اے ہمنشیں! رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں سر آستیں رہا
مت میرے رنگِ زرد کا چرچا کرو کہ یاں
رنگ ایک سا ہمیشہ کسی کا نہیں رہا
چین کمند زلف ہوئی وا[1] نہ ایک دن
بھر عمر اُس کے شوق میں آہوے چیں رہا
ہمدم جو دیکھتا ہوں تو پہلو میں دل نہیں
بیٹھا تھا اس کے پاس مرا دل وہیں رہا
نازک مزاج تھا میں بہت اُس چمن کے بیچ
جب تک رہا تو خندۂ گل سے حزیں رہا
آخر کو ہو کے لالہ اگا نوبہار میں
خونِ شہیدِ عشق نہ زیر زمیں رہا
ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام
میں نیم کشتۂ نگہ شرمگیں رہا
دی[2] جان ایسے ہوش سے اپنی کہ خلق کو
جینے کا میرے تا دمِ آخر یقیں رہا

---

۱ - ورنہ (؟) : پ -
۲ - دی جان میں ایسے ہوش سے : ج ، ل -

یارانِ گرم رو تو سب آگے نکل گئے
ان سے میں ننگ قافلہ پیچھے کہیں رہا
رکھوں میں روک کیوں کہ دل اپنے کو مصحفیؔ
میرے کہے میں اب تو مرا دل نہیں رہا

٦٩

ہر روز رہا مجھ سے شبِ تار کا وعدا
پر ایک بھی سچا نہ ہوا یار کا وعدا
درباں کی یہ قدغن ہے تو پھر کیوں کہ نبھے گا
یہ در کا اشارہ ، پسِ دیوار کا وعدا
دل لے گیا ، بوسے کو کہا ، کل تجھے دوں گا
سودے میں ہو جس طرح خریدار کا وعدا
مر جائے جو رفتار تری دیکھ کے اس سے
پھر روزِ قیامت پہ ہے دیدار[1] کا وعدا
حال اس کا زبوں دیکھ کے اپنی یہ دعا ہے
آ جائے شتابی ترے بیمار کا وعدا
چلتا نہیں مجھ ساتھ وہ بازار تلک بھی
ہے غیر سے سیرِ گل و گلزار کا وعدا
بھڑکے ہے وہ بے طرح سے کچھ کنجِ قفس میں
آیا ہے مگر مرغِ گرفتار کا وعدا
میں دل زدہ مقتل کی طرف کیوں کہ نہ جاؤں
گردن سے مری ہے کسی تلوار کا وعدا
آنے دو اسے چلتے ہو گر سیرِ چمن کو
تھا تم سے میاں ! مصحفیِ زار کا وعدہ

---

۱ - رفتار : ل -

۷۱

ہے یہ دل دیوانہ تو پروانہ پری کا
کہتے ہیں اسے اس لیے دیوانہ پری کا

نکلے ہے نزاکت دل صد چاک سے میرے
از بس کہ کنھیں' روزوں یہ تھا شانہ پری کا

کیا لے کے کرے حورِ بہشتی کو وہ زاہد
طالع نے کیا ہو جسے ہم‌خانہ پری کا

دیکھ آیا ہوں اک طفل پری زاد کو یارو
اس شب تو سناؤ کوئی افسانہ پری کا

اے چشم! نہ دوں گا میں تجھے اشک کو اپنے
تعویذ ہے یہ گوہر یک دانہ پری کا

مستی سے تری چشم کی ہوتا[۲] ہے مقابل
معمور ہوا چاہے ہے پیمانہ پری کا

بد بھی تو نہیں کیجیے گر وقفہ جہاں میں
عالم تو رکھے ہے یہ صنم‌خانہ پری کا

ہے زور[۳] ترے روے دل افروز کا عالم
بھبتا ہے جو کہیے اُسے جانانہ پری کا

دیکھے جو کوئی مصحفی دیوان کو تیرے[۴]
ہم حور کا قصہ ہے، ہم افسانہ پری کا

---

۱ - کہیں روزوں میں یہ تھا ؟ : ح ، ل ۔
۲ - ہوتے ہی : ح - ہوتی ہے ؟ - (فائق)
۳ - دور : ل ، ح ۔
۴ - میرے : ح ۔

۷۱

ہر دم ہے ترے حسن کا حیران دوسرا
زلفوں کا بھی کھڑا ہے پریشان دوسرا

ٹوٹے تھے آس کے تیر جو سینے میں اب تلک
پیکاں کے بعد نکلے ہے پیکان دوسرا

اک جیب تھا[1] جو نذر کیا تیری اے جنوں!
لاؤں کہاں سے اب میں گریبان دوسرا

تو ہے وہ بے بدل کہ تری شکل کا صنم
پیدا کیا خدا نے نہ انسان دوسرا

گریے کو میرے دیکھ کے کہتی ہے ساری خلق
آیا ہے یہ زمیں[2] پہ طوفان دوسرا

عاشق تو یوں ہزار ترے ہوویں گے ولے
مجھ سا ملے گا تجھ کو نہ اے جان! دوسرا

اشک آیا چشم خانے میں یوں لختِ دل لیے
مہماں کے ساتھ جیسے ہو مہمان دوسرا

اک بوسہ لے کے لب کا ترے کب ٹلوں[3] ہوں میں
جب تک کہ لوں نہ تجھ سے مری جان دوسرا

مدت ہوئی کہ ایک تو دیواں میں کہہ چکا
اے مصحفی! ہوا ہے یہ دیوان دوسرا

۷۲

تم بھی آؤ گے مرے گھر جو صنم کیا ہوگا
مجھ پر اک رات کرو گے جو کرم کیا ہوگا

---

۱ - سو : ح -
۲ - زمانے میں : ح -
۳ - ہٹوں : ح -

ایک عالم نے کیا ہے سفر ملک عدم
ہم بھی جاویں گے اگر سوئے عدم کیا ہوگا
دمِ رخصت ہے مرا ، آج مری بالیں پر
تم اگر وقفہ کروگے کوئی دم کیا ہوگا
دیکھ[۱] اُس چاک گریباں کو یوں کہتی ہے صبح
جس کا سینہ ہے یہ کچھ اُس کا شکم کیا ہوگا
چین[۲] ہو جائے گا دل کو مرے از راہ کرم
میری آنکھوں پہ رکھو گے جو قدم کیا ہوگا
صحبت[۳] غیر کا انکار تو کرتے ہو ولے
کھاؤ گے تم جو مرے سر کی قسم کیا ہوگا
شانہ اک عمر سے کرتا ہے دو وقتی خدمت
زلف بھی اس سے اگر ہووے گی خم ، کیا ہوگا
ابھی آغاز محبت ہے کچھ اس کا انجام
تم کو معلوم ہے اے دیدۂ نم ! کیا ہوگا ؟
مصحفی وصل میں جو اس[۵] کے موا جاتا ہو
اُس پہ ایام جدائی میں ستم کیا ہوگا

۷۳

کرتا تھا کہیں وصف میں اُس غنچہ دہن کا
بلبل نے اُڑایا وہیں انداز سخن کا
ایسا نہ خلل کیجو کہیں اے دل بیتاب !
پھاہا نہ سرک جائے مرے داغ کہن کا

---

۱ - دیکھ کر اس کی صباحت کو یہ کہتی ہے پری : ح -
۲ - ۳ - ۴ - ن - ح میں مصرعوں کی ترتیب غلط ہوگئی ہے -
۵ - اس کے جو : ح -

دریا میں یہ لہروں کا تلاطم نہیں دیکھا
رخسار پہ عالم ہے جو زلفوں کی شکن کا
مہندی کو لگا کر وہ بت شوخ گیا تھا
کیا جانے ہوا ہووے گا کیا رنگ چمن کا
ہر موج دکھاوے شبِ مہتاب کا عالم
دریا میں پڑے عکس گر آس گورے بدن کا
کس زلفِ سیہ فام کے آئی ہے مقابل
ہے شمع کے چہرے پر اثر چاند گہن کا
کس[1] ساعت بد نکلے وطن سے کہ پلٹ کر
منہ ہم نے نہ دیکھا کبھی پھر صبحِ وطن کا
اے شمع ! خبردار ہو ، یہ مجلس ہے
ڈرتا ہوں کہ رہئے نہ کہیں پاؤں لگن کا
اے مصحفی ! سنتے ہیں کہ واں قدر سخن ہے
بہتر تو ہے گر تو بھی کرے قصد دکن کا

۷۴

کسی جنگل کے گل بوٹے سے جی[2] میرا بہل جاتا
ترے ہاتھوں سے عاجز ہوں نہیں تو میں نکل جاتا
نہ پائی دسترس قاتل نے اتنی[3] ورنہ وہ اک دن
ہماری خاک پر آ کر کفِ افسوس مل جاتا

---

۱ - اس : ح -
۲ - میرا جی : ح -
۳ - اپنی : ح -

نہ[1] پگھلا دل ترا گرمی سے میری آہ کی ظالم
گر اس دل کی جگہ پتھر بھی ہوتا تو پگھل جاتا

مزاج اُس کا سیہ پوشی پہ گر آتا محرم میں
تو میرا ذکر کیا ہے ، رنگ عالم کا بدل جاتا

نہ آئی موت بھی ہم کو تو ایامِ جدائی میں[2]
جو آتی ، روز کے یہ مرنے جینے کا خلل جاتا

صف مژگاں کے سنمکھ میں ثباتِ دل کا بندہ ہوں
اگر اس معرکے میں کوہ بھی ہوتا تو ٹل جاتا

نہ پوچھا یار نے مستی میں میرا حالِ دل ورنہ
مرے منھ سے خدا جانے کہ[3] اس دم کیا نکل جاتا

فراق اُس کی گلی کا مصحفیؔ کو زار رکھتا ہے
جو واں یہ خستہ جا[4] رہتا تو بارے ٹک سنبھل جاتا

۷۵

چاہنا یوں نہ دل نشیں ہوگا
جان جاوے گی تب یقیں ہوگا

میرے پہلوں میں اے دلِ بیتاب !
تجھ کو آرام بھی کہیں ہوگا ؟

سنگ دل کا مرے بھی دل کبھی نرم
تجھ سے اے آہِ آتشیں ! ہوگا ؟

جب کہ ہم بزم سے اٹھ[5] آویں گے
غیر واں کیوں نہ ہم نشیں ہوگا

---

۱ - ن - ح میں یہ شعر زائد ہے :
لگی اے شمع آتش جس طرح تیرے گریباں کو
مزہ ہوتا اگر فانوس کا دامن بھی جل جاتا
۲ - کیا کہیے ایام جدائی میں : ح - ۴ - خستہ جاں : ح -
۳ - کہ کیا اس دم نکل جاتا : ح - ۵ - اٹھ اس کی گئے : ح -

کیوں کہ دیکھیں گے ہم ان آنکھوں سے
کہ تو غیروں پہ خشمگیں ہوگا

سوچ رہتا ہے اب یہی دن رات
مہرباں کب وہ مہجبیں ہوگا

جس زمیں سے یہ لالہ آگتا ہے
خون کسی کا تہِ زمیں ہوگا

پاک نظروں سے تجھ کو دیکھے گا
کوئی مجھ سا جو پاک بیں ہوگا

تیغ رکھ دے نہ، کیا کسی کا کام
تجھ سے اے طفلِ نازنیں ! ہوگا

ایک دن اشکِ خوں کے ہاتھوں سے
سرخ ہر تارِ آستیں ہوگا

مار[1] سمجھا میں جس کو، سر پہ مرے
سایۂ زلفِ عنبریں ہوگا

اے جرس ! مجھ کو نالہ یاد نہ دے
ورنہ تو اور بھی حزیں ہوگا

مصحفی گر یہ دل ہے تو ہم سے
کارِ دنیا نہ کارِ دیں ہوگا

٧٦

ہائے اس کا ہمک کر اٹھ جانا
جیسے بجلی چمک کر اٹھ جانا

قہر ہے یہ کہ میرے پہلو سے
اندک اندک سرک کر اٹھ جانا

---

۱ - ہار : ح -

بیٹھنا خاک پر مری تو وہیں
اس سےدامن جھٹک کر اٹھ جانا

یہی اک بات تم کو آتی ہے
روٹھنا اور بک کر اٹھ جانا

مصحفی در پر' اس کے جانا رات
صبح کو سر پٹک کر اٹھ جانا

٧٧

اس دم سرد سے خطرہ نہ اگر کیجیے گا
نالہٗ گرم سے البتہ حذر کیجیے گا

اب کے آئے جو شب وصل تو اس شب کے تئیں
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کیجیے گا

کیا شتابی ہے ٹھہر ہم بھی تو چلتے ہیں نسیم
رہ کے اس کوچے میں کیا خاک بسر کیجیے گا

کون کہتا ہے کہ تم زلف کو شانہ نہ کرو
پر مرے حال پریشاں پہ نظر کیجیے گا

کیوں نہ آگے ہی سب اسباب ہم کر رکھیں
آخر اک روز تو دنیا سے سفر کیجیے گا

میں تو گزرا ہی پر اتنی ہے وصیت میری
گاہے' گاہے مری تربت پہ گزر کیجیے گا

مصحفی منزل ہستی نہیں رہنے کی جگہ
اس خرابے میں مری جان ! نہ گھر کیجیے گا

---

۱ - یہ : ح ۔ ۲ - گاہ گاہے : ل ، ح ۔

۷۸

ابن مریم آسماں کا ، میں زمیں کا ہو رہا
جو کوئی ٹھہرا کہیں ، بس وہ وہیں کا ہو رہا
بس کہ میں رکّھا کیا شب دیدۂ خوں بار پر
خوں کا ساغر حلقہ میری آستیں کا ہو رہا
تھی دنی جس کی طبیعت اس نے کی دنیا کی میل
اہل تقویٰ جو کہ تھا سو اہل دیں کا ہو رہا
جب تلک آوے ہی آوے محمل لیلیٰ آدھر
کام اتنے ہی میں اُس صحرا نشیں کا ہو رہا
مصحفی کی پھر نہ آئی اُس کے کوچے سے خبر
جا کے بندھوا[1] اُس کی زلف عنبریں کا ہو رہا

۷۹

جفا و جور نت کے اب تو یہ دل سہ نہیں سکتا
وگر چاہے کہ تجھ بن رہ سکے تو رہ نہیں سکتا
کرے ہے غیر سے باتیں وہ میرے روبرو لیکن
مروت کے سبب اک بات بھی میں کہہ نہیں سکتا
پھپھولا سا مرا دل پک رہا ہے تیرے ہاتھوں سے
جو یہ چاہے کہ پھوٹے اور بہے تو بہہ نہیں سکتا
عبث ہر بار تو آئینہ میرے منہ پہ رکھتا ہے
میں ہوں حیران تیرا مجھ کو وشک مہ نہیں، سکتا[2]
ہزار احسنت تیری طبع کو اے مصحفی! سچ ہے
غزل ان قافیوں میں تجھ سوا کوئی[3] کہہ نہیں سکتا

---

۱ - بندھوا : (ہ) اسیر ، غلام -
۲ - سکتا : سکتہ (ع) بے ہوشی کا عالم -
۳ - بروزن فع -

۸۰

جو تو اے **مصحفی** ! راتوں کو اس شدت سے رووے گا
تو میری جان ! پھر کیوں کر کوئی ہمسایہ سووے گا

مرے رونے کا عالم دیکھ کر کہتے ہیں یوں مردم
سرک کر رو یہاں سے کیا ، کسی کا گھر ڈبووے گا ؟

جو ناگہ میان سے نکلے وہ تیغ آبدار اس کی
تو کیا[1] میں ، خضر اپنی زندگی سے ہاتھ دھووے گا

تو اے قاصد ! مرے دل کو بھی اپنے ساتھ لیتا جا
نہیں تو مفت میں رو رو یہ اپنی جان کھووے گا

خیالِ زلف میں اس کے نہ قصدِ گریہ کر اے دل !
اندھیری رات میں تو کس طرح موتی پرووے گا

نہ جاوے گا یہ تیرا داغِ احساں روزِ محشر تک
مری تربت پہ تو اے باغباں ! گر لالہ بووے گا

نہ مرنے پر مر اتنا **مصحفی** وہ دن بھی آتا ہے
کہ سب ہوویں گے عالم میں اور اک دن تو نہ ہووے گا

۸۱

ہوا ہے دشمنِ جاں بس کہ باغباں میرا
چمن میں رہنے نہیں دیتا آشیاں میرا

سبب[2] ملال کا اپنے میں کیا بتاؤں تمھیں
گیا ہے روٹھ کئی دن سے مہرباں میرا

گلہ یہ تم سے ہے مجھ کو کہ اس محبت میں
یہ رنگ تم سے ہوا چشمِ خوں فشاں میرا

---

۱ - تو میں کیا : ح -   ۲ - شب (؟) : ح -

جو لے چلے ہو مرے دل کو تم تو رکھیو عزیز
کہ شکل قبلہ نما ہے یہ عطرداں میرا
تمام عمر رکھا اس نے مجھ کو چکّر میں
کہاں کا دشمن جاں ہے یہ آسماں میرا
چمن میں ہوں میں ولیکن خموش بیٹھا ہوں
کہ اس چمن میں نہیں کوئی ہمزباں میرا
ہوے ہو کاہے کو تم اپنی جان کے دشمن
نہ اس کے آگے کرو ذکر دوستاں میرا
پکڑ کے گوشۂ دامن کو اس کے کھینچ رکھوں
میں خاک رہ ہوں، یہ مقدور ہے کہاں میرا
عجب نہیں جو غزل دوسری میں[1] لکھ جاؤں
کہ مصحفی ہے قلم اس گھڑی رواں میرا

٨٢

کسو بھی طرح گزارا نہیں جہاں میرا
ذرا تو دیکھیو اٹکا ہے دل کہاں میرا
میں حسرتیں لیے از بس جہاں سے جاتا تھا
جنازہ دوش پہ یاروں کے تھا گراں میرا
لپیٹے منھ کو پڑا گھر میں گریہ کرتا ہوں
کہ آشکار نہ ہووے غم نہاں میرا
جگہ سے ہل نہیں سکتا ہے کیا علاج کروں
برنگ نقش قدم جسم ناتواں میرا

---

١ - بھی : ح -

جو کچھ کہوں بھی میں تجھ کو تو ُتو براست مان
کہ میں توصاف ہوں پر دل ہے بدگماں میرا
لگی تھی' آگ گلستاں کو اور مرغِ چمن
کہے تھا یہ کہ جلا آج آشیاں میرا
فراق مو کمراں سے گھٹا ہوں میں یاں تک
کہ شکلِ نالِ قلم ہے ہر استخوں میرا
تری گلی میں مجھے قتل اگر کریں دشمن
عجب نہیں جو نہ ہو واں سے خوں رواں میرا
ترے کہے سے چلا میں تو پر ُتو ڈھب[2] پاکر
سلام تو اسے کہہ دیجو پاسباں میرا

ق

کل اس کی بزم میں مذکور شعر ہوتا تھا
کچھ اس میں آ جو گیا ذکر درمیاں میرا
لگا یہ کہنے کہ ہاں مصحفی کو لاؤ شتاب
کہ ایک عمر سے ہے وہ تو مدح خواں میرا

۸۳

زلفیں دکھا کے اُس نے عالم کو مار ڈالا
کس روز تیغ کھینچی ، کب نیمچہ نکالا
ہے کیا مناسب اعضا گویا کہ اپنے ہاتھوں
صنعت گر ازل نے سانچے میں اُس کو ڈھالا
زلفوں کے حلقے خالی کیوں کر نہ ہوں کہ اب ہے
گرد آوری میں دل کی کانوں کا اُس کے بالا

---

۱ - ہے : ح -
۲ - ڈھب : (ہ) موقع -

دیکھا ہے میں نے کس کو مہندی کے ہاتھ دھوتے
جو چشم سے بہے ہے میری لہو کا نالا
واللہ گل فروشی وہ اپنی بھول جاوے
سینے کے داغ میرے گر دیکھے پھولوں والا
میرا مزار تھا واں تم یاد رکھیو اس سے
رستے میں چلتے چلتے دامن جہاں سنبھالا
ہر اک ورق پر اُس کے تصویر حسن کی ہے
دیوانِ مصحفی بھی گویا ہے راگ مالا[1]

۸۲

بلبلِ خوش صفیر ہوں گلشنِ روزگار کا
کچھ میں نشید[2] خواں نہیں زمزمۂ بہار کا
وعدہ کیا جو تو نے شب ملنے کا اپنے وقتِ صبح
وعدے پہ تیرے[3] دل جلا صبح تک انتظار کا
سلسلہ اک نظر پڑا موجِ ہوا کے پاؤں میں
پیچ جو کھل گیا کبھو سنبلِ تاب دار کا
ہوں تو غبار راہ میں لیک بہ وقتِ سرکشی
اوجِ ہوا پہ پھیلنا دیکھ مرے غبار کا
لالے کا تختہ ایک جا دیویں گے تجھ کو ہم دکھا
پردہ اگر الٹ گیا سینۂ داغ دار کا

---

۱ - راگ مالا : (ہ) مؤنث ، وہ کتاب جس میں راگ کے اصول درج ہوں - (نوراللغات ، ج ۳ ، ص ۴)

۲ - نشید خواں : (ف) صفت نغمہ سنج - (نوراللغات ، ج ۴ ، صفحہ ۶۶۳) -

۳ - میرے : ح -

ہوں وہ بہ‌خوں‌تپیدہ صیدجس‌کی‌زباں‌سےوقتِ ذبح
شکر ادا نہ ہو سکا خنجرِ آب‌دار کا
اب تو پیالہ ہاتھ سے رکھ کہیں اے گل ! ایک دم
رنگ مغیری[۲] ہوا نرگسِ پُر خمار کا
دینا ہے بوسہ تو میاں دے بھی و گرنہ میں کہاں
آج لبوں سے وعدہ ہے جانِ امیدوار کا
لالہ ہوا بہ روۓ خاک رنگِ شفق بر آسماں
خون کہاں کہاں گرا زخمِ جگر[۳] فگار کا
سرو قدوں کے پاؤں کی یوں ہی لگیں جو ٹھوکریں
خاک رہے گا مجتمع ڈھیر مری مزار کا
تیغ لیے کھڑے ہو کیوں ہاتھ میں اب میاں علم
کام تو ہو چکا تمام مصحفیِ نزار کا

۸۵

ٹھکانا اک جگہ ہوتا نہیں اس غم کے مارے کا
یہ گردش طالعوں کی پھیر ہے گویا ستارے کا
خدا جانے پڑی ہے آنکھ واں کس بے محابا کی
کئی دن سے جو روزن بند ہے اس کے نظارے کا
دل اپنا یک نگاہ ناز پر ہم تم کو دیتے ہیں
نہ چوکو لے چکو اس کو کہ یہ سودا ہے وارے کا
کبھو ہو یک نگہ تم قیمت جان و دل و دیدہ
نہیں[۴] میں نے سنا ایسا کہیں سودا اجارے کا

---

۱ - ن - ل اور ن - ح میں یہ شعر نہیں -
۲ - مغیر : دگرگوں شدہ - (فرہنگ عمید ، ص ۱۱۱۷)
۳ - زخم دل فگار کا : ح -
۴ - نہیں میں بیچنے کا اس کو سودا ہے خسارے کا : ح -

شب مہتاب میں جمنا کی لہروں کا سماں یوں تھا
کہ جیسے موج زن پیش نظر دریا ہو پارے کا
فراق دہلی سے روتا ہوں میں جب یاد آتا ہے
وہ پھرنا آبجو کا اور وہ عالم ہزارے کا
غلط ہے عاشقی سے **مصحفی** کو متہم کرنا
نہیں مذکور ان باتوں میں ہرگز اس بچارے کا

۸٦

دامن اُس شوخ نے کھینچا جو جھٹک کر اپنا
پھاڑ ڈالا میں گریبان سراسر اپنا
جو کوئی آوے ہے ملنے کو وہ پھر جاتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ نہیں وقت مقرر اپنا
آرزو میں ترے آنے کی ہم اے وعدہ خلاف !
صبح تک بند نہیں کرتے کبھو در اپنا
مثل سائے کے میں[1] پیچھے پھرا اُس کے جس نے
اپنے سائے کو دکھایا نہ کبھی گھر اپنا
باغ میں دیکھ خرامش کی ترے رنگینی
فرش کرتا ہے میاں مور ہی شہپر اپنا
خون بسمل سے ہے اس ساعد نازک پہ بہار
تم نے کیوں[2] پھینک دیا ہاتھ سے خنجر اپنا
تیرے کوچے میں اسے ہم تو نہ جانے دیویں
زور چلتا نہیں افسوس کہ دل پر اپنا

---

۱ - پھرا پیچھے میں : ح -   ۲ - گو : ح -

دوست[1] رکھتی ہے جریدہ[2] کے تئیں راہِ عدم
چھوڑ جاتے ہیں شہاں تب تو یہ لشکر اپنا

مصحفی گرچہ خفا ہم سے وہ رہتا ہے ولے
ذکر آ جائے ہے اُس بزم میں اکثر اپنا

۸۷

ہے آنسوؤں سے غوغا ان پر کبوتروں کا
مژگاں ہیں یہ کہ یارب ٹھاٹر[3] کبوتروں کا

صیاد کی گلی ہے وہ کوچہ کیا[4] کہ جس میں
سر خاک پر پڑا ہے اکثر کبوتروں کا

جو[5] ہیں فرشتہ طینت عالی مقام ہیں وہ
بامِ حرم پہ دیکھا میں گھر کبوتروں کا

اہلِ دول کی خاطر یہ مشغلے ہیں سارے
کرتے ہیں شوق نا حق بے زر کبوتروں کا

اک غول ہے ادھر کو بامِ ہوا پہ رقصاں
اک ساتھ اڑ رہا ہے اودھر[6] کبوتروں کا

---

۱ - وہ سب (؟) : ح -
۲ - جریدہ : (ع) تنہا - اکیلا - (فرہنگ آصفیہ ، ج ۲ ، صفحہ ۳۰)
۳ - ٹھاٹر : (ہ) اسم مذکر - (۱) ڈھانچ - ٹھٹڑی ، ٹٹی ، جعفری - (۲) کبوتروں اور لڑائی کے مرغوں کے رہنے کا جال ، کبوترخانہ چڑیا خانہ ، (فرہنگ آصفیہ ، ج ۲ ، ص ۱۵) -
۴ - کہہ : ح -
۵ - جوں (؟) : ح -
۶ - ایدھر : ح -

ہے صید[1] میرے اس کے انجام دیکھیں کیا ہو
امڈا ہے دو طرف سے لشکر کبوتروں کا
جانا گلی میں اس کی عاشق کا نامہ لے کر
یہ کام ہے عزیزو بے سر کبوتروں کا
اک پر بھی اس گلی سے اے **مصحفی** ! نہ آیا
ناحق کو خون لیا میں سر پر کبوتروں کا

۸۸

اشکوں سے میرے لخت جگر دور رہ گیا
اس قافلے کے پیچھے یہ رنجور رہ گیا
آئے نہ تم کرم سے کبھی میرے[2] گھر میاں
شکوہ یہ تم سے تابہ لب گور رہ گیا
میں جو کہا کہ بل ہے تری زلف کی اکڑ
غصے سے کچھ وہ میری طرف گھور رہ گیا
گردن تک آکے پھر گئی کل[3] اس کی آب تیغ
پیمانہ ہوکے عمر کا معمور رہ گیا
میں نے کہا تھا اب مجھے مقدور صبر ہے
بولا یہ اک ادا سے کہ مقدور رہ گیا

---

۱ - صید : (ع) اسم مذکر (۱) شکار - (۲-۱) اسم مؤنث ،کبوتربازوں کی اصطلاح میں اس امر کا عہد کہ دونوں مدمقابل میں سے جو کوئی ایک دوسرے کے کبوتر کو پکڑے (صید کرے) پھر نہ دے - صلح کا نقیض -
(فرہنگ آصفیہ ، جلد سوئم ، صفحہ ۲۳۱) -

۲ - گھر مرے میاں : ح - ۳ - جو : ح -

تقصیر کم نگاہیِ ساقی ہے اور کیا
اس انجمن میں گر کوئی مخمور رہ گیا

کیا کیا نہ دوستوں کے بھرے زخمِ جاں ستاں
اک داغِ دل مرا ہے کہ ناسور رہ گیا

حاتم رہا نہ رستمِ دستاں جہاں کے بیچ
ہمت کا ان کی خلق میں مذکور رہ گیا

جب اس میں خون رہا نہ تو یہ دل کا آبلہ
ہو خشک جیسے دانۂ انگور رہ گیا

کرتا ہے کوئی اتنا تغافل خدا سے ڈر
مرنے میں میرے[1] کیا بتِ مغرور رہ گیا

دنیاے دوں نہ جاے اقامت ہے **مصحفی**
آیا جو اس سرا میں بدستور رہ گیا

۸۹

غیر کے گھر میں یار رہنے لگا
ہم کو پھر انتظار رہنے لگا

پھر ہوئی تم کو اپنے حسن کی چاہ
آئنہ پھر دوچار رہنے لگا

کیا کسی سے کیا قرار اُس نے
دل جو یاں بے قرار رہنے لگا

ق

پھر وہ بتِ صاحبِ ارادہ ہوا
پھر کمر میں کٹار رہنے لگا

---

۱ - اپنے : ح ۔

مصحفی یعنی میری جانب سے
اس کے دل میں غبار رہنے لگا

۹۰

پہلو سے اٹھ کے شب جو وہ آرامِ جاں گیا
بے اختیار نالہ سوے آسماں گیا
کنجِ قفس میں لطف ملا جس کو وہ اسیر
چھوٹا بھی گر تو پھر نہ سوے آشیاں گیا
اٹھنے کا قصد شب جو کیا اس نے بزم سے
ووں ہی ہزار جا' پہ دلِ بدگماں گیا
تکلیفِ سیرِ باغ نہ دے ہم کو ہم صفیر
مدت ہوئی کہ دل سے وہ شوقِ[۲] فغاں گیا
یارانِ رفتہ ہم سے منہ اپنا چھپا گئے
معلوم بھی ہوا نہ کدھر کارواں گیا
باہم جنھوں میں مہر و مروت کی رسم تھی
وہ لوگ کیا ہوئے وہ زمانہ کہاں گیا
کیا جانتا تھا میں کہ نہ[۳] دیوے گا مصحفی
کیسا سوالِ بوسہ مرا رائیگاں گیا

۹۱

اک حرفِ کُن میں جس نے کون و مکاں بنایا
سارے جہاں کا تجھ کو جانِ جہاں بنایا

---

۱ - دل پہ مرے : ح -
۲ - ذوق فغاں : ح -
۳ - نہ دے گا وہ مصحفی :ل ، ح -

بوے محبت اپنی رکھّی خدا نے اُس میں
سینے میں آدمی کے[1] دل عطرداں بنایا
اپنی تو اُس چمن میں نت عمر یوں ہی گزری
یاں آشیاں بنایا ، واں آشیاں بنایا
محنت پہ ٹک نظر کر صورت گرِ ازل نے
چالیس دن میں تیرا میمِ دہاں بنایا
ازبس کہ اس سفر میں منزل کو ہم نہ پہنچے
آوارگی نے ہم کو ریگِ رواں بنایا
مغرور کیوں نہ ہووے صنعت پہ اپنی صانع
کس واسطے جب اُس نے یہ گلستاں بنایا
خونِ جگر سے میرے گل کی شبیہ کھینچی
نالے کو میرے لے کر سروِ رواں بنایا
ق
آتا ہے مصحفی تو یہ کس کے زخم کھائے
تیرِ جفا کا کس نے تجھ کو نشاں بنایا
سو ٹکڑے ہے گریباں ، دامن لہو میں تر ہے
یہ رنگ تو نے ظالم اپنا کہاں بنایا

۹۲

ہے یہاں کس کو دماغ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکاں چاہیے تنہائی کا
باغ میں آگئے ہیں واں سے گلِ رعنا اب تک
جس جگہ سایہ پڑا تھا تری رعنائی کا

---

۱ - ک : ح -

رہزن قافلۂ دل ہوئیں جب وہ مژگاں
پہلے اسباب لٹا صبر و شکیبائی کا

ہیں وہ حیران تری صورت کے مرقعے میں تمام
جن[۳] کو باہم نہیں کچھ ربط شناسائی کا

بزم میں شمع ہوئی شرم سے پانی پانی
شب جو مذکور چلا اُس کی خوش اعضائی کا

بات زنہار نہ کچھ منہ سے نکلنے پائی
ہنستے ہنستے ہی میں گل کھل گیا رسوائی کا

شیشۂ دل کو مرے چور کیا جو اُس نے
کیا لیا تھا میں بھلا گنبد مینائی کا

مصحفی اک غزل اس مردہ زمیں میں لکھ اور
گر تجھے شعر میں دعویٰ ہے مسیحائی کا

۹۳

گرچہ مذکور ہے ہرجا تری رعنائی کا
پر فسانہ نہیں کم بھی[۴] مری رسوائی کا

پھول لالے کے نہیں یہ کہ زمیں سے اب تک
جوش مارے ہے پڑا خوں کسی سودائی کا

یار کہتے ہیں مجھے یوں تو شکیبائی کر
کاش ہوتا مجھے مقدور شکیبائی کا

کیا تماشا ہے کہ آگے سے ترے کوچے کے
قدم اٹھتا نہیں آگے کو تماشائی کا

---

۱ - جو : ح -
۲ - ؟ : ح -
۳ - ان کو : ح -
۴ - میری بھی : ح -

خون عشاق سے نت' ان کو حنائی رکھنا
میں تو کشتہ ہوں ترے ہاتھوں کی زیبائی کا
تونے جس دن سے تراشا ہے میاں اپنے تئیں
شور عالم میں پڑا ہے تری مرزائی کا
مصحفی چاہے تو لکھ جائے غزل اور بھی تو
میں مقر ہوں ترے خامے کی توانائی کا

۹۲

داغ دیکھے تھا کھڑا لالۂ صحرائی کا
زور عالم نظر آیا ترے سودائی کا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا
تو نہ بدنام کہیں ساتھ مرے ہو جاوے
مجھ کو گر غم ہے تو پیارے تری رسوائی کا
عشوہ و ناز و ادا اس کے یہی کہتے ہیں
لے سکے نام تو یاں کوئی شکیبائی کا
خوب روئی جسے کہتے ہیں سو ہے چیز دیگر'
شوق یوں کس کو نہیں ورنہ خود آرائی کا
یہ بھی کوئی شرم ہے آنکھوں کو اٹھاکر صاحب
لیجے مجرا تو ذرا اپنے بھی مجرائی کا
مصحفی ریختہ پہنچا ہے مرا رتبے کو
شور یاں گرد ہے مرزا کی بھی مرزائی کا

---

۱ - ان کو بھی رنگنا تجھ کو : ح - ۲ - جدی : ح -

۹۵

قاصد اُس کو سے پھرایا نہ پھرا ہووے گا
جی دھڑکتا ہے خدا جانیے کیا ہووے گا

پائے دیوار کفک جلوہ نہ تھا یوں تو کبھی
خون کسی کا ترے کوچے میں بہا ہووے گا

اب کہ گر فصلِ گل آئی تو جنوں کے ہاتھوں
دھجّیاں ہو کے گریبان ہوا ہووے گا

فصلِ گل فصلِ خزاں دونوں گئیں اے صیاد !
مرغِ دل کون سے موسم میں رہا ہووے گا

درہمی وضع سے آج اُس کی نکلتی ہے بہت
آرسی میں کہیں منھ دیکھ لیا ہووے گا

بے خبر رنگِ حنا میں تو نہ تھی یہ شوخی
خون کسی کا ترے تلووں سے لگا ہووے گا

میں تو جاتا ہوں موا خجلتِ رسوائی سے
ہائے کس کس نے مرا قصہ سنا ہووے گا

پوچھ مت حالِ دلِ مصحفی خستہ بیاں
وہ اگر صاف کہے گا تو خفا ہووے گا

۹٦

دل گرایا جگر اس دیدۂ گریاں سے چوا
نہیں معلوم کہ شب کیا مری مژگاں سے چوا

اس نے تیر اپنا جو کھینچا مرے پہلو سے بزور
خون تا دیر زمیں پر دلِ پیکاں سے چوا

دیکھ کر رنگِ حنا ہاتھ پہ تیرے قاتل
رشک کے مارے لہو پنجۂ مرجاں سے چوا

اس قدر تشنۂ خوں تھا کہ دمِ ذبح مرے
ایک قطرہ نہ دمِ خنجرِ بُرّاں سے چوا

ہم نے ہشیاری سے ہاتھوں[1] پہ لیا اس کے تئیں
قطرہ مستی میں جو مے کا لبِ جاناں سے چوا

تربتِ قیس پہ اک دن جو ہوا آن کا گزر
اس قدر روے کہ خوں چشمِ غزالاں سے چوا

کیا گریباں کی پوچھو ہو کہ ہم شب آس بن
اس قدر روے کہ خوں گوشۂ داماں سے چوا

آگ دی دل کو محبت نے تو گریز کی طرح
اشک کے ساتھ ہی اک شعلہ بھی مژگاں سے چوا

مصحفی میں نے یہ جانا کہ ستارے ٹوٹے
جب عرق یار کے روے عرق افشاں سے چوا

ردیف ب

۹۷

دنیا سے اپنے یار کو لدوائیے شتاب
سازِ سفر بہم ہو تو اٹھ جائیے شتاب

ہونٹوں پہ آ رہی ہے یہ جاں انتظار میں
آنا ہے آپ کو تو کہیں آئیے شتاب

شب تھوڑی رہ گئی ہے ، یہ منزل ہے[2] پرخطر
یارو کجاوے اونٹوں کے کسوائیے شتاب

پڑنے لگی ہیں پھر تری آنکھیں ادھر ادھر
یہ طور ہے برا نہیں[3] سمجھائیے شتاب

---

۱ - آنکھوں : ح -
۲ - ہے : ح -
۳ - ''انھیں'' با معنی رہے گا - فائق

دل دے کے آپ کو میں کہاں تک کھڑا رہوں
قیمت جو کچھ کہ دینی ہو فرمائیے شتاب

ایسا نہ ہو کہ یارو دل آوے کہیں نکل
سینے کا زخم ہے اسے سلوائیے شتاب

مل جائے روز عید تو واللہ دوڑ کر
اب کے گلے سے اُس کے لپٹ جائیے شتاب

بیٹھے ہیں ہم بھی آپ کے یاں انتظار میں
تشریف اس طرف بھی کہیں لائیے شتاب

تا دیر کیوں زمیں پہ رہے خون مصحفیؔ
اچھا یہیں[1] کہیں اسے گڑوائیے شتاب

۹۸

شاید کسو نے پھر اُسے برہم کیا ہے اب
ملنا جو ہم سے اُس نے بہت کم کیا ہے اب

یوں سر کے بال اُس کے پریشان ہیں تمام
گویا کسی کے مرنے کا ماتم کیا ہے اب

رہ اے مسیح ! اس کی تو پھر کیجیو دوا
یعنی علاجِ دیدۂ پُرنم کیا ہے اب

رکھنا عصا[2] کا شیخ جی تم کو ضرور ہے
پیری نے قد تمہارا بہت خم کیا ہے اب

وہ بند و بست اس کا جو آگے تھا اٹھ گیا
جس تس کو بزمِ وصل کا محرم کیا ہے اب

---

۱ - نہیں : ح -　　۲ - اعضا (؟) : ح -

آتش کدوں کو آہ مری سرد کر چکی
بل بے گھمنڈ قصد جہنم کیا ہے اب
سو غم تھے جب تلک کہ نہ تھا وعدہ درمیاں
امید وصل نے مجھے بے غم کیا ہے اب
آوے وہ دم میں کیونکہ کسی[1] کے کہ ان دنوں
واں خصم نے کچھ اورفسوں دم کیا ہے اب
ہے مصحفی غریب تو کس کے شمار میں
تسخیر اُس کی زلف نے عالم کیا ہے اب

۹۹

ہم کو دینے لگے تم چھیڑ کے گالی کیا خوب
آپ نے ہم سے بھی یہ چھیڑ نکالی کیا خوب
کیوں نہ سوجاں سے صدقے ہوں ترے صانع نے
طرح ترکیب تری سانچے میں ڈھالی کیا خوب
بارے اب تم بھی لگے خون غریباں کرنے
ہاتھ میں تم نے بھی تلوار سنبھالی کیا خوب
تم نے حسن اپنے کو جو چند کیا نام خدا
موتیوں کی بھی لڑی کان[2] میں ڈالی کیا خوب
جب[3] کہ تو اس میں سے جھانکے ہے ستاروں کی طرح
جگمگاتی ہے ترے غرفے کی جالی کیا خوب
کیجیو ساعد گل خوردہ پہ میرے بھی نگاہ
ہاتھ آئی ہے مرے پھولوں کی ڈالی کیا خوب

---

۱ - کسو : ح -
۲ - کانوں میں : ح -
۳ - ن - ح میں یہ شعر نہیں -

آرسی لے کے ذرا تُو بھی دیکھ اپنے لب
مستی پر کھلتی ہے یہ پانوں کی لالی کیا خوب
مصحفی واہ غزالان معانی کے تئیں
صید کرتی ہے تری ہمتِ عالی کیا خوب

۱۰۰

بام پر اس کے جو ہوتا گزر نالۂ شب
کچھ نہ کچھ ہم کو بھی آتی خبر نالۂ شب
مرگئے ہم تو دلا نالے ہی کرتے کرتے
ہم نے اک روز نہ دیکھا اثر نالۂ شب
نالہ پرواز میں آتا ہے دعا سے یعنی
ہیں مرے دست دعا بال و پر نالۂ شب
لے اُڑا نالہ مرا[1] مجھ کو فلک پر گویا
تھی مرے ہاتھ میں محکم کمرِ نالۂ شب
اس کو آسان نہیں آگ پہ رکھنا ظالم
پر کبوتر کا نہ ہووے یہ پر نالۂ شب
واہ[2] نالے کی رفاقت سے تری کٹ جاوے
تو بھی اے آہ! جو ہو ہم سفر نالۂ شب
تو بھی آوے جو تماشے کو تو مانند انار
پھول رکھتا ہے ہزاروں شجرِ نالۂ شب
نالۂ شعلہ فشاں دل سے نہ نکلا ورنہ
تجھ کو اے آہ! دکھاتے ہنر نالۂ شب
صورت تودۂ باروت ہے گردوں اس میں
ہو تماشا جو پڑے اک شررِ نالۂ شب

۱ - نالۂ شب : ح -   ۲ - نالہ رہ : ح -

آگ نکلے ہے جو نالوں سے مرے رہتا ہے
میرے ہمسایوں کو ہر شب خطرِ نالۂ شب

صبح دم لخت جگرکیوں مری پلکوں سےگرے
مصحفی ! میں نے یہ پایا ثمرِ نالۂ شب

۱۰۱

کیوں نکلتا سوتے سوتے منہ سے اپنے یا نصیب
جاگتا راتوں کو ہم کو بھی اگر ہوتا نصیب

جن کے ہے معشوقۂ دنیا بغل میں رات دن
سچ اگر پوچھو تو ہاں وے لوگ ہی ہیں بانصیب

دیکھ کر مجنوں کے طالع کو منجم نے کہا
بعدِ مکتب ہووے گا اس طفل کو صحرا نصیب

کون مانے ہے برا خوباں کے نکتوڑے[۲] سے ہاے
ہووے یا رب مجھ کو ان لوگوں کا نکتوڑا نصیب

ٹوٹے پیالے میں بھی جو دیتا نہیں ساقی شراب
پھوٹ[۳] گئے ہیں ایسے میرے یا الٰہی کیا نصیب

قسمت اپنی میں[۴] تو فردائے قیامت پر ہے حرف
بخت ان کے ہیں جنھیں ہے وعدۂ فردا نصیب

خوش نصیبی کا ہماری جس جگہ مذکور ہے
اس جگہ قسمت کہاں کی اور میاں کس کا نصیب

جن دنوں تھوڑی سی قسمت اپنی[۵] تھی اس کی شریک
ہم کو تھا اس بزم میں یہ جرعۂ صہبا نصیب

---

۱ - کون : ح -
۲ - نکتوڑہ (ہ) : نخرہ -
۳ - بر وزن فع -
۴ - پر : ح -
۵ - اپنی اس کی تھی شریک : ح

دین و دنیا سے ہمیں کیا کام ہے اے **مصحفی** !
ہیں جو طالب ان کو ہووے دین اور دنیا نصیب

۱۰۲

باتیں بنا کے مجھ کو شیدا نہ کیجے صاحب
رسوا کو بس زیادہ رسوا نہ کیجے صاحب
گو تیرہ بخت ہوں میں پر میری یہ' خوشی ہے
اک انگلی مسّی کا تو صرفا نہ کیجے صاحب
مجلس میں مدعی کی بن ٹھن کے جائیے لیک
جا کر کے دیر تک واں بیٹھا نہ کیجے صاحب
کیا مجھ میں اور تم میں اب کچھ دوئی رہی ہے
جو کیجے اس کا مجھ سے پردا نہ کیجے صاحب
کیجے نظر کرم کی اک ناتواں پر اپنے
گر اس میں بھی زیاں ہو اچھا نہ کیجے صاحب
طرزِ خرام اپنی ہر ایک کو دکھا کر
کوچے گلی میں فتنہ برپا نہ کیجے صاحب
آتا ہے رشک مجھ کو منھ اپنا آرسی میں
حسرت بھری نگہ سے دیکھا نہ کیجے صاحب
جاتا ہوں ، دم بہ دم تُو جھنجلا کے بولتا ہے
"اتنا بھی میرے گھر میں آیا نہ کیجے صاحب"
جو میں کہوں ہوں میری تقصیر؟ تو کہے ہے
"بس بس سرکیے، مجھ کو رسوا نہ کیجے صاحب"
میاں[۲] **مصحفی** کہا میں یہ بات حد بری ہے
ہر اک سے راز دل کا افشا نہ کیجے صاحب

---

۱ - یوں : ح ۲ - بر وزن فاع -

۱۰۳

کس دن گلی سے آس کی پھرا نامہبر شتاب
کب خوش ہوا میں اور کب آئی خبر شتاب
اب دیر چاہیے ہے اسے جاتے تا فلک
وہ دن گئے کہ نالہ کرے تھا اثر شتاب
کھینچے[1] نہ دیر فصلِ گل آنے تلک دریغ
اب کے برس میں اپنے جھڑے بال و پر شتاب
ایسا نہ ہو کہ آتشِ دل سینہ پھونک دے
مشکیزہ لے کے پہنچیو اے چشم تر ! شتاب
کیا امتحاں کرے ہے تو اے داغِ غم کہ یاں
جلنے کے داعیہ پہ ہے دل سے جگر شتاب
ان پردہ داریوں کے تصدق کسی کی جاں
خواہش جو دیکھنا تو چرانا نظر شتاب
رہنے کا لطف اب نہیں یاں خاک **مصحفی**
اس منزلِ خراب سے کیجے سفر شتاب

۱۰۴

غیروں سے میاں تیری ملاقات نہیں خوب
کچھ عقل کے نزدیک تو یہ بات نہیں خوب
یوں آنکھیں لڑا جس سے کہ[2] تو چاہے ولیکن
آگے مرے ہر اک سے اشارات نہیں خوب
کیا جانیے کیا سمجھے کوئی ملنے کو صاحب
اتنی بھی تو بندے پہ عنایات نہیں خوب

---

۱ - کیجے : ح -   ۲ - کہ چاہے تو ولیکن : ح -

سن سن کے مرے ذکر کو کہتا ہے وہ کافر
ہر ایک کرے ہے اسی بد ذات کی تقریب
اے مصحفی ! سو آنکھیں لگیں دیکھنے اس سے
نکلی جو کبھی حرف و حکایات کی تقریب

۱۰۶

جی چلے تیرا تو لے چکھ تو بھی اے مست شراب !
ہیں مرے لخت جگر مژگاں پہ تکّوں[1] کے کباب
یوں ہے اُس گورے بدن سے جلوہ گر لوہو کا رنگ
دست قدرت نے ملایا جیسے میدے میں شہاب
بیچ دریا کے پڑا ہے کس مہِ تاباں کا عکس
شمع سے خالی نہیں جو ایک فانوس حباب
بال بکھرے گورے منہ پر جیسے سورج کی کرن
زلف کے حلقے میں عارض سنبلہ[2] میں آفتاب
ہائے کیا کیا صحبتیں رہتی ہیں معشوقوں کے ساتھ
کس قدر حسرت فزا ہے یاد ایام شباب
میں تو کل غش کر گیا تھا دیکھ کر اُس گل کا رنگ
اشک نے بارے مرے منہ پر ذرا چھڑکا گلاب
ایک دن مرنے سے آگے ہم نے دل اُس کو دیا
جوں مسافر وقت چلنے کے کرے ہے باتراب ؟
سر پٹکنا ، گریہ کرنا ، ہاتھ دے دے مارنا
ہم نے بھی دیکھے ہیں کیا کیا ہجر کی شب کے عذاب

---

۱ - تکوں کے کباب : ایک قسم کے بوٹیوں کے کباب -
۲ - سنبلہ : (ع) : آسمان کا چھٹا برج -

گرچہ تو پاکیزہ گو ہے سربسر پر **مصحفی**
یہ غزل ہم نے ترے دیوان سے کی انتخاب

۱۰۷

یہ حالت ہے کہ دل سینے میں گھبراتا ہے بےموجب
طبیعت پر (تکدر[1]) اپنی آ جاتا ہے بےموجب
نہیں اُس کی طرف دیکھوں ہوں نے کچھ بات کہتا ہوں
بت محبوب میرا مجھ سے شرماتا ہے بےموجب
مری مجلس میں گر وہ آکے بیٹھے ہے تو پھر ووں ہی
یکایک بیٹھے بیٹھے ہنس کے اُٹھ جاتا ہے بےموجب
نہیں تقصیر کچھ ثابت مری اے یارو! وہ بانکا
سپر تلوار لے کر مجھ کو دھمکاتا ہے بےموجب
جو ہوتا ہوں میں حاضر اُس کی عیاری تو تم دیکھو
بہ زعم غیر مجھ کو کام فرماتا ہے بےموجب
نہ خواہش ہے اُدھر سے، نے ادھر سے کچھ تقاضا ہے
نہیں معلوم کافر دل کو کیوں بھاتا ہے بےموجب
نہیں اے **مصحفی**! گر مجھ سے لاگ اُس کے تصور کو
تو وہ راتوں کو میرے پاس کیوں آتا ہے بے موجب

۱۰۸

دل دیوانہ اس کی گالیاں کھاتا ہے بےموجب
جو اُس کے منہ میں آتا ہے سو کہہ جاتا ہے بےموجب
گلی میں اُس کی جاتا ہوں تو یوں لوگوں سے کہتا ہے
ہوا ہے اس کو کیا یہ کیوں یہاں آتا ہے بےموجب

---

۱ - سکدر : پ ، ل ، ح (ہر نسخے میں) -

نہ[1] روزوں کا مہینہ ہے نہ یہ ماہ محرم کا
ہمیں وہ طفلِ بدخو تیغ دکھلاتا ہے بے موجب
جو ہم اک بات کہتے ہیں تو ووں ہی در جواب اس کے
ہمارے سر پہ سو سو بات ٹھہراتا ہے بے موجب
میں آخر اس گلی سے اٹھ گیا وہ اٹھ ہی جاتا ہے
کسو سے گر کوئی اے یارو ! دکھ پاتا ہے بے موجب
نہ شانے نے چھوا ان کو نہ واں باد صبا پہنچی
تری زلفوں کا ہر اک بال بل کھاتا ہے بے موجب
کوئی[2] کیا مصحفی سے مصحفی کا دردِ دل پوچھے
کہ آنکھوں میں یہ آنسو اپنے بھر لاتا ہے بے موجب

ردیف پ

۱۰۹

کھکھلا کر نہ ہنسا کیجیے آپ
ایسی باتوں سے حیا کیجیے آپ

تم سے ہر گز ہمیں کچھ کام نہیں
لاکھ پردے میں چھپا کیجیے آپ

کوئی ہو کیوں کہ تمھارا شاکر
نہ مروت نہ وفا کیجیے آپ

دردِ سر ہووے ہے یاں میرے تئیں
سر کو صندل نہ ملا کیجیے آپ

چال یہ حق میں تمھارے نہیں خوب
ہر کسی سے نہ ملا کیجیے آپ

---

۱ ۔ نہ روزوں کا یہ منھ ہے نہ یہ ہے ماہ محرم کا : ح ۔
۲ ۔ کوئی کیا مصحفی سے دردِ دل کا ماجرا پوچھے : ح ۔

ق

میں تو کہنے کو تمھارے مانا
اتنا میرا بھی کہا کیجیے آپ
کیوں میاں **مصحفی**! جی دیتے ہو
درد اپنے کی دوا کیجیے آپ

ردیف ت

۱۱۰

البتہ فنِ عشق میں ہو جس کو مہارت
سمجھے وہ مرے نامۂ پُر خوں کی عبارت
رستوں میں زن و مرد کے ستھراؤ پڑے ہیں
اک شہر کیا ہے تری رفتار نے غارت
قاتل تو وضو کرکے مرے تیغ لگانا
قربانی کو کہتے ہیں کہ ہے شرط طہارت
آنکھوں کا میں کس شوخ کی کشتہ ہوں کہ[۱] اب تک
کرتے ہیں غزالاں مری تربت کی زیارت
کیا پوچھتے ہو حادثۂ حضرتِ دہلی
واں خاک برابر ہوئیں کیا کیا نہ عمارت
کیا جانے وہ کیا لائے ستم سر پہ ہمارے
سونپی ہے شہِ حسن نے غمزے کو نظارت
جب **مصحفی** خستہ لگا جان کو دینے
مرتے ہوئے کی آس نے طرف دل کی اشارت

---

۱ - جو : ح

۱۱۱

ہر چند اُس نے تیری طرف سے بنائی بات
قاصد کو اُس کے سامنے پر کہہ نہ آئی بات

اُس گل کی باغ میں جو صبا نے چلائی بات
غنچے نے مسکرا کے کہا ہم نے پائی بات

کہتا تھا یہ کہ دل نہ کسی سے لگائیے
اک قصہ خواں کی رات مجھے کیا خوش آئی بات

آنے کی تیرے کہہ کے مرا دل تو خوش کیا
قاصد نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات

آگے کسی کے بات نہ کہیے کہ ہے مثل
ہو جاتی ہے نکلتے ہی منہ سے پرائی بات

آہ و فغاں سنے ہے مری آکے در پہ روز
پر اپنے منہ کی اُس نے نہ ہم کو سنائی بات

مانگا جو میں نے بوسہ تو آنکھیں جھکا[1] دیاں
اس ڈھب مری زمین پہ اُس نے گرائی بات

وہ مجھ سے ان دنوں میں جو کچھ بولتا نہیں
شاید کسی نے جاکے اُسے کچھ لگائی بات

نزدیک[2] اس کے وقتِ جفا و ستم گری
خنجر زنی ہے حرف تو تیغ آزمائی بات

رتبے کو میرے پہنچے ہے کب کوئی مصحفی
روح القدس کہے ہے مجھے سنیو بھائی بات

---

۱ - جھکائیاں : ح -
۲ - یہ شعر نسخۂ ل و ح میں نہیں -

۱۱۲

خدا نے حور و پری کو کب ایسی دی صورت
تری سی ہائے کہاں حور اور پری صورت
ہے جس کے شور ملاحت کا لیلی اک شمہ
سمائی ہے مرے دل میں وہ سانوری صورت
عجب بلاتے ہو تم مجھ کو کب گوارا ہے
کہ صبح آکے میں دیکھوں ملی دلی صورت
زمانہ خط کا ہے اب وہ بہار[1] ناز کہاں
کسی زمانے میں اُس گل کی یارو تھی صورت
وہ مجھ کو دیکھے ہے، میں اس کو دیکھا کرتا ہوں
ہے میرے اُس کے یہ اب اختلاط کی صورت
سجا نہیں یہ میاں تم نے سر پہ اک پیچا
پکڑ کے آئی ہے طرز ستم گری صورت
تری تو بزم میں ہے ازدحام خلق بھلا
کہاں تلک کوئی دیکھے بری بھلی صورت
ہماری بے خبری کا ہے اور عالم لیک
اس آئنے کی بھی رکھتی ہے رفتگی صورت
وہ دن بھی کیا تھے کہ جا کرکے دیکھ آتا تھا
میں اپنی آنکھوں سے اُس کی کبھی کبھی صورت
کرے ہے عشق کا دعویٰ میاں اسی منھ سے
ٹک آرسی میں تو دیکھ اپنی مصحفی صورت

۱- بہار یار : ج -

۱۱۳

منعم تو ہو رہا ہے گرفتار سنگ و خشت
کعبے کو جائے کیونکہ یہ معمار سنگ و خشت

میرے جنوں کے عہد میں لڑکوں کے ہاتھ سے
ثابت رہا زمیں پہ نہ آثار سنگ و خشت

دلّی سے پختہ محلوں کے وارث کدھر گئے
اب تک ڈھئے پڑے ہیں جو دیوار سنگ و خشت

لعل و گہر کی قدر کو کیا جانتے ہیں وہ
بھر عمر جو رہے ہیں خریدار سنگ و خشت

لڑکوں کی خالی اب نظر آتی ہیں جھولیاں
بس ہم تلک تھی گرمی بازار سنگ و خشت

سنگی¹ عبث بتاتے ہو زاہد کی قبر کو
یارو کب اس گدھے سے اٹھا بار سنگ و خشت

شور جنوں یہی ہے تو دیکھو گے شہر میں
لڑکے پھریں گے ڈھونڈتے انبار سنگ و خشت

جو دیکھتا ہے سینۂ مجروح کو مرے
کہتا ہے، ہے یہ سینہ تو افگار سنگ و خشت

رکھ اک غزل کی اور بنا، گو کہ **مصحفی**
ہے دامن اس زمیں کا تہ بار سنگ و خشت

۱۱۴

ہرگز کھلا نہ شیخ پہ اسرار سنگ و خشت
کعبے میں وہ رہا پس دیوار سنگ و خشت

---

۱ - ہکی : ج -

پھڑیاں[1] نہ پتھروں کی پزاووں[2] کے ہیں نہ ڈھیر
کچھ ان دنوں تو سرد ہے بازارِ سنگ و خشت
پکی عمارتوں کا جنھیں شوق تھا کبھی
اب وہ دبے پڑے ہیں تہِ بارِ سنگ و خشت
رستے کے بیچ پھینکیں ہیں بھر بھر کے مشت خاک
طفلانِ شہر مجھ کو سمجھ عارِ سنگ و خشت
سختی سے اب زمانے کی پتھر تلے ہے ہاتھ
ان کا ، جو تھے ہمیشہ خریدارِ سنگ و خشت
جاوے کدھر نکل کے کہ طفلاں جے(کذا) نے آج
مجنوں کو کر رکھا ہے گرفتارِ سنگ و خشت
دلی کی وہ عمارتیں آتی ہیں جب کہ یاد
مرتے ہیں ہم بہ حسرتِ دیوارِ سنگ و خشت
محلوں کی واں کے کیا میں کہوں خوبصورتی
دیکھا نہ اس طرح کا کہیں کارِ سنگ و خشت
شورِ جنوں نہ اس سے گیا ہائے **مصحفی**
یہ سر رہا ہمیشہ طلب گارِ سنگ و خشت

۱۱۵

خواب میں آئے ہے جب اس کے میاں آدھی رات
سوتے سوتے میں کر اٹھتا ہوں[3] فغاں آدھی رات

---

۱ - پھڑی : (ہ) مؤنث ، پتھروں کا ڈھیر -
(نوراللغات ، ج ۲ ، صفحہ ۱۴۷)
۲ - پزاوہ : (فً) بھٹا ، جس میں مٹی کے برتن ، اینٹیں وغیرہ پکاتے ہیں - (نوراللغات ، ج ۲ ، صفحہ ۹۳) -
۳ - ہے ؟ - فائق

مانگ کی راہ میں ششدر سا کھڑا ہوں کب کا
نابلد ہوں میں بھلا جاؤں کہاں آدھی رات

ہے مسِ نیم شبی چہرۂ نورانیِ یار
اور وہ زلفوں سے ہووے[1] ہے عیاں آدھی رات

ہیں جو آگاہ دل ان لوگوں کی سوتے سوتے
آنکھ کھل جاتی ہے بجتی[2] ہے جہاں آدھی رات

وہی سمجھے گا تری مانگ کا جلوہ جس نے
شبِ مہتاب کا دیکھا ہو سماں آدھی رات

ہاتھ جب زلف و رخِ یار پہ جانا سیکھا
پھر برابر ہے بہار اور خزاں آدھی رات

مصحفی تھا دلِ بیمار کا احوال بتر
دے[3] کے خط میں کیا قاصد کو رواں آدھی رات

۱۱۶

اے زبان تیشہ کہہ کچھ کوہ کن کی سرگزشت
یعنی آخر کیا ہوئی اُس بے وطن کی سرگزشت

سر سے اک شعلہ لگا ایسا کہ ساری جل گئی
کچھ نہ پوچھو ہم سے شمع انجمن کی سرگزشت

طشت آتش تھا لگن اک اور بگولا تھی وہ رات
شمع کا قصہ کہوں میں یا لگن کی سرگزشت

سر پھنسایا جا انھوں نے دام میں صیاد کے
یہ ہوئی آخر کو مرغانِ چمن کی سرگزشت

---

۱ - ہوتی ہے : ح -
۲ - آدھی رات : رات کے بارہ بجے کا وقت - آدھی رات بجنا ، یعنی رات کے بارہ بجے کی نوبت - (فائق)
۳ - دے کے میں خط کیا : ح -

مصحفی کہتے ہیں راہِ عشق میں مارا پڑا
کون جانے کیا ہوئی اس بے وطن کی سر گزشت

۱۱۷

میانِ عالمِ ہستی اگر ہے سجدہ درست
تو پائے خم ہی پہ یاں پُرشتر ہے سجدہ درست
شہیدِ طرزِ جفا دیر و کعبہ کیا جانے
جھکے وہ تیغ جدھر کو اُدھر ہے سجدہ درست
کہے ہے شیشہ[1] مے یوں ہر اک سے مجلس میں
کہ اہلِ درد کو با چشمِ تر ہے سجدہ درست
گرا جو پاؤں پہ قاتل کے کٹ کے سر میرا
کہا یہ اس نے اس انداز پر ہے سجدہ درست
جو بے بصر ہوں اُدھر رو نہ کیجیے لیکن
بر آستانۂ اہلِ نظر ہے سجدہ درست
وہ آفتاب جو آوے نکل تو اس کے حضور
خود آفتاب کو وقتِ سحر ہے سجدہ درست
گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ
یہ **مصحفی** سے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست

۱۱۸

گلی میں اس کی نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست
قدم قدم ہمیں واں خاک پر ہے سجدہ درست
جہاں کہ ہو ترے ابرو کی شکل پر محراب
وہاں بہ چشمِ تر اہلِ نظر ہے سجدہ درست

---

۱ - یہ شعر نسخۂ ل میں نہیں ۔

نماز عشق میں ہرگز نہیں تعین وقت
فراغ ہووے تو آٹھوں پہر ہے سجدہ درست
قبول عجز کو خلوت کی کچھ نہیں حاجت
حرم میں بھی پس دیوار و در ہے سجدہ درست
ہر ایک چشم کو مانند مہر بادامی
ہمارے[۱] نامے پر اے نامہ بر ! ہے سجدہ درست
صراحی اپنی جو گردن اُدھر جھکاتی ہے
بہ طاق ابروے ساغر مگر ہے سجدہ درست
جب آستانہ[۲] دل پر سر نیاز رکھا
تو مصحفی تجھے کب در بدر ہے سجدہ درست

۱۱۹

تھی میرے ہاتھ ہی میں ، تمھاری کمر تو رات
کچھ[۳] تم میں ہم میں فرق نہ تھا اس قدر تو رات
آیا ہی تو نہ ورنہ ترے انتظار میں
تا وقت صبح باز رہا اپنا در تو رات
کیا کہیے اُس کے دست حنائی کی یاد میں
پلکوں پہ آ رہا تھا ہمارا جگر تو رات
آیا تھا بے حواس وہ سر کھولے بام پر
نالے نے میرے اتنا[۴] کیا تھا اثر تو رات

---

۱ - ہمارے نامہ اعمال پر ہے سجدہ درست : ح -
۲ - آشیانہ : ح -
۳ - کچھ مجھ میں تم میں : ل ، ح -
۴ - اپنا : ح -

ہرجائی میرے ! یہ بھی کوئی اختلاط تھا
میں تیری جستجو میں پھرا در بدر تو رات
دامن میں کیوں کہ اشک مسلسل[1] نہ اب رہے
پلکوں کے ہاتھ میں تھی یہ سلک گہر تو رات
لیتا تھا بے خبر ترے بوسے میں دم بہ دم
اس بات کی تجھے بھی نہ تھی کچھ خبر تو رات
گر شانہ چیر کر نہ چھڑاوے تو قہر تھا
باہم لپٹ گئی تھی وہ زلف و کمر تو رات
انگڑائیاں نہ لے کہیں اب اٹھ کے گھر کو چل
سنتا ہے مصحفی تو بجی دوپہر تو رات

۱۲۰

ہائے[2] اُس کے وہ ننھے ننھے ہات
ہائے[3] وہ اس کی گوری گوری گات
شربتِ وصل جس کو کہتے ہیں
حق میں عاشق کے ہے وہ آبِ حیات
تو تو کیا جانے ہے کسی پہ مری
شمع روتی ہے[4] ساری ساری رات
ہے تجھی تک یہ اشک و آہ اے عشق !
ساتھ دولھا کے جس طرح ہو برات

---

۱ - اب آ رہے : ح -
۲ ، ۳ - ہائے وہ اس کی : ل ، ح -
۴ - شمع روتی رہے ہے ساری رات : ح -

بس کہ اس قافلے میں ہے شر و شور
نہیں[1] سنتا کوئی کسی کی بات
ہے اجل یوں کمیں میں انساں کی
موش پر گربہ جوں لگائے گھات

ق

قطب[2] صاحب نی اب کی چھڑیوں میں
امنڈ آیا[3] ہے جو سبھی میوات
چھاتیاں دیکھ سادہ وضعوں کی
دلی کے نوجواں ملیں ہیں ہات
پردگی[4] ہے کوئی تو اس میں بھی
ہے کھنچی یہ جو آسماں کی قنات
یہ تمام اہتمام ہیں اس کے
دن کہاں کے میاں کہاں کی رات
مجھے وہ ماہ خانگی نہ ملا
گئی اب کے بھی یوں ہی بارہ[5] وفات
مصحفی اپنی نا امیدی پر
ہاتھ مل کر کہوں نہ کیوں ہیہات

---

۱ - نہیں سنتا ہے کوئی : ح -
۲ - قطب الدین بختیار کاکی ، مدفن مہر ولی ، دہلی -
۳ - آئے : ح -
۴ - پردگی : پردہ دار عورت -
۵ - بارہ ربیع الاول -

۱۲۱

رخسار پر ہے زلفِ پریشان کی اوقات
بازاری تو رکھتے[1] ہی ہیں دوکان کی اوقات

کیا یار پریکھا ہے برے اور بھلے کا
ہر طرح گزر جاتی ہے انسان کی اوقات

محتاج نہیں غیر کا صدقے سے جنوں کے
ہاتھ اپنے ہی ہے اپنے گریباں کی اوقات

گر خونِ جگر ہو نہ تو کیا خاک پیے وہ
ہے خونِ جگر پر ترے پیکاں کی اوقات

کیا سمجھے ہے وہ یاروں کی صحبت کے مزے کو
غیروں میں کٹی اس بتِ ناداں کی اوقات

ہے خانہ نشیں مصحفی افلاس کے مارے
کیا پوچھو ہو اس بے سر و ساماں کی اوقات

ردیف ٹ

۱۲۲

لے کے دل زلف میں رکھا ہے لپیٹ
یاد ہیں اس کو کیا لپیٹ سپیٹ

ہے جہاں طرفہ خواب گہ جس میں
یار کیا کیا رہے ہیں آ کر لیٹ

کیوں کہ اٹکے[2] یہ اس سے ناف کی آنکھ
صاف ہے اس قدر ہی اس کا پیٹ

---

۱ - کہتے : ل ، ح -
۲ - اکسے : ح -

کیا رہا اب کہ اُس گلی سے صبا
لے گئی میری خاک کو بھی سمیٹ
مصحفی دور ہے فرنگیوں کا
کام ایسا نہ کر کہ کھاوے کیٹ[1]

۱۲۳

آنی ہے یہ کچھ آہ کے صدمے سے دل پہ چوٹ
جوں صید تیر خوردہ کہ ہو جاے لوٹ پوٹ
خوبی جواب دینے کی تم[2] اُس کے دیکھیو
گر میں پکارتا ہوں تو کہتا ہے مجھ کو پھوٹ
کھاتا ہے چرخ شعلۂ جوّالہ رات دن
ٹوپی کے گرد اس نے لگائی ہے جب[3] سے گوٹ
ہیں[4] اس گلی میں حسن کے تودے لگے ہوے
خورشید و ماہ لے لے گئے باندھ باندھ پوٹ
کہتا تھا میں کہ دل تو نہ دے اس کو **مصحفی**
لے کر مُکر ہی جائے گا وہ شوخ ہے للوٹ[5]

ردیف ث

۱۲۴

جیسے کسی چیز پر ہوتی ہے طفلاں میں بحث
تیرے لیے شب رہی میرے دل و جاں میں بحث

---

۱ - کھیٹ : ل ، ح - کیت : (ھ) مذکر - دم دار ستارہ ، مجرم کو مارنے کا تازیانہ - (نوراللغات ، ج ۳ ، صفحہ ۹۲۴) -
۲ - تو : ح -
۳ - چھٹ :
۴ - تھے : ح -
۵ - لیلوٹ : ح -

زلف و رخ اپنا کہیں اس نے دکھایا تھا ٹک
آج تک ہوتی ہے جو گبر و مسلماں میں بحث
وعدہ تری تیغ کا ، کیا کسی گردن سے ہے ؟
کرتے ہیں زندانیاں آج جو زنداں میں بحث
کاٹ کا دعویٰ اسے شور کا لاف[1] اُس کو تھا
اس ہی[2] سخن پر رہی تیغ و نمکداں میں بحث
کوہ ہے تمکیں کے ساتھ اور ہے دل اس کا وسیع[3]
ہوتی نہیں اس لیے کوہ و بیاباں[4] میں بحث
مکتب اطفال ہے مجمع[5] مرے دیوان کا
رہتی ہے یاں روز و شب دست و گریباں میں بحث
دل سے اور اس چشم سے لاگ ہے اک طور کی
ہوتی ہے کیا لطف سے[6] دونوں سخنداں میں بحث
کلبۂ شوریدگاں شور سے معمور ہے
کرتے ہیں لڑکے مدام جیسے دبستاں میں بحث
دعویٔ شعر اس قدر بس[7] ہے یہ اے مصحفی !
بیٹھ کے تو نے نہ کی مجلسِ یاراں میں بحث

---

۱ - لاف : (ف) شیخی ڈینگ -
۲ - اس سے ہی تھی پڑ رہی : ح -
۳ - تیغ : ح -
۴ - دنیا (؟) : ح -
۵ - ''مجمع مرے دیوان کا'' اصل متن میں ساقط الوزن ہے ''مجمع ہے'' سے مصرع موزوں ہو جاتا ہے - فائق
۶ - ان دو : ح -
۷ - بس بھی اے مصحفی : ح -

۱۲۵

یار ملتا ہے کوئی ، یہ آہ و زاری ہے عبث
اے دل[1] اپنی ! بے کلی اور بے قراری ہے عبث
دن میں جو سو سو کرے یار اور پھرے اک اک کے گھر
سچ اگر پوچھے کوئی ایسے سے یاری ہے عبث
رام ہوتا ہے کوئی معشوق ہرجائی دلا
بے قراری ، بے خودی ، بے اختیاری ہے عبث
کوئی اس مجلس میں ہرگز دادِ غم دیتا نہیں
شمع سے کہہ دو کہ تیری اشکباری ہے عبث
غنچہ ایدھر مسکراتا ہے ، آدھر ہنستا ہے گل
اس چمن میں گریۂ ابر بہاری ہے عبث
یہ نہیں وہ شب کہ جس کی صبح ہووے گی طلوع
دم شماری کر دلا ، اختر شماری ہے عبث
وعدہ کر کے مصحفی کس دن وہ آیا تیرے پاس
تجھ کو[2] اس پیماں شکن کی یادگاری ہے عبث

ردیف ج

۱۲۶

تا بہ فلک تو گئی اشک کے طوفاں کی موج
دیکھ جسے رہ گئی راہ میں عماں کی موج
حسن کا دریا ترے آوے ہے جب زور پر
رو بہ ہوا جائے ہے زلفِ پریشاں کی موج

---

۱ - انی : ح -
۲ - تجھ کو اس پیماں گسل کی انتظاری ہے عبث : ح -

کیوں کہ بیاباں سے قیس آوے طرف شہر کی
پاؤں کی زنجیر ہے ریگِ بیاباں کی موج
اب تئیں کھاتی ہے وہ رشک سے اک پیچ و تاب
برق نے دیکھی تھی ٹک اس زہِ داماں کی موج
دیکھ اسے کیوں نہ میں چاک گریباں کروں
صورتِ آغوش ہو جس کے گریباں کی موج
چشمۂ حیواں ذقن اور ہے جو غبغب کا طوق
اس کے تئیں جان تو چشمۂ حیواں کی موج
لکّے شفق کے نہیں چرخ پہ یہ **مصحفی**
امڈی ہوئی جائے ہے خونِ شہیداں کی موج

۱۲۷

نہ تو اس شہر میں دوا کا رواج
اور نہ ہو ہم سے دردِ دل کا علاج
کس کو بھاتا نہیں ہے اپنا جگر
گل ہے ہر شاخِ گل کے سر کا تاج
گر ہمیں اتنی دسترس ہوتی
نذرا زلفوں کی کرتے شانۂ عاج[۲]
مفلسی اک تو تس پہ بیاری
یہ مثل ہے وہی کہ کوڑھ میں کھاج[۳]

---

۱ - نذرائے زلف کرتے : ح -
۲ - عاج : (ع) ہاتھی دانت -
۳ - کھاج : (ہ) خارش -

نالہ جاتا ہے تا بہ عرشِ بریں
ہے شبِ ہجر آسے' شبِ معراج
کام کیا مجھ کو شور بلبل سے
میں ہوں اک طوطئی نفیس سزاج
مصحفی گلستان گیتی میں
ڈھونڈھ لاوے کوئی تو مجھ سا آج

۱۲۸

یوں ہوا معلوم ہم کو دل کی بے تابی سے آج
نیند آنے کی نہیں تا صبح بدخوابی سے آج
کیا وہ ماہِ چاردہ آیا ہے پشتِ بام پر
لگ رہی ہے چشمِ مہ جو اس کی مہتابی[۲] سے آج
سرخیِ پاں کا لکھوٹا لب پہ کس دن تھا کبھو
نکلے ہے کچھ اور بو اس رنگِ عنابی سے آج
کل نہیں رہنے کا یہ عالم ترا اے ماہ رو[۳] !
رو کشی کر لے تو اس ابروے محرابی سے آج
کب سے مصرِ عشق میں قحطِ متاعِ وصل ہے
شکوہ ہم کرتے نہیں کچھ اس کی نایابی سے آج
یا تو[۴] دریا بہہ رہے تھے یاں یہ کل کی بات ہے
یا اڑے ہے خاک ان آنکھوں میں بےآبی سے آج

---

۱ - بھی : ح -
۲ - مہتابی : کٹھہرے دار بڑا اونچا چبوترا ، وہ مکان جو کوٹھے کے زینے پر بناتے ہیں - (نوراللغات، ج ۴ ، صفحہ ۵۵۰)-
۳ - ماہ نو : ح -
۴ - یا تو ندیاں بہہ رہی تھیں : ل ، ح -

کوزۂ دولاب ہے ہر اشک اپنا **مصحفی**
ہم کو یہ خدمت ملی ہے چرخِ دولابی سے آج

۱۲۹

عیسیٰ سے کیوں کہ ہو دلِ بیمار کا علاج
مشکل بہت ہے عشق کے آزار کا علاج
جوں شانہ جس نے ہاتھ لگایا ہو زلف کو
ہے تازیانہ ایسے گنہگار کا علاج
آ کر اجل نے موند دی آنکھ اپنی سہج میں
کیا ہو گیا ہے حسرتِ دیدار کا علاج
ناسور سینہ بند کرے آ دلا کوئی
عاشق کے تب ہو دیدۂ خوں بار کا علاج
پر باندھ کر قفس میں جو صیاد نے رکھا
اچھا کیا یہ[1] مرغِ گرفتار کا علاج
موئے سپید پر بھی یہ اتنی بری نہیں
نرگس کرے جو زردیِ رخسار کا علاج
جاتا ہے کیسہ پُر کوئی دیری[2] طبیب کے
لیتا ہے کم بغل[3] کوئی عطار کا علاج
اپنی شفا تو ہاتھ ہے اب اس کے **مصحفی**
کرتا ہے مفلسی میں جو نادار کا علاج

---

۱ - نہ : ح -
۲ - دیری : عو - مؤنث - دیر ، وقفہ (نوراللغات ، جلد دوم ، صفحہ ۸۲۶ طبع کراچی) -
۳ - کم بغل : مفلس و نادار - بہار عجم، جلد دوم، صفحہ ۳۱۲) -

۱۳۰

نکلا ہے سرخ پوش ہو وہ نوجوان[1] آج
آتش میں پھنک رہا ہے زمین آسمان آج

میں اس قدِ خمیدہ سے ماروں گا خصم کو
برسوں میں میرے ہاتھ لگی ہے کمان آج

کیا میکدے سے آتے ہو تم کچھ نشہ پیے
کتنی بہک رہی ہے تمھاری زبان آج

ہم تم بھی اس شب آؤ نا مل بیٹھیں دو گھڑی
خورشید و ماہ کا ہے فلک پر قران[2] آج

اے گل ! وہ عندلیب کہ یاں نغمہ سنج تھا
کنجِ قفس میں کہتے ہیں دی اس نے جان آج

ق

وے دن گئے کہ دبدبۂ خسروی تھا یاں[3]
سونے پڑے ہیں دیکھ تو کیا کیا مکان آج

جن کے جلو میں چلتے تھے لاکھوں نشان و بان
دیکھو تو کچھ زمیں پہ ہے ان کا نشان آج

جا کر گلی میں اس کی پھر آئے بصد غرور
طاقت کا اپنی ہم نے کیا امتحان آج

---

۱ - جوان : ح -
۲ - قران : (ع) لگن ، گرہ ، دو ستاروں کا ایک برج میں جمع ہونا - علم نجوم کے مطابق قران مہ و خورشید منحوس ہے - لیکن شعرا اس کا لحاظ نہیں کرتے - دو ممدوح جلیل القدر کے ایک جگہ جمع ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں -
(نوراللغات ، ج ۳ ، صفحہ ۶۳۱ ؛ طبع کراچی - غیاث اللغات ، صفحہ ۳۳۸ ، مطبع گلاب سنگھ لکھنؤ ۱۹۰۰ع)
۳ - واں : ل -

کہتے تھے **مصحفی** جسے ہم ، اس کی راہ میں
بسمل ہوا پڑا تھا وہی نوجوان آج

۱۳۱

خسرووں کے سر سے کب جاوے ہواے تخت و تاج
یاں سلیماں تک میں پایا مبتلاے تخت و تاج

دل شکستہ کر نہ عاشق کا کہ شہرِ عشق میں
قیمت اک دل کی نہیں ہوتی بہاے تخت و تاج

تاج جس کا ہووے سر اور تخت ہو نعلین پا
کیوں نہ ہم ایسے کے پھر ہوویں فداے تخت و تاج

کیجیے کاہے کو پھر اس جاہِ دنیا کا غرور
خاک میں ملنا ہی جب ہو مدعاے تخت و تاج

صفحہٗ کاغذ پہ رزمیہ سے ہرگز کم نہیں
بسکہ رنگیں ماجرا ہے ماجراے تخت و تاج

شاہنامے[1] کو ذرا تو دیکھ تو اے مردِ ہوش !
ہے لکھا کچھ اور ہی اس میں وراے تخت و تاج

ق

خاک اس[2] امی خلافت[3] پر کہ جس میں خلق نے
ذلتیں کیا کیا اٹھائی ہیں براے تخت و تاج

---

۱ - شاہنامہٗ (فردوسی) -
۲ - اس میں ؟ : ح -
۳ - اس شعر اور بعد کے اشعار سے **مصحفی** کے عقیدے کا اظہار ہوتا ہے - فائق

سلطنت غصبی ہے شاہانِ جہاں کی سر بسر
فی الحقیقت میں نہیں کچھ یہ سزائے تخت و تاج
حضرتِ مہدی[ع] اگر ہوتے تو ہاں اے مصحفی!
حضرتِ مہدی[ع] کے میں جاتا فدائے تخت و تاج

ردیف چ
۱۳۲

کچھ ان دنوں ہے اور ہوا گلستاں کے بیچ
بلبل سے یہ[1] کہو کہ رہے آشیاں کے بیچ
صیاد نے قدم جو رکھا گلستاں کے بیچ
کیا کیا نہ مرغ سرد ہوئے آشیاں کے بیچ
اب ان مسافروں کا نشاں کس سے پوچھیے
جو خاک ہو کے مل گئے ریگِ رواں کے بیچ
کرتا نہیں جو رحم کہیں میرے حال پر
ہے کیا غضب ترے دلِ نامہرباں کے بیچ
مت پوچھ حال نزع میں ظالم میں کیا کہوں
اب طاقتِ سخن نہیں اپنی زباں کے بیچ
پھینکا کیا ہوں شب جو[2] میں آہوں کی برچھیاں
سوراخ پڑ گئے ہیں تمام آسماں کے بیچ
خورشید جا کے قوس میں خجلت سے چھپ گیا
وقتِ کشش منھ اس کا جو آیا کماں کے بیچ
صیاد سے کہو کہ اگر ہم اسیر ہوں
ہم کو چمن کا منھ نہ دکھاوے خزاں کے بیچ

---

۱ - پھر : ح -
۲ - کو : ح -

آتا ہے جی میں یوں کہ چلے جائیے کہیں
شہرِ بتاں سے مل کے کسی کارواں کے بیچ
تو گو کہ پاک صاف ہے لیکن میں کیا کروں
یاں سو مخاطرے ہیں دلِ بدگماں کے بیچ
اے مصحفی ! تو قصۂ عصمت کو پھر کے کہہ
اپنا تو جی لگا بہت اس داستاں کے بیچ

۱۳۳

ہم کو ناکامیِ طالع نے رکھا کام کے بیچ
عمر آخر ہوئی بس نامہ و پیغام کے بیچ
اب وہ ایام اسیری کے کہاں اے صیاد !
کہ گرفتار پھرے ہے قفس و دام کے بیچ
یہ[1] کوئی وقت تھا اے شور قیامت ! تو نے
کیا ستایا ہے ہمیں آن کے آرام کے بیچ
خون عشاق ہے کیوں مذہب خوباں میں حلال
دیت[2] اس خون کی شاید نہیں اسلام کے بیچ
ہم کو اس آئنۂ دل میں نظر آتی ہیں
وہی اشکال کہ جم دیکھ گیا جام کے بیچ
شب کہ تا صبح ہم آغوش مرا تھا وہ صنم
کشمکش زور رہی بوسہ و دشنام کے بیچ
مصحفی کم نظر آتا ہے مجھے ان روزوں
آ گیا ہو نہ کہیں گردشِ ایام کے بیچ

---

۱ - یہ بھی : ح -   ۲ - دیت : (ع) خوں بہا -

۱۳۴

ے گیا شوق قفس کو دلِ ناکام کے بیچ
وائے وہ مرغ کہ پھنستے ہی موا دام کے بیچ

کس نے بیدار کیا خوابِ عدم سے ہم کو
ہم تو سوتے تھے پڑے زور ہی آرام کے بیچ

سن کے بیمار، نہ پوچھا جو مجھے یاروں نے
وسم[1] عیادت کی نہ تھی کیا مگر اسلام کے بیچ

جو تری زلف میں عارض نے دیے ہیں جلوے
طرب انگیز بہار ایسی کہاں شام کے بیچ

تو بھی ہم یار کے قاصد سے لگے جاتے ہیں
گرچہ اک حرفِ مروت نہیں پیغام کے بیچ

آخری دور میں پہنچے تھے گئے ہم وہ چڑھا
تھا کوئی جرعہ جو یاروں سے بچا جام کے بیچ

مطمئن بس کہ نہیں میری طرف سے صیاد
کس کے رکھتا ہے قفس کو مرے نت دام کے بیچ

مصحفی فصلِ گل آئی ہے نہ رہ گھر میں میاں
جاتے ہیں لوگ بیاباں کو اس ایام کے بیچ

۱۳۵

جی جگر سب ہو گیا قاتل مرے لوہو کا خرچ
یہ تو بتلا، کیا ہوا اس خنجرِ ابرو کا خرچ

چشم و مژگاں میں مرے یکساں نہیں لوہو کا خرچ
یاں کٹورے چاہئیں اور واں ہے دو چلّو کا خرچ

---

۱ - نہ تھی کیا رسم عیادت : ح -

دم بدم پھول اور پھل ایدھر آدھر سے آئیں ہیں
بس کہ بزم لالہ رویاں میں ہے رنگ و بو کا خرچ

دیکھ تو قاتل ذرا تو بھی ترے مقتول پر
اور کس کس کے ہوا ہے دست اور بازو کا خرچ

مفلسی مجھ پر گزرتی تھی تو تھا اے چشم تر !
تیرے ہی ذمے مرے جامے کی شست و شو کا خرچ

کاجل اور سرمے کی فرمایش کے ہم پامال تھے
جن دنوں تھا اپنے سر آس نرگس جادو کا خرچ

مصحفی دیتے ہیں جو کچھ ہم کو یہ اہل دول
سچ اگر پوچھو تو ہے وہ تیل و تمباکو کا خرچ

ردیف ح

۱۳۶

ملتے ملتے ووں ہی ہو جاتا ہے بیگانے کی طرح
یاد ہے کافر کو کیا عاشق کے تڑپانے کی طرح

میرزائی کا یہ کیوں مرغ چمن دعویٰ کرے
آشیاں میں اس کے اک نکلے ہے خس خانے کی طرح

شوق تو دیکھو کہ شب پرزے گریباں کے مرے
شمع پر جا کر جلے یک مشت پروانے کی طرح

کھینچتے ہو ، تنتے ہو ، کستے ہو ہردم آپ کو
ہے، میاں یہ بھی کوئی آغوش میں آنے کی طرح

اک نہ اک ٹکڑا جگر کا آن رہتا ہے وہیں
نوک مژگاں پر مرے یاقوت کے دانے کی طرح

---

۱ - زور : ح -

میں تو ہوں دیوانہ شفّاقی کا اپنے اشک کی
کیا جھمکتا ہے پڑا الماس کے دانے کی طرح
ساقی دوراں کو یارب اس سے کیا منظور ہے
چرخ کو گردش میں کیوں رکھتا ہے پیمانے کی طرح
میں تو بندہ ہوں غرض اپنے دلِ صد چاک کا
رات دن زلفوں میں جھولا جھولے ہے شانے کی طرح
مصحفی تو نے تو پونہچے کو جلا ڈالا تمام
یہ بھی اے ناداں! کوئی ہوتی ہے گل کھانے کی طرح

۱۳۷

ہوتی ہے کیا ہی مرے صاحب حیا کی طرح
جاتے ہو دور دور جو ناآشنا کی طرح
آکر مسافروں نے ترے کُو میں یوں کہا
پاؤں کو پکڑے ہے یہ زمیں کربلا کی طرح
تقصیر کیا ہے میری کوئی پوچھتا نہیں
پیچھے پڑی ہیں کیوں تری زلفیں بلا کی طرح
رنگینیِ مزاج تو تم اس کی دیکھیو
ہاتھوں سے میرے خوں کو ملا ہے حنا کی طرح
صیاد کے شعور کا کشتہ ہوں میں کہ ہائے
باندھا ہے پر سے پر مرا بندِ قبا کی طرح
بلبل کو اس¹ کی آنس جو تھا مجھ سے بعد مرگ
ہر استخواں پہ بیٹھے ہے آکر ہما کی طرح

---

۱ - بس کہ : ح ۲

اے گل ! تو میرزائی پہ اپنی بہت نہ بھول
دیکھی نہیں ہے تو نے مرے میرزا کی طرح
گلچین روزگار سے فرصت اگر ملی
تو ہم چمن کی سیر کریں گے صبا کی طرح
روتا ہے زار زار جو بیٹھا تو **مصحفی**
کیا دل میں کھب گئی ہے کسی خوش ادا کی طرح

۱۳۸

تا چند کرتے خدمت گل باغباں کی طرح
ڈالی قفس میں ہم نے تو اب آشیاں کی طرح
سرو سہی کہا نہ اکڑ اتنا باغ میں
دیکھی نہیں ہے تو نے کسی نوجواں کی طرح
عاشق کو مارتے نہیں یوں جان سے میاں
گر امتحاں کریں ہیں تو اک امتحاں کی طرح
ممنون ہوں میں جی سے سگ کوے یار کا
نامے کو لے چلا ہے مرے استخواں کی طرح
تو بھی تو چشم غور سے ٹک دیکھیو نسیم
ہنسنے میں غنچے کے ہے سب اس کے دہاں کی طرح
سر کھینچتا ہے غرفہ و روزن سے عاقبت
حسن نہاں بھی قہر ہے عشق نہاں کی طرح
کبک دری نہ چال پہ بھول اپنی دور ہو
کب چل سکے گا تو مرے سرو رواں کی طرح
کس طرح کوئی روک رکھے اس کو کیا کرے
عمر رواں تو جاتی ہے آب رواں کی طرح

قبضے میں غیر کے وہ بر و دوش آ گیا
خمیازہ کھینچتے ہی رہے ہم کماں کی طرح

کیوں کر کہوں میں چین ہوا دل کو اب تلک
نالے وہی ہیں اور وہی آہ و فغاں کی طرح

وہ رشک ماہ جب سے ہماری نظر پڑا
دن رات ہم پھرا ہی کیے آسماں کی طرح

تم جا کے گھر میں غیر کے واں سو رہے میاں
آنکھوں میں رات کاٹی میں یاں پاسباں کی طرح

ترچھی نگہ میں کاٹ ہے شمشیر تیز کا
سیدھی نگاہ چبھتی ہے دل میں سناں کی طرح

عاشق کو قتل کرکے جو یہ پوچھتے نہیں
پوچھے کوئی بتاں سے کہ یہ ہے کہاں کی طرح

ناحق کو شور ہے یہ ترا تو تو عندلیب
بولی کبھی نہ مصحفیؔ[1] سے خوش زباں کی طرح

۱۳۹

رات کاٹی ہم نے تجھ بن جس طرح
دن نہ دشمن کا بھی کٹیو اس طرح

آتشِ شوریدہ ہے رنگِ کفک
لوں کفِ پا کا میں بوسہ کس طرح

داغِ دل شعلے سے غم کے مل گیا
ساتھ سونے کے ہو جیسے مس طرح

---

۱ - مصحفیِ خوش زباں : ح -

مصرعِ[1] قد سروِ سہی ہم وزن ہے
ساتھ ان آنکھوں کے ہے نرگس طرح
بخت کی برگشتگی سے پھر گیا
اس کو گھر لایا تو تھا جس تس طرح
مرتے مرتے تک نہ بولا مصحفی
جان دی آخر کو اس نے اس طرح

۱۲۰

سینے سے جلوہ گر ہے ترے ابتدائے صبح
گل کھائے ہے بیاضِ گلو پر صفائے صبح
اے ماہ! شستگی ترے برقعے کی دیکھ کر
نہہ کی سپید بافِ فلک نے ردائے صبح
ہم نے تو تیرے عہد میں ہاں اے شبِ فراق!
دیکھا نہ خواب میں بھی رخِ جاں فزائے صبح
کھل جائے آنکھ گر تری شب سے تو بے خبر
قابل[2] ہے سیر کے چمنِ دلکشائے صبح
جلتا ہوں میں کہ آکے ابھی کوئے یار سے
بھڑکا گئی ہے آتشِ دل کو ہوائے صبح
منھ دیکھ کر میں کس کا اٹھا تھا جو اب تلک
ہوتی نہیں قرینِ اجابت دعائے صبح

---

۱ - یہ مصرع ساقط الوزن ہے - یوں درست ہو سکتا ہے :
"مصرع قد ، سرو سے ہم وزن ہے -"
ورنہ اصل متن میں مصرع کی عین گرانے کے بعد بھی سلامت نہیں رہتی - (فائق)

۲ - قاتل (؟) : ح -

نے شام لگ سکے تری زلفوں کے حسن کو
نے آب و تاب صبح بنا گوش پائے صبح
ہستی سے درگزر جو تو چاہے ہے وصلِ دوست
جلوہ ہے آفتاب کا بعد از فنائے صبح
لطف جبیں سے تیرے خجل ہوگئی تھی کل
کس منہ سے تجھ کو آکے پھر اب منہ دکھائے صبح
ہم تو شبِ فراق سے مجبور ہو گئے
اس شب کو تو ہی صبح کر اب اے خدائے صبح!

ق

تقصیروار گو کہ تمہارا ہے **مصحفی**
پر وہ نہیں کہ بھولے یہ عہد وفائے صبح
پیارے شبِ وصال میں اس کو کرو نہ قتل
موقوف صبح پر ہی رکھو ماجرائے صبح

۱۲۱

گالیاں دیتے ہو تم مجھ کو مری جاں صریح
آپ کی بھی واہ وا[1] کیا ہی زباں ہے فصیح
زلف و رخ و یار[2] کا حسن بیاں کیا کروں
شام نہ اتنی ملیح، صبح نہ اتنی صبیح
عشق کے آزار کی، عشق کے بیمار کی
کر نہیں سکتا دوا عہد میں تیرے مسیح

---

۱ - واہ واہ : ح -
۲ - 'رخ و یار' اصل میں کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے -
رخِ یار ہونا چاہیے - (فائق)

گرچہ ملاحت ترے حسن کا' ہے دل فریب
حسن خطِ سبز ہے اور بھی اس سے ملیح
سقم و غلط کو نہیں دخل تیرے شعر میں
مصحفیؔ جو کچھ لکھا تو نے وہ سب ہے صحیح

ردیف خ

۱۴۲

اپنا تو مرغِ دل ہے گرفتارِ حسنِ شوخ
لگتا ہے اس کو خوش گل و گلزارِ حسنِ شوخ
اب تو فسردہ ہو گئے ہم ، آہ تھا کبھی
اپنا بھی عشق گرمیٔ بازارِ حسنِ شوخ
ہر ایک خوب‌رو میں نہ دیکھی یہ چال ڈھال
سچ ہے کہ اور ہوتی ہے رفتارِ حسنِ شوخ
چھپتے ہیں کوئی منہ کو چھپانے سے خوبرو
وضعوں سے جلوہ کرتے ہیں آثارِ حسنِ شوخ
عاشق جو چشمِ غور ذرا اس پہ وا کرے
نقشے ہزار رکھتے ہیں معمارِ حسنِ شوخ
موسیٰ ہی ہو تو سمجھے تجلی کے رمز کو
کھلتا ہے کب ہر ایک پہ اسرارِ حسنِ شوخ
کیا وہ بھی دن تھے آہ کہ ہم اس حجاب پر
جی ایچ کر ہوئے تھے خریدارِ حسنِ شوخ
لالے سے جلوہ گر ہے کہ فصلِ بہار میں
کرتی ہے مشتِ خاک بھی اظہارِ حسنِ شوخ

---

۱ - ح : ک -

آنکھیں اگرچہ اپنی وہ آنکھیں نہیں رہیں
ہے تو بھی ان‌کو خواہش دیدار حسن شوخ
رعنائیاں یہی ہیں تو ہرگز نہ جا سکے
آنکھوں سے میری حسرت دیدار حسن شوخ
صنعاں کا ذکر کیا ہے کہ صنعاں سے پیشتر
تھی دوش اصفیا یہی زنار حسن شوخ
لولی و شان ہند کے قائل ہیں **مصحفی**
ہم وے نہیں کہ ہم سے ہو انکار حسن شوخ

۱۴۳

اس مست کو ہوا ہے جو شوق شراب و سیخ
مژگاں سے لخت دل بھی رکھے ہے کباب و سیخ
روز[2] شکار اس کی سواری میں جا بہ جا
حاضر رہے ہے مجمرۂ آفتاب و سیخ
صید زبوں ہوں گرچہ ، یہ میرا قبول دیکھ
رکھے ہے لاگ مجھ سے بھی تیغ خوش آب و سیخ
اس مست کی گزک کے لیے خون جہندہ برق
یک‌جا کیا ہے میں دل پر اضطراب و سیخ
قربانیان تیغ محبت کو **مصحفی**
بیت الحرم میں چاہیے برق و سحاب و سیخ

۱۴۴

لباس پہنے ہے اکثر وہ شوخ پُر فن سرخ
کہ ہو نہ خون شہیداں سے اس کا دامن سرخ

---

۱ - نہ جائے گی : ح -   ۲ - بہر شکار : ح -

دلِ گداختہ پہلو سے یوں نظر آیا
کہ جیسے کوزۂ آتش میں ہووے آہن سرخ
لباسِ سرخ نے اُس کے یہ ان میں رنگ بھرا
کہ مجھ کو آئے نظر جالیوں کے روزن سرخ
مسی کا رنگ جو دیکھا ہے اس کے ہونٹوں پر
ہوا ہے مارے خجالت کے رنگِ سوسن سرخ
کبھی تو سیر کو چل تو بھی جانبِ صحرا
کہ جوشِ لالہ ستاں[۱] سے ہیں سارے گلشن سرخ
شہید گر نہیں رنگِ حنائے خوباں کا
رہے ہے خون سے کیوں مصحفی کا مدفن سرخ

۱۲۵

کچھ اپنی جو حرمت تجھے منظور ہو اے شیخ !
تو بحث نہ مےخواروں سے چل دور ہو اے شیخ!
مسجد میں ذرا وقتِ سحر دیکھ تو جاکر
شاید کوئی اس چشم کا مخمور ہو اے شیخ !
صد دانۂ تسبیح رکھے ہاتھ میں اپنے
چونکے تو، جو یک دانۂ انگور ہو اے شیخ!
تو مجھ[۲] سے کہے ایک ، میں سو تجھ کو سناؤں
اے کاش کہ اتنا مجھے مقدور ہو اے شیخ !
آتا ہے وہ بدمست لیے ہاتھ میں شمشیر
مجلس سے شتابی کہیں کافور ہو اے شیخ !

---

۱ - ستاں بہ بشت خوابیدہ — و محل کثرت و انبوہے چوں سنبلستاں،
[بہار عجم ، جلد دوم ، صفحہ ۸۶] مطبع نول کشور ستمبر ۱۸۲۹ع -
۲ - مجھ کو : ح -

کرتا ہے ہمیں منع تو پیمانہ کشی سے
پیمانہ تری عمر کا معمور ہو اے شیخ !
البتہ کرے منع ہمیں عشقِ بتاں سے
تجھ سا جو کوئی عقل سے معذور ہو اے شیخ !
پھر دم ہے وہ شعلہ جو ہوا حد سے زیادہ
رکھ شملہ وہ' شملے کا جو دستور ہو اے شیخ !
ہر حرف میں سختی ہے ترے سنگِ جفا سے
ڈرتا ہوں نہ یہ شیشہٗ دل چور ہو اے شیخ !
کیا حور کی باتوں پہ لبھاوے ہے تو مجھ کو
حاشا کہ مجھے آرزوے حور ہو اے شیخ !
شیخی میں تو سنتا ہی نہیں بات کسی کی
اس داڑھی پر اتنا بھی نہ مغرور ہو اے شیخ !
کیوں **مصحفی** کو اتنی تو کرتا ہے نصیحت
سر چڑھ نہ بہت اس کے جو مجبور ہو اے شیخ ؟

ردیف د

۱۴٦

کس کے یاد آئے تجھے دستِ نگاریں فرہاد
جو ہُوا تیشہ ترا خون سے رنگیں فرہاد
تو سزاوار نہ تھا اس کا عبث تو نے کیا
دعویٔ عشق بایں عزت و تمکیں فرہاد
ایک دن خواب میں آئی نہ ترے شیریں ہاے
نہ ہوئی شاد تری خاطرِ غمگیں فرہاد

---

۱ - تو: ح -

تو سمجھ سختیِ بیداریِ شب کو میری
کیوں کہ خارا ہے ترا بستر و بالیں فرہاد

سن کے شیریں نے سر اپنے کو وہیں پیٹ لیا
جب سنا یہ کہ موا کوہ میں مسکیں فرہاد

کیا تصور کی قلم قابلِ تحریر نہ تھی
دل پہ کیوں نقش نہ کی صورتِ شیریں فرہاد

گر سنے تو تو دمِ تیشہ یہی کہتا ہے
اب کوئی دم کو تو پا جائے گا تسکیں فرہاد

قلمِ تیشہ٘ فولاد سے اس خارا پر
تونے کیا خوب لکھی صورتِ شیریں فرہاد

جو کوئی دیکھے ہے صنعت کو تری کہتا ہے
تجھ کو احسنت ترے کام کو تحسیں فرہاد

مصحفی تجھ کو یہ کہتا ہے نہ رہنا غافل
عشقِ شیریں ہے ترا دشمنِ دیریں فرہاد

۱۲۷

آئنے کو ہے ترے حسن کی خدمت شاید
شانہ رکھتا ہے خمِ زلف سے بیعت شاید

دل دیوانہ مرا آس[۱] کی گلی سے نہ پھرا
ان دنوں اس کے تئیں ہو گئی رجعت شاید

میں نے جانا جو کیا کم ، وہ لگا یوں کہنے
اس کو اب آنے کی ملتی نہیں فرصت شاید

بعضے کر بیٹھے ہیں دعوی جو شکیبائی کا
سہل سمجھا ہے انھوں نے غمِ فرقت شاید

---

۱ - اس کا : ح -

بوے یاس آتی ہے اس لالہ ستاں سے مجھ کو
یاں ہے مدفون کوئی کشتۂ حسرت[1] شاید

کر دیا آنکھ ملانا ہی بُتاں نے موقوف
اب جہاں میں نہ رہی رسمِ مروت شاید

تو جو اودھر ہی کو مائل ہے میاں کرتی ہے
آنکھ تیری طرف آئینے کی رغبت شاید

جرس نالۂ بلبل کی فغاں صبح سے ہے
باغ سے نکہتِ گل ہو گئی رخصت شاید

تم نے موقوف کیا ہم سے جو ملنا یک بار
ایک ہی بات کی ہوتی ہے محبت شاید

مصحفی کا کرو تم گورِ غریباں میں سراغ
اسی انبوہ میں ہو اس کی بھی تربت شاید

۱۲۸

ناوک سے نگہ کی ترے ہرگز نہ بچا صید
یاں ہوتے ہوے دیکھے ہیں عنقا و ہما صید

آہو تو ہیں کیا چیز کہ شیرانِ حرم کو
کرتی ہے کمندوں میں تری زلفِ رسا صید

سچ[2] ہے کہ ترے دام میں اے گیسوے پُر خم!
ہووے گا کوئی ہم سا گرفتارِ بلا صید

---

۱ - حیرت : ح -
۲ - ہاں سچ ہے ترے دام میں : ح -

آہو کہیں مارے کہیں صحرا کے چکارے[1]
کس کس کو تری زلف سیہ نے نہ کیا صید
جب زلف کو کھولا تو پھنسے جال میں آہی
جب آنکھ اٹھائی ہوئے مرغان ہوا صید
کچھ بحری و بری میں نہیں فرق اب اس کو
باقی ہے جسے کرتی ہے وہ زلف دوتا صید
اس طفل نے جب شوق کیا تیر و کماں کا
تب مرغ دل **مصحفی** خستہ ہوا صید

۱۴۹

کس طرح جھانکے کوئی واں کر کے اب گردن بلند
واں کی دیواریں بلند اور واں کے سب روزن بلند
اس کے کوچے سے نکالا جب مجھے ، دیکھا کیے
منظروں سے دور تک سر کر کے مرد و زن بلند
پست فطرت پا سکے کب اس کے معنی کے تئیں
مطلع ابرو ترا ہے اے بت پُرفن ! بلند
مجھ[2] دوانے کی خبر ان کو نہیں ورنہ ابھی
کرتے دیوار چمن سے سر گل سوسن بلند
چھوڑ کر سینے کو میرے سر پہ وہ آ کر پڑا
ہاتھ اپنا جب کیا میں نے گہ شیون بلند
اس تلک میری رسائی کس طرح ہو **مصحفی**
دست کوتہ اپنا اور آس شوخ کا دامن بلند

---

۱ - چکارا : (ہ) مذکر - ۱ : ایک قسم کا چھوٹا نہایت چالاک اور نازک صحرائی ہرن - (نوراللغات ، ج ۲ ، صفحہ ۵۲۲) -
۲ - تجھ کو آتے اس نے دیکھا ہی نہیں ورنہ ابھی : ح -

ردیف ذ

۱۵۰

ہم نے خط لکھنے کو جب اس کے اٹھایا کاغذ
لکھتے ہی ہاتھ میں پھر ہم[1] نے نہ پایا کاغذ
بس کہ اس طفل کو تھا شوق کبوتر بازی
کر کے پرزے مرے نامے کو[2] اڑایا کاغذ
درجواب اس نے یہ لکھا کہ بھلا سمجھوں گا
لکھ کے میں نے جو کبھی اس کو بھجایا کاغذ
نامہ قاصد کو دیا ہم سے بھی[3] یہ چوک ہوئی
اس کی دیوار پہ لکھ کے نہ لگایا کاغذ
دل جلے کیوں کہ نہ میرا کہ غضب کے مارے
آگے قاصد کے مرا اس نے جلایا کاغذ
ہم تو لکھتے ہی رہے پُرزوں پہ دل کے غمِ دل
ہم نے بازار سے کس روز منگایا کاغذ

ق

دیکھ قاصد کی طرف ہنس کے وہ کافر بولا
میں مکرر جو اسے لکھ کے بھجایا کاغذ
مصحفی نے تجھے بھیجا ہے نا، لا دیکھوں تو
اب کے شاید نئے مضمون کا لایا کاغذ

ردیف ر

۱۵۱

آیا جو وہ کل تیر و کماں ہاتھ میں لے کر
دوڑا میں نو اپنا نشاں ہاتھ میں لے کر

---

۱ - اپنے : ج -
۲ - کے : ج -
۳ - بھی : ج -

مہندی کی یہ رنگت نہیں ، کافر نے ملا ہے
خونِ دلِ خونیں جگراں ہاتھ میں لے کر
رہ جاؤں ہوں میں کیسی غریبی سے ذرا دیکھ
دامن ترا اے سرو رواں ! ہاتھ میں لے کر
ساق کی نزاکت پہ ہنسی آئے ہے مجھ کو
رکھ دے ہے وہ جب رطلِ گراں ہاتھ میں لے کر
یہ شیشہ نہیں وہ کہ گیا ہاتھ پھر آوے
پٹکو نہ مرے دل کو میاں ہاتھ میں لے کر
بھاتی یہ ادا مجھ کو ، جو کافر نے ادا سے
شب پھینک دیا بیڑۂ پاں ہاتھ میں لے کر
منہ دیکھنے لگتا ہوں میں جب دیکھیں ہیں مکھڑا
آئینے کو ہر لحظہ بتاں ہاتھ میں لے کر
کیا چوک ہوئی مجھ سے جو شب چھوڑ دیا میں
جوڑا ترا اے آفتِ جاں ! ہاتھ میں لے کر
اس رات اندھیری میں مجھے یہ تو بتا دے
جاتا ہے تو تلوار کہاں ہاتھ میں لے کر
یہ خاک غریباں[1] کی ہے تو یاں سے چلا کر
دامن کو ٹک اے سروِ رواں ! ہاتھ میں لے کر
اے مصحفی ! اُس شہر میں ہم نے کیا سودا
جاتے ہیں مگر دل کو جہاں ہاتھ میں لے کر

۱۵۲

= آتا ہے جی میں یوں کہ کسی گل کو تاڑ کر
جا بیٹھیے چمن میں گریباں کو پھاڑ کر

---

۱ - غریبوں : ح -

اس طفلِ بے شعور نے مانجھے کے واسطے
شیشے دلوں کے چور کیے توڑ تاڑ کر
کس کس کو یاد کیجے کہ اس خاکداں سے ہائے
کیا کیا نہ گل چلے گئے دامن کو جھاڑ کر
مشہور ہے کہ رستمِ دستانِ چرخ کو
سو بار ہم نے چھوڑ دیا ہے پچھاڑ کر
عالم کو لولیوں کے محرم میں دیکھیے
سنوریں ہیں کیا یہ حسن کے نقشے بگاڑ کر
آیا[1] جوں ہی چمن میں تو اس طفلِ شوخ نے
پودے گلوں کے پھینک دیے ہیں اکھاڑ کر
کہتے ہیں واں سے خون کا نالا بہے ہے ایک
آئے ہیں ہم جہاں ترے کشتے کو گاڑ کر
بادِ خزاں کا ہووے برا جس نے **مصحفی**
میدان کر دیا ہے چمن کر اجاڑ کر

۱۵۳

ہم کو ترساتے ہو تم کیوں یہ ادا دکھلا کر
منھ چھپایا نہ کرو بہرِ خدا دکھلا کر
شرطِ یاری یہی ہوتی ہے کہ بس پھر گئے آپ
چار دن مہر و محبت کا مزا دکھلا کر
حسن کہتا ہے اسے پردہ اٹھا دے، پر شرم
یوں سکھاتی ہے کہ لے منھ کو چھپا دکھلا کر

---

۱ - آیا ہے جب : ح -

دل کو ہاتھ اسکے جو بیچوں ہوں تو کہتے ہیں رقیب
لیجیو تم اسے بازار ذرا دکھلا کر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ چھپا لے منہ کو
اپنا دیدار ہمیں روزِ جزا دکھلا کر
چاک چاک اپنے گریباں کو کیا ہے میں نے
آسی دن سے کہ وہ ہاتھ اپنا گیا دکھلا کر
غنچۂ گل سے مرا غنچۂ دل نازک ہے
بیجیو تو اسے اے بادِ صبا ! دکھلا کر
آن کے ہاتھوں سے بھلا کیوں کہ کوئی بچ نکلے
لیویں جو دل کو لبھا رنگِ حنا دکھلا کر
لالہ سر کھینچے ہے خاکِ شہدا سے اب تک
تم چلے آئے تھے اک دن کفِ پا دکھلا کر
تیرے بیمار کو دے کر کے پشیمان ہوئے
لائے تھے وہ جو مسیحا سے دوا دکھلا کر
کیجو قاصد مرے پیارے سے جدائی کا گلہ
وقتِ فرصت مرے نامے کو جدا دکھلا کر
خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ وحشی مجھ کو
مصحفی میں اُسے حال اپنا چلا دکھلا کر

۱۵۲

ہم نے لٹا دیا ہے گھر بار تیری خاطر
بیٹھے ہیں ہم پہن کر زنّار تیری خاطر
جب صبح کو اٹھے[1] ہیں سوتے سے سن رہے[2] ہیں
ہم ہر کسی کی باتیں دوچار تیری خاطر

---
۱ - اٹھیں : ح - ۲ - رہیں : ح -

شاید کسی بہانے تُو اٹھ کے آوے ہم تک
راتوں کو ہم رہے[1] ہیں بیدار تیری خاطر
گر تُو نہ ہو تو پیارے کیا کام یاں ہمارا
آتے ہیں اس گلی میں ہر بار تیری خاطر
نازک مزاج تھے ہم ، پر کیا کریں کہ اب تو
سنتے ہیں ہر کسی کی ناچار تیری خاطر
اے حور جلوہ! سن لے ہم سے کہ ہم نے چھوڑا
حورِ بہشت کا بھی دیدار تیری خاطر
کیوں مصحفی جہاں میں رسوا ہوا ہے کہہ دوں
تیرے لیے ستم گر ، خوں خوار تیری خاطر

۱۵۵

نکلے ہے یہی دل کے مرے ساز سے باہر
وہ بات نہ کہیے جو ہو انداز سے باہر
ہرچند کہ حسن اس کے پہ ہیں سیکڑوں پردے
لیکن وہ نہیں چشم نظر باز سے باہر
جاتا ہوں گھر اُس کے تو وہ بے رحم مقرر
سن نام مرا نکلے ہے سو ناز سے باہر
ہر چند قفس میں ہوں پر اس پر بھی نہیں ہے
یہ سیرِ چمن تو مری پرواز سے باہر
دل چھیدے ہوئے نکلے ہے صاحب نظروں کا
نوکِ نظر اس نرگسِ غمّاز سے باہر

---

۱ - رہیں : ح

کیا اس کے سراپا کو بتاوے کوئی جوشی[1]
انجام سے ہووے الگ ، آغاز سے باہر
معشوق وہی ہے جو کسی بات میں ہرگز
ہووے نہ کبھی عاشقِ جاں باز سے باہر
اے مصحفی! رائض[2] ہوں میں میدانِ سخن کا
یہ عرض نہیں میری تگ و تاز سے باہر

۱۵٦

وہ دن گئے کہ تھا تو شیریں مقالیوں پر
تیری زباں کھلی ہے ان روزوں گالیوں پر
شب اک جھلک دکھا کر وہ مہ چلا گیا تھا
اب تک وہی سماں ہے غرفے کی جالیوں پر
اک بال سی کمر کے باندھیں گے لاکھ مضموں
آئی جو طبع اپنی نازک خیالیوں پر
سے پی کے اس چمن سے کون اٹھ گیا ہے جو ہے
انگڑائیوں کا عالم پھولوں کی ڈالیوں پر
لاکھوں مثال تیری نظروں میں جلوہ گر ہیں
تو کس قدر عیاں ہے ان بے مثالیوں پر
کہہ دو صبا سے کوئی جلدی انھیں کھلا دے
ہوتے ہیں خون ناحق غنچوں کی لالیوں پر
اے مصحفی! بتا تو کیا کچھ خوشی ہوئی ہے
ہے ان دنوں جو چہرہ تیرا بحالیوں پر

---

۱ - جوشی: ایک قسم کی برہمن کی قوم - (نوراللغات ، ج ۲ ، صفحہ ۳۵۲)
۲ - رائض: حرف سوم ہمزہ پر زیر اور ضاد معجمہ سے - جو شخص گھوڑوں کو سدھائے اور وہ چابک سوار ہوتا ہے -
(ترجمہ غیاث اللغات ، صفحہ ۱۹۰)

۱۵۷

دیکھیے کیا جی پہ گزرے ، نوبہار آئی ہے پھر
گل نے بعد اک سال کے شکل اپنی دکھلائی ہے پھر
رت بری ہے یہ ، خدا جانے مرا کیا حال ہو
اس ہوا میں یعنی مجھ کو ہیمِ رسوائی ہے پھر
جوش ماریں ہیں دلوں میں مرد و زن کے ولولے
چھوڑ گھر کو خلق بستانی و صحرائی ہے پھر
دمبدم بادِ صبا سے آئے ہے بٹنے[1] کی بو
غارتِ آرام و تاراجِ شکیبائی ہے پھر
مصحفی چل تو بھی صحرا کو کہ ظالم ان دنوں
سبزہ و گلزار کا عالم تماشائی ہے پھر

۱۵۸

سر پہ کل طرے کا گڑوا[2] رکھ کے لائی ہے بہار
ہم سے پھگوا[3] مانگنے اِس سال آئی ہے بہار

---

۱ - بٹنا : غازہ ۔ ابٹن یا ابٹنا ۔ (نوراللغات ، ج ۱ ، صفحہ ۲۲۵) -

۲ - گڑوا : پانی رکھنے کا برتن ، آب خورہ ، لوٹا ۔ سرسوں کے پھولوں کا گلدستہ جو بسنت کے دن آب خوروں میں رکھ کر امیروں اور دولت مندوں کے رو برو لے جاتے اور انعام پاتے ہیں - (نوراللغات ، ج ۴ ، صفحہ ۵۱) -

۳ - پھگوا : ہولی کا انعام - وہ گڑ کی بھیلی جو پھاگ (ہولی) کے انعام میں دی جائے ۔ (نوراللغات ، ج ۲ ، صفحہ ۱۴۹) -

کچھ بہا جو گیا جی کو تو بس ہوگیا بے خود
منہ اپنا میں رکھ کر تری تصویر کے منہ پر

مت چشمِ حقارت سے مرا زخمِ جگر دیکھ
بوسے دیے ہیں اس نے ترے تیر کے منہ پر

وہ تجھ کو نگل جائے گا اے شمع کے شعلے!
کہتا ہوں نہ چڑھ اتنا تو گل گیر کے منہ پر

گیرندہ تر اس سے ہے تری زلف کا حلقہ
ہم تو یہ کہیں حلقۂ زنجیر کے منہ پر

اے مصحفی! تو اور کہاں شعر کا دعویٰ
پھبتا ہے یہ اندازِ سخن میر کے منہ پر

۱۶۲

کیا ہی شیریں زبان ہے کافر
کیا ہی مصری کی جان ہے کافر

لاغری اُس کمر کی تو[1] دیکھو
کس قدر ناتوان ہے کافر

نازکی اُس بدن کی کیا کہیے
تو کہے دہان پان ہے کافر

تو تو کافر نہیں خدا کی قسم
تیری کافر زبان ہے کافر

دل مجھے چھوڑتا نہیں اک دم
کس قدر بدگمان ہے کافر

چین سے کیا زمیں پہ بیٹھیں ہم
سر پہ یہ آسمان ہے کافر

---

۱ - دیکھو تو : کہاں -

مصحفی پوچھ مت صنم کا حال
اب تو نا مہربان ہے کافر

۱۶۵

خنداں رہ کرم سے چلے آؤ میرے گھر
اک آدھ شب جو چاہو تو رہ جاؤ میرے گھر
باور تو جب کروں میں جو ملنے کی شیر کے
اپنی خوشی سے آ کے قسم کھاؤ میرے گھر
بیٹھے رہو خدا کی قسم کون وضع ہے
کیدھر چلے ہو ، دھوم نہ مچواؤ میرے گھر
یہ جانیو کہ آج ہے وعدہ کسی کے ساتھ
وحشت میں دوستو جو مجھے پاؤ میرے گھر
واشد ہر اک کے گھر میں مناسب نہیں تمہیں
زلفوں کے بال بیٹھ کے سلجھاؤ میرے گھر

ق

کہتا ہے مصحفی کہ بہ تقریب باز دید
اے دوستاں ! گر اب کے آسے لاؤ میرے گھر
یہ جام دوں کہ ہو کے وہ مستی میں بے حواس
گھبرا کے یوں کہے مجھے پہنچاؤ میرے گھر

۱۶۶

ہم تو سوئے نہ فراغت سے کبھی بستر پر
ہم نے سر اپنا رکھا بھی تو دم خنجر پر
دل سے کرتا ہوں میں یوں کسب حرارت دن رات
ہاتھ جاڑے میں رہیں جیسے سدا مجمر پر

میں تو کیا چیز ہوں لیکن ترے کوچے کے گدا
پشت پا مارتے ہیں حشمت اسکندر پر

حسن سادہ[1] کے جو عالم میں تماشائی ہیں
آنکھ پڑتی ہی نہیں آن کی زر و زیور پر

زخم سینے میں لگے ہیں مرے آس تیغ کے یوں
جیسے پرکار سے خط کھینچے کوئی مسطر پر

آن کا پابوس میسر نہ ہوا جم کے تئیں
کفش پا رکھتے تھے جن کے کہ شرف افسر پر

کہہ تو کیا وصف ہے اے چاہ زنخداں ! تجھ میں
نہیں جاتا جو ترا تشنہ لب کوثر پر

مصحفی سمجھے وہ کیا حال فقیراں جس نے
گرم پہلو نہ کیا ہو کبھی خاکستر پر

۱٦۷

پھولوں کی چھڑی کھائے ہے گل بند قبا پر
ہے آب رواں غش ، ترے سینے کی صفا پر

کیا عشق کے کوچے میں نہیں امن کی جاگہ
ہر لحظہ بلا ہوتی ہے نازل جو بلا پر

آس شوخ کے کوٹھے سے پڑے برسیں ہیں پتھرے[2]
اے راہ رواں ! تم بھی نظر کیجو ہوا پر

---

۱ - سادے : ح -
۲ - مطابق اصل متن ہے - پتھر برسنا بہ معنی اولے پڑنا آتا ہے - پتھر بہ معنی اولا ، ژالہ - جواہر جس میں ہیرا ، زمرد ، یاقوت وغیرہ شامل ہیں - (نوراللغات ج ۲ ، ص ۴۸) ، اور اگر پتھری ہو تو اس کے معنی سنگ چقماق بھی آتے ہیں - (فائق)

تم دیکھو ہو واں آئنہ، یاں آنکھوں میں ہے جی
اب دیکھیے کیا ہو ، نظر اپنی ہے خدا پر
کیا دیجے دعا اُس کو کہ یہ رسم ہے یاں کی
گر دیجے ، دعا ملتی ہے دشنام دعا پر
آیا تھا وہ ہاتھوں کو کفک[1] اپنے لگائے
دل لوٹ گیا رات مرا رنگِ حنا پر
کیا چاہیے بستر کو تجھے مخمل و قالیں
اے **مصحفی** ! گر رہ نہ کہیں فرشِ گیا پر

۱٦۸

ہم صبح کو کوچے سے ترے رہ گئے چل کر
دیکھا کہ گیا قافلہ منزل سے نکل کر
کیا قہقہہ اک مار کے اُس دم وہ ہنسا ہے
مجلس میں گرے اُس کی جو ہم رات سنبھل کر
پڑتا ہے ترے پاؤں پہ کیا لطف سے آ کر
دامن ترا ہر دم تری ٹھوکر سے اچھل کر
پابوسی کو سر ہم نے جھکایا تھا کہ ووں ہی
کل رہ گئی اُس شوخ کی تلوار اُگل کر
تھا تر مرے گریے سے ز بس سنگِ در اُس کا
مجلس سے جو نکلا سو گرا ووں ہی پھسل کر

---

۱ - کفک : ۱- (بہ فتح اول و دوم) کف ، کف آب یا صابون و نیز رنگ سفید یا سبز رنگے کہ نوعے از قارچ است و روے نان و بعضے غذا ہاے شب ماندہ پیدا می شود کپک می گویند ۔
(فرہنگ عمید ، ص ۹۶۷) ۔

آ نعش[1] پہ کُشتے کی ترے اہل تماشا
پھر پھر گئے آخر کفِ افسوس کو مل کر
شب شمع کے شعلے نے جو کی چرب زبانی
پروانہ ہوا خاک کی ڈھیری وہیں جل کر
اے مصحفی ! ہے کہنہ زمیں یہ تو ولی کی
کہہ اور غزل قافیہ اس کا تو بدل کر

۱۶۹

اتنا تو[2] نہ جینے سے فلک مجھ کو خفا کر
جو مرنے کی مانگوں میں دعا ہاتھ اٹھا کر
غنچہ سا دہن جس نے ترا آپ بنایا
غنچے سے کہا پیرہنِ صبر قبا کر
میں آہ کے شعلے سے بھڑک اٹھا ہوں سارا
کیا جانیے کیدھر گئے تم آگ لگا کر
لائی جو قضا مقتلِ تسلیم میں ہم کو
ہم بیٹھ گئے تیغ تلے سر کو جھکا کر
پروانہ جلا شمع پہ جس وقت ، یہ بولا
"لے میں تو چلا تو کفِ افسوس ملا کر"
گر خونِ جگر ہو نہ سکے اشک کا قطرہ
یارب ! تو اسے پنجۂ خوباں کی حنا کر
صیاد تو رہنے دے مجھے کنج قفس میں
جب تک کہ بہار آوے ، قفس سے نہ رہا کر
اے مصحفی ! مت دیکھ کسی زلف کے خم کو
دیوانے ! نہ دل اپنا گرفتارِ بلا کر

---

۱ - لاش : ح -

۲ - اتنا بھی : ح -

۱۷۰

کافر یہ جو بکھرے ہیں ترے بال ہوا پر
مارا ہے عجب طرح کا اک جال ہوا پر
لوہو ہی برستا ہے تری تیغِ نگہ سے
دیکھا تو عجب رنگ ہے اس سال ہوا پر
آہیں جو مری ہیں رخِ خورشید کے در پے
دوڑا ہوا جاتا ہے وہ شہ چال ہوا پر
بلبل وہ سوا کون گلستاں میں کہ جس کے
اُڑتے ہوئے پھرتے ہیں پر و بال ہوا پر
یہ ابرِ سیہ تاب نہیں اُڑ کے گیا ہے
عاشق کا ترے نامۂ اعمال ہوا پر
اے **مصحفی**! گر یہ ہے تری آہ کی گرمی
تو کیوں کہ اُڑے طائرِ بے بال[1] ہوا پر

۱۷۱

سنبل تر کے تئیں پردۂ رخسار نہ کر
دلِ مرغانِ چمن اس میں گرفتار نہ کر
رو[2] دکھادے تو کہ ہے نزع میں بیمار ترا
حشر پر اُس سے میاں وعدۂ دیدار نہ کر
سایۂ تیغ میں لےجا تو سر اپنے کے تئیں
گر ہے عاشق ہوسِ سایۂ دیوار نہ کر
اے اسیرِ قفسِ محنتِ دوریِ فراق!
اس ہوا میں تو ہوائے گل و گلزار نہ کر

---

۱ - ذی بال : ح -
۲ - منھ : ح -

کل ترا نقشِ قدم طیش سے میرے آگے
کبک کو کہنے لگا دعویٔ رفتار نہ کر
صحبتِ شب کا سماں ہے تری آنکھوں سے عیاں
بادہ نوشی کا میاں مجھ سے تو انکار نہ کر
مصحفی ! عشق چھپانا ہی بھلا ہوتا ہے
گو تو عاشق ہے پر اس بات کا اقرار نہ کر

۱۶۷

جانِ من جلوہ گری بر سرِ بازار نہ کر
جنسِ حسن اپنی کا ہر اک کو خریدار نہ کر
کیا سروکار تجھے میری حزیں نالی سے
ہر دم اے مرغِ چمن! اس کی تو تکرار نہ کر
اس شب و روز کے قصے سے بتنگ[1] آیا ہوں
اتنا اے عمر! مجھے زیست سے بیزار نہ کر
تیرے بن دیکھے جو یک دم میں سوا جاتا ہوں
ایسی بے صبری سے تو وعدۂ دیدار نہ کر
منہ دکھا اپنا کہ سکتا نہیں ، ہے نزع کا حال
غافل آئینہ مرے سامنے ہر بار نہ کر
لاش رہنے دے مری خاک میں پنہاں کسی اَور[2]
قاتل اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار نہ کر
کعبہ و قبلہ میاں یار ترے ہوویں گے
کہہ کے یہ بات عبث ہم کو گنہگار نہ کر
اور ہووے گا غرور اس کو تو اے آئینہ!
خوبیِ حسن سے یاں تک تو خبردار نہ کر

---

۱ میں تنگ آیا ہوں : ح -   ۲ - اَور : بمعنی طرف -

مصحفی چاہیے کچھ ضبط بھی ہو عاشق کو
آگے ہر اک کے میاں دردِ دل اظہار نہ کر

۱۷۳

جتنا کہ سراہا ، وہ ہؤا اور بھی مغرور
جوں جوں اسے چاہا وہ ہوا اور بھی مغرور
ان بن ہی رہی واں تو وہی[1] اپنی طرف سے
میں نے جو نباہا وہ ہوا اور بھی مغرور
تعریف میں اس کی جو زباں سے مری نکلا
خوش وقتی میں 'آہا' وہ ہوا اور بھی مغرور
گر اُس شہِ خوباں کو کہا پیار سے میں نے
"خورشید کلاہا !" وہ ہوا اور بھی مغرور
اے **مصحفی**! روؤں کہ نہ لگ چلنے سے میرے
آہا و فآہا ، وہ ہوا اور بھی مغرور

۱۷۴

جامہ ملتا ہے بدن سے ترے چسپاں ہو کر
ہم تو جاویں گے نکل چاک گریباں ہو کر
اُس کے کوچے میں مری خاک بھی مجھ تک تھی نسیم
اُٹھ گیا میں تو گئی وہ بھی پریشاں ہو کر
جب ترے سامنے آیا ہے سحرگہ خورشید
صورتِ آئنہ رہ جائے ہے حیراں ہو کر
بوئے پیراہنِ گل اُس سے مجھے آتی ہے
شاید آتی ہے صبا طرفِ گلستاں ہو کر

---

۱ - ولے : ح -

کیا فضا باغ کی' ہے ، جان مری ! ایسے میں
کر خجل کبک دری کو 'تو خراماں ہو کر

شعلۂ شمع گیا آس کے جو دامن سے لپٹ
جل گئی رات کو فانوس چراغاں ہو کر

آدمیت کی جو ہو وضع نہ دے ہاتھ سے وہ
آدمی چاہیے حیوان نہ ہو انساں ہو کر

معجزہ دیکھ ترے روے کتابی کا صنم
دین میں آتے ہیں ہندو بھی مسلماں ہو کر

مصحفی مرغِ چمن زمزمہ پیرا ہیں سبھی
ان دنوں باغ میں چل 'تو بھی غزل خواں ہو کر

۱۷۵

باندھی ہے ہم نے ازبس جوں نے کمر فغاں پر
نالوں سے میرے آفت ہر شب ہے آسماں پر

مر ہی گئے نہ بلبل صیّاد کیا کیا یہ
رکھنا نہ تھا قفس کو دیوارِ گلستاں پر

ہم نے بھی کل تماشا جا کر انھوں کا دیکھا
انبوہ ہو رہا تھا اک آس کے کشتگاں پر

قد کی لچک کسو کے آتی ہے یاد مجھ کو
پڑتی ہے آنکھ اپنی جب شاخِ ارغواں پر

ہوتا ہے دیکھ جس کو شرمندہ برگِ سوسن
مستی کی یہ آداہٹ کافر کی ہے زباں پر

'تو گھر سے گر نہ نکلا تو سر پٹک پٹک کر
دیویں گے جان اپنا ہم تیرے آستاں پر

---

۱ - کا : ح -

جب وہ گیا چمن میں ، لے ہاتھ میں کہاں کو
دو چار تیر پھینکے بلبل کے آشیاں پر
گو خاک میں ملے ہیں ہم گرد باد آسا
لیکن دماغ اپنا ہے اب بھی آسماں پر
اے **مصحفی** ! گئے ہیں کیا لے لے حسرتیں[۱] وے
آتا ہے گریہ مجھ کو احوالِ رفتگاں پر

ردیف ز

۱۷۶

کس کے مجروح یہ مدفوں ہیں تہِ خاک ہنوز
گل زمیں سے جو نکلتے ہیں جگر چاک ہنوز
ہے مری خاک بگولے کی طرح چکّر میں
دست بردار نہیں گردشِ افلاک ہنوز
یار مل جائے گا اتنی بھی نہ بے صبری کر
ابتدا عشق کا ہے اے دلِ غم ناک ! ہنوز
نعش پر نعش چلی آتی ہیں[۲] اُس کوچے سے
بر سرِ رحم نہیں غمزۂ سفّاک ہنوز
کس کی مست آنکھیں میں دیکھی ہیں جو ٹپکے ہے پڑا
رگِ مژگاں سے مری خونِ رگِ تاک ہنوز
خالِ عارض کو ترے اُس نے کہیں دیکھا تھا
باغ میں لالے کو ہے نشۂ تریاک ہنوز
قتل کا **مصحفی** خستہ کے انکار نہ کر
شاہدِ خوں ہے ترا دامنِ فتراک ہنوز

---

۱ - حسرتیں: (؟) ح -
۲ - ح: ہے -

۱۷۷

بیگانگی ہے اس کی ملاقات میں ہنوز
واحسرتا ! کہ فرق ہے دن رات میں ہنوز

فندق ان انگلیوں پہ نہیں ہے تو کیا ہوا
رنگینیاں وہی ہیں اشارات میں ہنوز

دیکھا تھا بات کرتے اسے ساتھ غیر کے
سو اپنا جی کھپے[۱] ہے اسی بات میں ہنوز

کیا شے ہے تو کہ کچھ نہیں آتا سمجھ میں ہائے
ہم خوض کر رہے ہیں تری ذات میں ہنوز

اک دن کفک کو اس کی میں دیکھا تھا پیار سے
خوں رو رہا ہوں اس کی مکافات میں ہنوز

وہ نازکی کے دن نہیں پرتو بھی ہے صنم
لطفِ صفائے صبح تری گات میں ہنوز

سمجھا ٹک اپنے دیدۂ تر کو تو مصحفی
باقی کئی مہینے ہیں برسات میں ہنوز

۱۷۸

خوں ٹپکتا ہے مرے دیدۂ گریاں سے ہنوز
دل کو پیوند ہے آس خنجر مژگاں سے ہنوز

اس کے ہاتھوں سے کہاں جاؤں کہ یہ دست جنوں
دست بردار نہیں میرے گریباں سے ہنوز

یار مارے گئے سب کوہ کن و وامق و قیس
بچ کے آیا نہ کوئی عشق کے میداں سے ہنوز

---

۱ - جی کھپانا : (ہ) جان دینا - جی کھپنا : (ہ) جان جانا -

شب ہجراں کے اٹھائے ہیں میں صدمے کیا کیا
تب تو دل کاٹے ہے نام شب ہجراں سے ہنوز
ایک شب خواب میں دیکھا تھا کہیں آس کے تئیں
جی الجھتا ہے تری زلف پریشاں سے ہنوز
دیکھ کر کشتہ مجھے در پہ ترے کہتی ہے خلق
یہ عمل تو نہ ہوا تھا کسی انساں سے ہنوز
مصحفی گبر ہے یارو ، نہ مسلماں ، لیکن
جی سے نفرت ہے اسے گبر و مسلماں سے ہنوز

۱۷۹

طوطی میں کہاں ہے تری گفتار کا انداز
لہجے کی ادا اور یہ تکرار کا انداز
تصویر جو کھینچی تھی[۲] مری مانی نے اس میں
گردن سے تو نکلے تھا گنہگار کا انداز
نازاں ہے بہت طرۂ زرتار پہ خورشید
دیکھا نہیں تیرے گل دستار کا انداز
تا دیر میں کل تاک کے سائے میں رہا بیٹھ
نکلے تھا ترے سایۂ دیوار کا انداز
نیچے ہی کو دیکھے ہے ز بس سیکھ گئی ہے
نرگس بھی تری نرگس بیمار کا انداز
اک عمر جو کی سعی بہت کبک دری نے
آخر کو اُڑایا تری رفتار کا انداز
ہر چند کہ ہے سادگی بھی آس کی اک آفت
پر قہر ہے غصے کی ادا ، پیار کا انداز

۱ - میں کیا کیا صدمے : ح -   ۲ - ہے : ح -

نے ابرِ بہاری ہی لگے اس کو نہ شبنم
کچھ اور ہے اس دیدۂ خوں بار کا انداز
اے **مصحفی** ! مت کر ہوسِ مجلسِ آصف
معلوم نہیں ہے تجھے دربار کا انداز

ردیف س

۱۸۰

دور سے دیکھتے ہیں یار کا دیدار اور بس
فقط اک دید کے ہیں ہم تو گنہگار اور بس
تو ہی اے یوسفِ ثانی ! جو نہ ہو تو کیا ہے
ہے ترے حسن سے ہی گرمیِ بازار اور بس
نیم بسمل کی طرح خاک پہ کب تک تڑپوں
صدقے تیرے ، تو لگا ایک ہی تلوار اور بس
اس نے کیوں چاک کیا پڑھ کے مرے خط میں تو
تھا سراسر گلۂ چرخِ ستم گار اور بس
کچھ طمع اور زیادہ نہیں رکھتے تجھ سے
جی سے ہیں ہم تری چاہت کے گرفتار اور بس
تیرے کوچے سے سفر میں نے کیا تھا جس دن
تھے مرے ساتھ مرے دیدۂ خونبار اور بس
مصحفی اس کے سوا کچھ ہو تو میں کافر ہوں
ہے مرے دل میں یہی آرزوئے یار اور بس

۱۸۱

ٹک آکے بیٹھے جو وہ مہ جبیں ہمارے پاس
تو ہم یہ جانیں ، ہے دنیا و دیں ہمارے پاس

---

۱ - نواب آصف الدولہ : متوفیٰ ۱۲۱۲ھ -

چلے گا قافلہ یاروں کا صبح ، کیا کیجے
کہ زاد راحلہ مطلق نہیں ہمارے پاس
ہم آرزو میں تمھاری ہلاک ہوتے ہیں
خدا کرے کہ تم آؤ کبھیں ہمارے پاس
پڑھیں ہیں چین جبیں ہی کے شعر ہم اس وقت
جب آکے بیٹھے کوئی نکتہ چیں ہمارے پاس
ہمارے حال کو سن کر بہت ہوا حیراں
گیا جو بیٹھ کوئی خوش نشیں ہمارے پاس
خدا ہی جانے کہ اس دل کو کیا ہوا یارو
جو چین ہی نہیں اس کے تئیں ہمارے پاس
کبھی نہ ہم نے میاں **مصحفی** کو خوش پایا
جب آکے بیٹھے تو بیٹھے حزیں ہمارے پاس

۱۸۲

اس دل ویراں کا عالم نظر آیا کہ بس
رات اس[۱] سنسان سا[۲] عالم نظر آیا کہ بس
یوں ہے[۳] سب خلقت خدا کی جس کا عالم دیکھیے
لیکن اس انسان کا عالم نظر آیا کہ بس
شب جو کھل کھل کر وہ باتیں پیار کی کرنے لگا
اُس بت نادان کا عالم نظر آیا کہ بس
شور طوفاں جوش عماں کب ہے اس انداز پہ[۴]
دیدۂ گریاں کا عالم نظر آیا کہ بس

---

۱ - اک ؟ -
۲ - کا : کمال -
۳ - ہیں : کمال -
۴ - بر : کمال -

مجلسِ خنیا گراں[1] میں شب گزر اپنا بھی تھا
واں مسی و پان کا عالم نظر آیا کہ بس

چاندنی میں شب جو کی میں اس کے ماتھے پر نگاہ
ہائے وہ افشاں کا عالم نظر آیا کہ بس

لکھنؤ میں مصحفی آیا جو میں دلی کو چھوڑ
یاں بھی اس اس آن کا عالم نظر آیا کہ بس

۱۸۳

کر دیا ہے مجھ کو دو باتوں نے اُس کی بےحواس
حد رقیق القلب ہوں میں ، کر اسی سے تو قیاس

عیسیٰ مریم بھی اپنی سی بہت کچھ کر گیا
پر دلِ بیمار کو کوئی دوا آئی نہ راس

حسن سے رکھتی ہے یہ انداز جنگِ عشق شوخ
دست برد اول تو پھر بعد اس کے بوسہ پھر مساس

قطرہ ہائے خوں ہیں گردِ لختِ دل یوں چشم میں
چٹیاں جیسے جڑی ہوویں نگیں کے آس پاس

کھلکھلا کر گل نہ ہنستا منہ پہ شبنم کے کبھو
اے صبا ! ہوتا گر اُس کو خاطرِ بلبل کا پاس

---

۱ ۔ خنیا گر : ف ۔گویّا ، ڈوم ، قوال ۔ (لغات کشوری، صفحہ ۱۷۶) ۔
خنیا : ف ۔ اسم مذکر ۔ راگ ، نغمہ ، سرود ۔ ۲ ۔ اسم مؤنث ۔
ڈومنی ، میراثن ۔ (فرہنگ آصفیہ ، ج ۲ ،ص ۲۰۶)

ایک شب سونگھی تھی میں نے اس کی سوندھی[۱] کی مہک
خوش نہیں آتی مجھے اس دن سے ہرگز گل کی باس

جی میں آتا ہے کہ اٹھ جاویں کسی صحرا کو ہم
ان دنوں اے **مصحفی**! ہے شہر سے خاطر اداس

ردیف ش

۱۸۴

کس منھ سے ہم جہاں میں کریں آرزوے عیش
اک غنچہ ہم کو یاں نہیں دیتا ہے بوے عیش

جیدھر نظر گئی رخِ غم ہی نظر پڑا
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم نے تو روے عیش

سنتے نہیں کسی کی حریفانِ بزمِ یار
واں بانگِ نا و نوش ہے یا ہاے ہوے عیش

پھینکا ہے آسماں نے ز بس سنگ تفرقہ
اس مے کدے میں بر سرِ جام و سبوے عیش

دستِ سبو شکستہ ہے اور جامِ اب[۲] تلک
لایا نہیں زباں پہ کبھی گفتگوے عیش

بزمِ جہاں سے اٹھ گئے عیاش **مصحفی**
ہم ایک رہ گئے ہیں سو افسانہ گوے عیش

---

۱ - سوندھی: ہ - صفت - کوری مٹی کی سی خوشبو والی -
۲: اسم مؤنث - پکی کچری - سیندھ: چھوٹی قسم کی پھوٹ -
(فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، ص ۱۳۳)

۲ - ''اب تلک'' متن اصل میں بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ ''آب تلخ'' سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے - (فائق)

۱۸۵

جس آنکھ کو ہو رخنۂ دیوار کی تلاش
پھر کیوں کرے وہ شاہد بازار کی تلاش

بلبل کی لاگ کا میں دوانا ہوا، اُسے
کنجِ قفس میں تھی گل و گلزار کی تلاش

کیا ہوگا آفتابِ قیامت میں خلق کو
ہووے گی جب کہ سایۂ دیوار کی تلاش

اُس دستِ روسیاہ کا ہووے کہیں برا
رہتی ہے اس کو سادہ ہی رخسار کی تلاش

اے ابرِ نوبہار! تُو اب اس کے منہ نہ چڑھ
رنگیں ہے اپنے دیدۂ خوں بار کی تلاش

دل یک نگاہ لطف کا رہتا ہے منتظر
بایع[1] کو جس طرح ہو خریدار کی تلاش

اتنا میں گم ہوا ہوں سخن میں کہ **مصحفی**
کرتا ہے ہر کوئی مرے اشعار کی تلاش

۱۸۶

یا عہدِ وفا ہوا فراموش
یا بوجھ سمجھ، کیا فراموش

آجائے ہے جب وہ سامنے سے
ہوئے جا ہے سب گلا فراموش

جب یاد ہے اُس کے منہ سے نکلا
میں نے بھی وہیں کہا فراموش

---

۱ - بائع: فروخت کرنے والا -

دیکھا نہ سنا میں اب تلک تو
بندے کو کرے خدا فراموش

کیا ہووے کبھی گر اس طرف سے
ہو جائے رہِ صبا فراموش

اس کُو[1] میں اگر ترا گزر ہو
کیجو نہ ہمیں صبا فراموش

جس خط میں لکھا تھا میں کچھ احوال
قاصد نے وہ خط کیا فراموش

نسیان ہے یاں تلک کہ خط میں
میں یاد کی جا لکھا فراموش

دل میں گزرا جو کوئی مضموں
لب تک[2] آتے ہوا فراموش

ق

جب لکھنے لگوں ہوں خط میں اس کو
ہو جائے ہے مدّعا فراموش

پر حیف ہے مصحفی کے دل سے
ہوتا نہیں غم ترا[3] فراموش

ردیف ص

۱۸۷

ہے دام میں زلفوں کے گرفتار کوئی شخص
اس کوچے میں آتا ہے شبِ تار کوئی شخص

لے جاؤں ہوں گذری میں دل اپنا میں ہمیشہ
شاید کہ ہو اس کا بھی خریدار کوئی شخص

---

۱ - نسخہ پ کے حاشیے پر : کوچے میں - نسخہ ل میں یہ شعر نہیں -
۲ - تلک : ح - ۳ - مرا : ح -

جب آپ نے غرفے سے نکالا تھا سر اپنا
کہتے ہیں کھڑا تھا پسِ دیوار کوئی شخص
ہر اک کو نہ تم نرگسِ بیمار دکھاؤ
کیا فائدہ ہو جائے جو بیمار کوئی شخص
ابرو کی یہ جنبش ہے تو کوچے میں تمھارے
تم دیکھو گے کہا جائے گا تلوار کوئی شخص
صنعاں سے میں واقف نہیں ، ترسا کی گلی میں
پھرتا تو ہے پہنے ہوئے زنّار کوئی شخص
مت نام لو میرا ، نہ کہو اس سے عزیزو
کھینچے ہے ترے عشق میں آزار کوئی شخص
آؤں میں شبِ تیرہ ترے گھر میں تو میرا
جی دھڑکے ہے ہو جائے نہ بیدار کوئی شخص
ساقی کی نگہ نے یہ چھکایا ہے کہ اب تک
اس بزم میں ہرگز نہیں ہشیار کوئی شخص
آئے ہے یہ اب جی میں کہ خط دے کے بہ اُجرت
ہشیار سا بھیجوں میں ہی ناچار کوئی شخص
اے **مصحفی** ! دردِ دلِ غم ناک کو میرے
اُس شوخ سے کرتا نہیں اظہار کوئی شخص

۱۸۸

دل فرش ہوا جائے ہے آغازِ شبِ رقص
یاں آگو ہی معلوم ہیں اندازِ شبِ رقص
کیا زیر و بم انّ کے کی ہے آواز برابر
یہ سازِ طلسمات ہیں ، یہ سازِ شبِ رقص

مانی تو مرقعے تو ہمیں اپنے دکھا دے
ہم تجھ کو دکھا دیویں گے پروازِ شبِ رقص

ہم ماہ کا دیدہ ہے لگا اس کی طرف کو
ہم چشم کواکب ہیں نظر بازِ شبِ رقص

دامن کو جھٹک کر کے وہ بے درد کہے ہے
جاتا نہیں آنکھوں سے مری نازِ شبِ رقص

گالی سے حیا کیوں آسے پھر بزم میں آوے
ہو نالہ مرا جس کا ہم آواز شبِ رقص

یہ جلوہ گری ہوتی ہے کیا پردۂ شب میں
اے **مصحفی**! ہم پر نہ کھلا رازِ شبِ رقص

ردیف ض

۱۸۹

سوتا ہے حسنِ رو سے ترے آرسی کو فیض
بہتر تو ہے کسی سے جو پہنچے کسی کو فیض

تربت پہ میری رکھ کے قدم اس نے یوں کہا
نقشِ قدم سے اپنے ہوا ہے اسی کو فیض

ہے گو کہ آفتابِ حقیقت نقاب میں
نزدیک و دور پہنچے ہے اس سے سبھی کو فیض

بوسہ لیا جو میں ترے لب کا تو کیا ہوا
ہوتا ہے آدمی سے میاں آدمی کو فیض

اک عمر لکھنئو میں رہا یہ، ولے تباہ
ان منعموں سے کچھ نہ ہوا **مصحفی** کو فیض

۱۹۰

نہ مسیحا کو دکھایا جگرِ ریش غرض
ہم کو آئی نہ کسی سے کبھی درپیش غرض

در پہ اپنے مجھے دیکھا جو، کئی بار کہا
سخت مبرم[1] نظر آتا ہے یہ درویش غرض

کیا کریں شکوۂ روزی کہ فلک کے ہاتھوں
رزق ہم کو بھی پہنچتا ہے کم و بیش غرض

کیوں ترے سامنے ہم اپنا بھرم بھی کھوویں
تجھ سے نکلی ہے کسی کی، بتِ بدکیش غرض؟

رنج و راحت سے ہیں اے **مصحفی** جو مستغنی
نوش سے کام ہے کچھ ان کو نہ بالیش غرض

۱۹۱

کیوں نہ اب مژگاں سے دیکھے تیغ اور خنجر کی عرض
دیکھنے بیٹھی ہے وہ چشمِ سیہ لشکر کی عرض

طبلقیں[2] کھولے ہوئے مستوفی[3] بادِ بہار
دیکھتا ہے لالہ و صد برگ کے دفتر کی عرض

پر نہیں میرے، نہیں تو اڑ کے آتا باغ تک
اے صبا! کیجو یہ گل سے بلبلِ بے پر کی عرض

دوشِ ہستی پر گرا ہوں مجھ کو اب آزاد کر
خدمتِ شمشیر میں یہ ہے ہمارے سر کی عرض

اے فلک! چاہیں ہیں سرپوشی کو اک دستار وار
تجھ سے ہم رکھتے نہیں کچھ تاج اور افسر کی عرض

---

۱ - مبرم : نہ ٹلنے والا - ۲ - طبلقیں : فائلیں (؟) -
۳ - مستوفی : (ع) محاسب ، میر منشی -

مرغ بے پروا طبیعت نے نہ بات اس کی سنی
شاہد گل دے رہا کیسی زر و زیور کی عرض
ہستی اعراض کا ہے ذات جوہر سے قیام
مصحفی پروانہ رکھے کس طرح جوہر کی عرض

۱۹۲

گنتا تھا بس کہ اپنے تئیں خاکسار محض
آخر ہوا میں راہ میں اس کی غبار محض
دعویٰ برابری کا نہیں تم سے کچھ مجھے
بندے کو اپنے جانیے خدمت گزار محض
مدت کے بعد ہم کو غم دل کا آشنا
اک تو ملا ہے سو بھی تغافل شعار محض
کیا تجھ سے اختلاط کا دعویٰ کریں کہ یاں
پہلو میں ایک دل ہے سو ہے بے قرار محض
اک دن دکھا گیا تھا جھلک اپنی ، اب تلک
دریا بہ رنگ آئنہ ہے انتظار محض
عاشق کا اعتبار ہے کیا اس کے روبرو
عاشق کو جانتا ہے وہ بے اعتبار محض
تم بھی کرو اعانت اوقات **مصحفی**
اس روزگار میں ہے وہ بے روزگار محض

ردیف ط

۱۹۳

عیش کہاں ، کدھر نشاط ، کہتے ہیں کس کو انبساط
خواب و خیال ہو گیا ہم کو تو عیش اور نشاط

آنکھیں سلا کے آؤں گا اب تری بزم میں کہ ہائے
دیکھوں میں تجھ کو کس طرح غیر سے گرم اختلاط
جان و دل آس کو ہم نے تو پہلے ہی چاہ میں دیا
آ گو ہی نذر کر چکے اپنی جو کچھ کہ تھی بساط
جوش‌جنوں‌کےہیں یہ‌دن جاویں نہ سوےکوہ و دشت
چاہیے اپنی ہم کریں موسم گل میں احتیاط
عرصے میں شاہ سیکڑوں آئے ہیں اس زمین پر
رزم رہی ہے درمیاں جب سے بچھی ہے یہ بساط
داغ کہن کو تازہ پھر کرتے ہیں ہائے ہم نشیں
یاد جب آئے ہیں ہمیں آس کے قدیم ارتباط
شب سے زیادہ مصحفی رہنے کا اس میں کیاہےلطف
دہر ہے اک کہن سرا چرخ ہے اک کہن رباط

۱۹۲

حسن نے بھیجا ہے لکھ لعل شکر خا کو خط
لکھیں گے اس درد کا ہم بھی مسیحا کو خط
روز جدائی کیے اس نے[۱] تو دفتر سیاہ
تم نے بھی لکھا کبھی عاشق رسوا کو خط
مزرع دل سوختہ گو کہ تو ہے[۲] غم نہ کھا
دیدۂ تر نے مرے لکھا ہے دریا کو خط
طوق گلو ہو گئی میرا وہ زنار زلف
جوں مئے کم دے کبھو گردن مینا کو خط

۱ - وستو دفتر سیاہ : ح - ۲ - ''گو کہ تو ہے'' اصل متن میں سہوکتابت معلوم ہوتاہے - ''گوکہ ہے تو'' ہونا چاہیے - (فائق)

اس کی کجی اب تلک ہم سے نہ یک مُو گئی
ہم نے مکرّر لکھا زلفِ چلیپا کو خط

آج دیا چاہیے دستِ جنوں تیرے ہاتھ
چاک گریباں مرا دامنِ صحرا کو خط

کام کسو سے ہے کیا وہ جو ہیں اہلِ کمال
لکھتے ہیں کب **مصحفی** مردمِ دنیا کو خط

۱۹۵

کیا لکھے اُس کے تئیں اب کوئی ہمسار[۱] کا خط
ہائے پڑھتا ہے وہ کب اپنے گنہگار کا خط

ہم نے اک عمر ترے زخم ستم جھیلے ہیں
کون سا عضو ہے جس پر نہیں تلوار کا خط

یوں ہے اک دورِ فلک مرکز عالم کا محیط
گرد نقطے کے ہو جس طرح کہ پرکار کا خط

بس کہ خطرےسےتری خو کے نہ بھیجا اس نے
زیر بالیں ہی رہا نت ترے بیمار کا خط

اے نسیمِ سحر! اک لخت جگر کو لیے جا[۲]
سوے گلشن کہ یہ ہے مرغِ گرفتار کا خط

ق

شکوہ کیوں کر میں تمھارا نہ کروں اے مشفق!
آ گیا ہاتھ جو اک دن مرے اغیار کا خط

۱ - سار بہ معنی سر بھی آتا ہے جیسے نگوں سار - ہمسار بہ معنی ہمسر اور ہم رتبہ یعنی برابری کا خط - اگر اسے "ہم پیار" پڑھیں تو بات اور واضح ہو جاتی ہے لیکن اصل متن میں "ہمسار" ہے - (فائق)
۲ - لیے جا : ح -

لے کے قاصد سے بہت شاد ہوا میں جی میں
یہ سمجھ کر مجھے آیا ہے مرے یار کا خط

کھول کر اس کو جو دیکھا تو ہر اک سطر میں واں
تھا مرے قتل کا مضمون کہ تلوار کا خط

آپ کو اس کا جو باور نہ ہو تو دکھلا دوں
اب تلک کیسے[1] میں موجود ہے سرکار کا خط

خطِ اغیار سے مکتوب بنایا اس نے
طاقِ نسیاں پہ رہا مصحفیِ زار کا خط

ردیف ظ

۱۹۶

گل پھول کی خوشی رہی سرو و سمن کا حظ
اب کے صبا نے خوب اُڑایا چمن کا حظ

پروانہ پاے[2] شمع کہے تھا یہ بزم میں
تھا پاے بوس شمع تلک بس لگن کا حظ

آپس میں ساری رات رہیں بوسہ بازیاں
لوٹا[3] مسی نے خوب تمہارے دہن کا حظ

دلی کی قدر دلی سے نکلے پہ ہوئی ہمیں
غربت میں یاد آئے ہے سچ ہے وطن کا حظ

کیوں کہ ملوں نہ ہاتھ کہ شانے نے ساری رات
لوٹا ہے اس کی زلف کی ہر اک شکن کا حظ

---

۱ - کیسہ : (ف) ، تھیلی یا جیب ، خریطہ (نوراللغات ، جلد سوم صفحہ ۹۲۷) -
۲ - پاے شمع : ل ، زیر شمع : ح -
۳ - لوٹا ہے میں نے : ح -

پہنچے تھا ہاتھ تا بہ گریباں گل مرا
تھا موسم بہار میں دیوانے پن کا حظ
بخت ان کے ہیں جو سو کے ترے ساتھ لے گئے
گہہ پیرہن کا لطف تو گاہے بدن کا حظ
محظوظ کیا ہو سن کے کوئی اب کسی کے شعر
تھا ہم تلک ہی بزم جہاں میں سخن کا حظ
تنہا چمن میں جاکے میں غم دیدہ کیا کروں
بن یار **مصحفی** نہیں سیر چمن کا حظ

۱۹۷

نکل گیا مرے منہ سے کہیں خدا حافظ
تو بولا ہو کے وہ چیں بر جبیں ”خدا حافظ“
چراغ صبح ہوں اب تجھ سے میری رخصت ہے
چلا میں بزم سے بے آستیں خدا حافظ
تو ہے وہ فتنۂ روے زمیں کہ دیکھ تجھے
ہمیشہ کہتے ہیں اہل زمیں خدا حافظ
چلا ہے آج تو سیر چمن کو گرما میں
ترے بدن کا ہے اے نازنیں ! خدا حافظ
یہ جتنے بندے ہیں سب کا وہی ہے پشت پناہ
جو غور کیجے تو کس کا نہیں خدا حافظ
صنم وہ کافر خوں‌خوار **مصحفی** کا ہے
کہ جس کو دیکھ کہیں اہل دیں خدا حافظ

۱۹۸

یوں وہ بت کافر ہے دل زار سے محظوظ
صیاد ہو جوں مرغ گرفتار سے محظوظ

ہم اک نگہ دور کو رہتے ہیں ترستے
آئینہ ہے خال و خط و رخسار سے محظوظ
شمشیر اجل کو بھی سراہا نہیں اس نے
جو کشتہ ہوا ہے تری تلوار سے محظوظ
اے گل! ابھی جانے کا نہ کر قصد چمن سے
نرگس ہے تری نرگس بیمار سے محظوظ
اس شوخ کی یارو یہ طبیعت ہے کہ دو دن
دو چار سے ناخوش ہے تو دو چار سے محظوظ
ہم موئے کمر تو ترے زنّار کریں گے
کافر ہے اگر رشتۂ زنّار سے محظوظ
اے مصحفی! جیتا رکھے حق تجھ کو بہت سا
کیا رات ہوئے ہیں ترے اشعار سے محظوظ

ردیف ع

۱۹۹

پردۂ فانوس میں یوں تو نہاں جلتی ہے شمع
دل جلے ہے جس طرح میرا کہاں جلتی ہے شمع
چشم تر سے یوں نمایاں ہے فروغ داغ دل
جیسے پانی میں کبھو اے مہرباں! جلتی ہے شمع
تو جو مجلس میں نہیں ہوتا تو پیارے تجھ بغیر
بوئے بد دیتی ہے اور جوں استخواں جلتی ہے شمع
ضبط سوز عشق کوئی اس سے آ کر سیکھ لے
اس زباں پر دیکھیو کیا بے زباں جلتی ہے شمع

لائے ہے جلنے کو پروانے کے واں خاطر میں کون
آگ کا شعلہ لیے سر پر جہاں جلتی ہے شمع
اُس کے جلنے میں عجب آہستگی ہے دیکھیو
آفریں اس کو بطورِ عاشقاں جلتی ہے شمع
کس کی طاقت ہے کہ لاوے لب تلک یاں آہِ گرم
یہ وہ مجلس ہے کہ جس میں بے دخاں جلتی ہے شمع
پردۂ خط ہوسکے ہے حسن کا روپوش کب
پردۂ فانوسِ مینا میں عیاں جلتی ہے شمع
گریہ سوزِ دل پہ عاشق کو روا ہے مصحفی
دیکھ دیوانے بہ چشمِ خوں فشاں جلتی ہے شمع

۲۰۰

ساتھ پروانے کے راتوں کو جلا کرتی ہے شمع
بےوفا کیوں کہا کہوں اُس سے وفا کرتی ہے شمع
کس کا غم اس کو لگا ہے نہیں معلوم مجھے
اشک ریزاں ہی سحر تک جو رہا کرتی ہے شمع
مر رہے ہے جو لگن بیچ کوئی پروانہ
دیکھ اس کو کفِ افسوس ملا کرتی ہے شمع
میں وہ اندوہ بھرا ہوں کہ مری مجلس میں
بیٹھتی ہے جو کبھو ، رو کے اٹھا کرتی ہے شمع
کون اس بزم میں آیا ہے یہ معلوم نہیں
کس سے فانوس کے پردے میں چھپا کرتی ہے شمع
طرفہ صحبت ہے کہ پروانے جو کرتے ہیں ہجوم
اس کی بے تابی کے عالم پہ ہنسا کرتی ہے شمع

۱ - 'کیوں کر' اصل متن میں غلط، 'کیوں کہ' تصحیح قیاسی - (فائق)

یاد میں ساعد سیمیں کے تری شب تا صبح
گرمیِ شوق سے پانی ہو بہا کرتی ہے شمع
حسن چھپتا نہیں اس پر بھی تو اس کافر کا
گرچہ فانوس بلوریں میں رہا کرتی ہے شمع
مصحفی میں تو وہ پروانہؑ دل سوختہ ہوں
جس کی چربی سے پگھل کر کے بہا کرتی ہے شمع

۲۰۱

لے گیا پروانہ دل میں حسرت دیدار شمع
سرد ہو جاوے الٰہی گرمیِ بازار شمع
دیکھیو کیا صبح کا نزدیک پہنچا ہے طلوع
دم بہ دم ہوتی ہے افزوں زردیِ رخسار شمع
کیوں نہ وہ مجلس میں آوے با شکوہِ سروری
شعلہ طرہ ہے تو داغِ شعلہ ہے دستارِ شمع
دیدۂ بیدار میرا شب خیالِ یار میں
اشک ریزاں ہی رہا جوں دیدۂ بیدار شمع
جلتے جلتے آپ کو یک بار کر دینا تمام
کیا پسند آئی ہے یہ میرے تئیں رفتار شمع
تار ہیں میرے گلے میں کچھ گریباں کے سو وہ
سب کہیں ہیں قابلِ آتش ہیں جوں زنّارِ شمع
ہر کوئی ہوتا ہے واقف کب زبانِ حال سے
کون جز پروانہ سمجھے مصحفی گفتارِ شمع

۲۰۲

اک آن میں حقِ خدمت ہوا مرا ضایع
کرے کسو کی نہ محنت کے تئیں خدا ضایع

کسی کو دے کوئی پتّا تو کام بھی آوے
کرے ہے باغ میں پھولوں کو کیوں صبا ضایع
دلِ شکستہ مرا یار تک نہ پہنچا ہاے
ہوئی اس آئنے کی مفت میں صفا ضایع
طبیب لکھ تو نہ اس کے مریض کو مطبوخ[۱]
وہ پینے کا نہیں ہو جاوے گی دوا ضایع
خبر ہے تجھ کو بھی کچھ **مصحفی** کی یا کہ نہیں
کہیں ہیں اُس نے شب اپنے تئیں کیا ضایع

۲۰۳

ہے تُو تو وہ نقش قلمِ قدرتِ صانع
جس نقش میں جھمکے ہے پڑی صنعتِ صانع
گر دیکھے تو سیرِ چمنِ قدرتِ صانع
سو رنگ ہیں نقشِ قلمِ قدرتِ صانع
ہے تُو تو رعونت شکنِ مانی و بھزاد
نقشے میں ترے نکلے ہے اک قدرتِ صانع
جس نے کہ ترے چہرے کو دیکھا یہی بولا
اس صنع کے اوپر ہے بجا حسرتِ صانع
صانع کی ترے حسن سے ہرگز نہ جھکے آنکھ
گر حائلِ نظّارہ نہ ہو حیرتِ صانع
ہیں قائل نظارہ ترے گبر و مسلماں
کیا جانیے کیا ہو گئی ہے عبرتِ صانع

---

۱ - مطبوخ : (ع) جوشاندہ ۔

کس عضو کی تعریف کروں کون سی جاگہ
مصروفِ غوامض نہ ہوئی ہمت صانع
بازو ہی ترے گول بنائے نہیں اُس نے
نکلے ہے سراپا سے ترے قوت صانع
اے **مصحفی** ! گر دیکھے کوئی اُس کا سراپا
ہر عضو سے ٹپکے ہے پڑی فطرتِ صانع

ردیف غ

۲۰۴

ہے مرے سینے میں روشن داغِ فرقت کا چراغ
گل نہ ہو ہرگز الٰہی یہ محبت کا چراغ
بے نشاں اب ہو گیا ہوں میں وگرنہ پیش ازیں
تھا ترا نقشِ قدم ہی میری تُربت کا چراغ
داغ دے دل کو لیے پھرتا ہوں سب کے سامنے
میں نے اب اُس کو بنایا ہے زیارت کا چراغ
ہوتی ہے مشکوے[۱] شاہاں میں سخا سے روشنی
روسیاہ اس گھر کا جس میں ہو نہ ہمت کا چراغ
دل ہے یا بیت الحزن ہے جس میں اے گل! تجھ بغیر
شام سے لے صبح تک روشن ہے حسرت کا چراغ
دیدۂ گریاں نے روغن اشک کا ڈالا وہیں
داغ ہوکر جب جلایا دل[۲] نے الفت کا چراغ
احتیاجِ شمع کیا ہے **مصحفی** اپنے تئیں
ہے دلِ پُر سوز اپنا کنجِ خلوت کا چراغ

۱ - مشکوے : (ف) شاہی محل سرا -
۲ - دل سے : ح -

۲۰۵

کون کرے سیرِ باغ کس کو ہے اتنا دماغ
چاہیے دل کو فراغ ، تب ہو کہیں سیرِ باغ

ہاتھ سے ساقی کے ہوں کیوں نہ نظر دوختہ
دل کو میرے لے گئی گردشِ چشمِ چراغ

داغِ محبت جسے کہتے ہیں سب اہلِ درد
دھوئے سے جاتا ہے کب ہے یہ بھلاوے[۱] کا داغ

دیکھ کر تیری کمر کھوئے گئے ہیں زبس
منزلِ عنقا سے ہم کرتے ہیں اپنا سراغ

وقت خوش ان کا جو لوگ چھوڑ گئے خاکداں
کنجِ لحد کے تئیں سمجھے ہیں کنجِ فراغ

حال یہ سرکاروں کا اب کے امیروں کے ہے
دیگچے بے کار ہیں سرد پڑے ہیں اوجاغ

سیرِ چمن سے مجھے کام ہے کیا **مصحفی**
ہے دلِ پر داغ ہی حق میں میرے خانہ باغ

ردیف ف

۲۰۶

ابر کیوں کر ہو سکے اس چشمِ گریاں کا حریف
جس کا ہر اک قطرہ ہے آشوبِ طوفاں کا حریف

فصلِ[۲] گل آنے سے یہ کیسا ستم مجھ پر ہوا
ہاتھ میرا ہو گیا میرے گریباں کا حریف

---

۱ - بھلاویں : ح -
بھلاویں : ایک پھل کا نام جس کا داغ کبھی نہیں چھوٹتا - مجازاً کلنک کا ٹیکا -

۲ - فصل گل کے آنے سے یہ کیا ستم مجھ پر ہوا : ح -

کارخانے میں خدائی کے نہیں انساں کو دخل
مورچہ ہو جاوے ہے دم میں سلیماں کا حریف

ہاتھ میرا ہی رہے تھا شانہ کش دن رات ہائے
شانہ تھا کس روز اس زلفِ پریشاں کا حریف

یہ ستم آنکھوں سے اپنی ہائے کیوں کر دیکھیے
غنچہ اس منہ پر ہو ان لب ہائے خنداں کا حریف

آشنائی کا کسی سے کیجیے کیا اعتبار
دم میں ہو جاتا ہے یاں انساں ہی انساں کا حریف

کیوں عبث کھیلا ہے اپنی جان پر تو اے تدرو[1]
ہو نہیں سکنے کا اس سروِ خراماں کا حریف

رخ سے تیرے حسنِ یوسف ہے مقامِ عجز میں
ذرہ کیوں کر ہو سکے خورشیدِ تاباں کا حریف

---

۱ - تدرو : بہ‌قول مصنف غیاث‌اللغات تذرو ذال معجمہ سے ہے - دال سے غلط ہے - (غیاث‌اللغات ، ص۹۵) مؤلف فرہنگ عمید کہتے ہیں کہ یہ پرندہ بحر خزر کے ساحل پر پایا جاتا ہے - گوشت حلال ہے ، نر کی دم لمبی ہوتی ہے اور پر خوش رنگ ہوتے ہیں - ترکی میں قرقاول فارسی میں تورنگ - جوربور - چور ، چوز اور صحرائی خروس کہتے ہیں - عربی میں تدرج یا تذرج - (ترجمہ فرہنگ عمید، ص۳۷۶)- اردو لغات میں بھی 'تدرو' کو غلط کہا گیا ہے اور اس کا ترجمہ چکور بھی غلط ہے - لیکن شمس‌اللغات ج ۱ ، ص ۲۰۰ کے مؤلف نے تدرو لکھا ہے اور معنی کبک اور بہ قول بعض پہاڑی پرندہ جسے آتش خوار بھی کہتے ہیں - نیز برہان قاطع (ص ۱۰۲ مطبع علوی ۱۲۷۳ھ) میں بھی تدرو ہے - تدرو اصل متن میں قائم رکھا گیا ہے - (فائق)

روشنی کچھ اور ہے اور خوب روئی اور ہے
ہو سکا ماہِ فلک کب ماہِ کنعاں کا حریف

رات دن گردش میں ہے پر ہو نہیں سکتا ہنوز
دورِ دامانِ فلک اس دورِ داماں کا حریف

مصحفی کچھ تشنۂ خوں اس کا پیکاں ہی نہیں
دل بھی ہے پہلو میں میرے اُس کے پیکاں کا حریف

۲۰۷

اس نے جس دن سے کیا آنکھ لڑانا موقوف
ہو گیا ہم سے بھی اُس کوچے کا جانا موقوف

کشش عشق نہ ہو کیوں کہ زیادہ کہ کیا
اُس نے جالی سے بھی دیدار دکھانا موقوف

پردۂ شرم و حیا جب کہ دیا ہم نے اُٹھا
آخر اس نے بھی کیا منھ کا چھپانا موقوف

دیکھ لے گا جو کوئی تم کو تو پھر مشکل ہے
کیجے از بہر خدا بام پر آنا موقوف

میری تربت کا نشاں جب سے ملا ، ظالم نے
خاکِ تودہ پہ کیا تیر لگانا موقوف

چال اٹھکھیلی کی تم سے نہ گئی کیا کہیے
نہ ہوا تم سے غریبوں کا ستانا موقوف

مصحفی موسمِ گل دن ہیں جنوں کے ناداں
ان دنوں کیجے گریباں کا سلانا موقوف

ردیف ق

۲۰۸

عشق کیا ہے؟ تباہیِ عاشق
شرحِ اوقاتِ واہیِ عاشق
کتنا تاثیر سے پڑا ہے دور
نالۂ صبح گاہیِ عاشق
غازۂ روے خوب رویاں ہے
عشق، اے روسیاہیِ عاشق!
تیری آنکھیں ہوئی ہیں کیا ہی خجل
دیکھ کر کم نگاہیِ عاشق
کوئی آیا نہ محکمے[۱] کے بیچ
ہائے بہرِ گواہیِ عاشق
روزِ محشر پہ اب رہی موقوف
مصحفی داد خواہیِ عاشق

ردیف ک

۲۰۹

نادار ہوے ہیں ہم یہاں تک
مقدور نہیں ہمیں فغاں تک
کوئی[۲] ضبطِ نفس کرے کہاں تک
آتش ہے جگر سے اک زباں تک

---

۱ - محکمہ: (ع) عدالت - ۲ - بروزن فع -

اے آہِ سحر ! میں تجھ کو دیکھا
اک دن نہ گئی تو آسماں تک

اب ہم سے ضعیف و ناتواں کو
پہنچاوے ہے کون کارواں تک

اب' وہ جو گئے تو رہ گئے ہم
طاقت تھی بدن میں ہمرہاں تک

صیاد تو چھوڑ تو چمن میں
جاویں گے نہ اُڑ کے آشیاں تک

بلبل کی دعا ہے یہ کہ یارب
مجھ کو نہ جلائیو خزاں تک

کھانے کو مرے فلک کے ہاتھوں
اک خونِ جگر ہے سو کہاں تک

ق

اس رت میں جو چھوٹ کر نہ پہنچوں
جیتے جی اپنے آشیاں تک

پہنچائیو مشتِ پر کو میرے
اے بادِ صبا ! تو گلستاں تک

ق

اے آتشِ عشق ! شمع آسا
حاضر ہوں میں تجھ سے جسم و جاں تک

پر کام نہ مصحفی کا پہنچے
اس بزم میں داغِ امتحاں تک

---

۱ - بس : ح -

۲۱۰

یہ زلفِ سیہ روکشِ زنجیر ہے اب تک
آنکھوں پہ مری عالمِ تصویر ہے اب تک
یاں حسرتِ دل خوں میں ہوئی خاک بہ سر ہے
واں یارو مرے قتل کی تدبیر ہے اب تک
عالم میں نہیں ایک کہ سر جس کا رہا ہو
وہ ترکِ نگہ دست بہ شمشیر ہے اب تک

ق

ہر چند کہ ملتا تو نہیں اس سے میں برسوں
پر دل میں مرے دوستیِ میر ہے اب تک
کس واسطے اے مصحفی ! وہ خسروِ معنی
با لطفِ زباں بر سرِ تقریر ہے اب تک

ردیف گ

۲۱۱

چہرے پہ نازکی سے ہے جوشِ شکستِ رنگ
یہ تازہ گل ہے لالہ فروشِ شکستِ رنگ
کہتی ہے خلق رخ پہ ہے جوشِ شکستِ رنگ
حاشا کہ مجھ کو کچھ بھی ہو ہوشِ شکستِ رنگ
فندق اگر یہی ہے تو جاوے گا تا فلک
ہر برگِ گل سے آج خروشِ شکستِ رنگ
دیکھا ہے گرم کس نے جو رخسار پر مرے
جوشِ عرق کے ساتھ ہے جوشِ شکستِ رنگ

بے جنبشِ زباں ہی ترانے کو درد کے
پہچانتے ہیں نغمہ نیوشِ شکستِ رنگ
رکھتا ہے عضو عضو مرا دور یار سے
برگِ خزاں کی طرح خروشِ شکستِ رنگ
گل روپ ان کا دیکھیو چہرے جو آج ہیں
کاہش سے غم کی جلوہ فروشِ شکستِ رنگ
گزرے گا بزمِ غیر میں جو تم پہ شب ، سحر
آکر ہمیں کہے گا سروشِ شکستِ رنگ
ٹوٹا ہے دل کسی کا اس آہستگی کے ساتھ
پہنچے صدا[1] نہ جس کی بہ گوشِ شکستِ رنگ
اتنا میں ننگ ضعف ہوا ہوں کہ مصحفی
ہستی مری گراں ہے بہ دوشِ شکستِ رنگ

ردیف ل

۲۱۲

آئینہ ہوا اس رخِ زیبا کے مقابل
مہ ہو نہ سکے جس کی کفِ پا کے مقابل
ہر چند کہ نظروں سے تو غائب ہے ہمیشہ
نقشہ ہے مرے دیدۂ بینا کے مقابل
افسوس کہ یارو مجھے اس دل نے کیا ہے
اک ظالمِ خوں خوار کے لے جا کے مقابل
دل نام جو یک قطرۂ خوں بر میر ہے میرے
دن رات رہے ہے صفِ اعدا کے مقابل

۱ - اصل متن میں ''مدا'' مین سے تھا جو سہو کاتب معلوم ہوا اس لیے ''صدا'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

آ جائیے رونے پہ تو ہر ایک مژہ سے
دریا ہی رواں کیجیے دریا کے مقابل
دنیا طلب اس بات سے غافل ہیں صد افسوس
اور پرورش دین ہے دنیا کے مقابل
ہرچند کہ دل غنچۂ تصویر ہے میرا
پر وسعت دل اپنی ہے صحرا کے مقابل
ہے عید کا دن آج تو لگ جاؤ گلے سے
جاتے ہو کہاں جان مری آ کے مقابل
ہر چند زلیخا کی وہ آنکھیں نہیں، تو بھی
تصویر ہے یوسف کی زلیخا کے مقابل
ہوتے ہیں دلِ مردہ، مرے شعر سے زندہ
یہ سحر ہے اعجاز مسیحا کے مقابل
کیا تاب ہے جو سنبلِ گلزار ارم ہو
اے **مصحفی**! اُس زلف چلیپا کے مقابل

۲۱۳

ہے گرفتاریِ دل باعث بیماریِ دل
ہوں نہ بیمار میں گر ہو نہ گرفتاریِ دل
مثل زنجیر گرہ اس میں پڑی ہیں لاکھوں
بس کہ یہ زلف ہے زحمت کش بسیاری دل
زخم دل رُو بہ شفا ہے کہ ہوا ہے آ کر
زنگ پیکاں کا ترے مرہم زنگاری دل
اُس کے کوچے میں دل اپنے کو میں شب کھو آیا
کیا کہوں ہو نہ سکی مجھ سے خبرداری دل

کیا بیاں اس کا کروں میں مجھے شرم آتی ہے
عشق میں تیرے ہوئی جان جو کچھ خواریِ دل
فائدہ کچھ نہیں بس دل میں سمجھ لے اپنے
پوچھ مت مجھ سے میاں موجبِ بیزاریِ دل
میں تو جاتا ہوں چلا ، نالہ یہ کہہ کر کیجو
تجھ سے اے آہ ! اگر ہووے ہواداریِ دل
مصحفی آس کو میں سرگرمِ وفا پاتا ہوں
اِن دنوں کچھ تو ہوا ہے اثرِ زاریِ دل

۲۱۲

کیا شوق میں ہیں نعرہ زناں قمری و بلبل
اے[۱] کاش سنیں میری فغاں قمری و بلبل
بہتر ہے تمھارا بھی جو آنا ہو کہ شب یاں
ہے مجمعِ آتش نفساں قمری و بلبل
کیا کرتے ہو ، آتا ہے وہ گل سیرِ چمن کو
ٹک بند کرو اپنی زباں قمری و بلبل
آنے سے خزاں کے نہ رہا باغ میں کوئی
کیدھر ہے گل و سرو ، کہاں قمری و بلبل
اے سرو رواں ! غنچہ دہاں ! یاد میں تیری
رہتے ہیں ہمیشہ نگراں قمری و بلبل
صیّاد ذرا دیکھیو اس باغ میں ہر سو
کیا پھرتے ہیں پرواز کناں قمری و بلبل

۱ - اک دم تو سنیں : ح -

جو کچھ کہ صنوبر[1] نے کہا گل سے وہ قصہ
کرتے ہیں بہت خوب بیاں قمری و بلبل
اے مصحفی ! لے جا کے مرا شعر تو پڑھیو
ہوں زمزمہ پرداز جہاں قمری و بلبل

۲۱۵

دن رات ہیں میرے دل کے دلبال
صدقے میں ترے گھنے گھنے بال
پھر زلف کے پیچ میں پھنسا ہوں
پھر عشق ہوا ہے جی کا جنجال
کرتے ہی نہیں وفا جو خوباں
شہر آن کے میں کیا وفا کا ہے کال ؟
صدقے میں ترے نہ میں نے پایا
یہ حسن ، یہ چہرہ ، یہ خط و خال
جی جاؤں میں اے مسیحِ دلہا !
گر رحم ہو تجھ میں نیم مثقال
غافل نہ مری طرف سے رہنا
بیمار ترا ہوں خستہ احوال
اے مصحفی ! ہے زمیں یہ آساں
تو اک غزل اور بھی تو لکھ ڈال

---

۱ - ''گل با صنوبر چہ کرد'' فارسی قصہ ہے جس کا ترجمہ اردو میں ''گل و صنوبر'' کے نام سے ہوچکا ہے - (فائق)

۲۱٦

عالم[1] کو کیا ہے تو نے پامال
عالم سے جُدی ہے کچھ تری چال

ق

آزاد کیا قفس سے مجھ کو
صیّاد نے کر کے بے پر و بال

انصاف کرو کوئی تو یارو
کس طرح آڑوں میں خستہ احوال

تعویذ بنا رکھوں میں لے کر -
ہاتھ آوے گر اُس کی زلف کا بال[1]

سب یار چلے گئے ، میں تنہا
سر ماروں ہوں کارواں کے دنبال

کب لب سے ترے ملے مرے لب
مجھ کو تو یہ آرزو ہے اشکال

یہ بس ہے کہ منہ سے منہ ملا دے
حقّے کا[2] ترے صنم یہ منہ لال

ہے ایک تو قہر چھِپٹی رنگ
تس پر یہ غضب ہے کیسری شال

پونچھا ہے جو میں نے اشکِ خوں کو
ہو گئی[3] ہیں مری یہ پُتلیاں لال

---

۱ - ن ، ح میں مصرعوں کی ترتیب اُلٹی ہے -
۲ - ک : ح ، کال -   ۳ - بر وزن فعلن -

فرقت[1] میں تری گزرتے ہیں یاں
اک اک ساعت برابر اک سال

ق

بالوں نے تیرے سر[2] پہ میرے
مارا ہے عجب طرح کا اک جال

جس سے نہ تجھے ہی ہے رہائی
نہ میرے ہی جی کا جائے جنجال

کیوں کر نہ میں ماہِ نو کو دیکھوں
دیتا ہے کسی کی یاد خلخال

---

۱ - مصرع اول : ''فرقت میں تری گزرتے ہیں یاں'' بروزن مفعول مفاعان مفاعیل ہے ، یعنی بحر ہزج مسدس صدر ، اخرب - عروض مقصور ، حشو مقبوض -
مصرع ثانی : ''اک اک ساعت برابر اک سال'' -
اس کی تقطیع ''مفعوان فاعلن مفاعیل'' ہوگی ، یعنی بحر ہزج مسدس ابتدا ، اخرب - خرب ، مقصور - حشو مقبوض محبق - مرتب کا نوٹ ہے کہ ''سال'' سے پہلے لفظ ''اک'' نسخہ حیدر آباد میں نہیں ہے ، اس صورت میں : ''اک اک ساعت برابرِ سال -''
تقطیع یوں ہوگی : اک اک سا مفعولن۔ عت برا فاعلن - برِ سال مفاعیل -
(دیکھیے تفصیلات کے لیے : ''قواعد العروض'' از قدر بلگرامی صفحہ ۱۴۱ ، ۱۴۲ - ''تقویت الشعرا'' از امام الدین طالب صفحہ ۱۶ - ''بحرالفصاحت'' از نجم الغنی صفحہ ۱۹۱ ، ۱۹۲) -
۲ - ترے ہی سر پر : کہاں -

خوں اس کا حذر[1] کیا میں تجھ[2] کو
یہ بات نہیں ہے اتنی اشکال
گر قتل ہے مصحفی کا منظور
کیا دیر ہے اس میں ، اٹھیے فی‌الحال

۲۱۷

دل میں جب[3] عشق کی اٹھی ہے شول[4]
شعر کہنا بھی میں گیا ہوں بھول
منہ سے نکلے ہے گر کوئی مصرع
شعر بھی کیا ہوے ہے آول جلول
بے حواسی سے سب فراموش ہیں
یاد تھے جتنے شاعری کے اصول

ق

مجھ کو شاعر نہ اب کہو ، مجھ میں
عشق کے دیو نے کیا ہے حلول

---

۱ - جدا : ح -
۲ - تم کو : ح ، کمال -
۳ - یہ : ح ، ل -
۴ - اصل متن میں 'شول' - صحیح 'سول' ہے -
سول : (۵) مذکر - (ہندو) ۱ - کانٹا - ۲ - پیٹ کا درد - ۳ - مؤنث - برچھی کی نوک - (نوراللغات ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱۶)
اسم مذکر : ۱ - کانٹا ، خار - ۲ - انی ، سنان ، برچھی کی نوک - ۳ - درد شکم ، پیٹ کا درد ، باؤگولا ، درد قولنج - ۴ - چبھن ، ہول - ۵ - ترسول - (۶ - ف) (دیکھو سور گھوڑے کا رنگ) - (فرہنگ آصفیہ ، جلد سوم ، صفحہ ۱۲۹)

تب تو دیوانہ وار بکتا ہوں
تب تو کہتے ہیں لوگ مجھ کو فضول
گرچہ میں جانتا ہوں یہ کہ نہیں
اشک[1] و حسرت سوا کچھ اس میں حصول
لیک میں کیا کروں جو خسروِ عشق
خود کرے آکے ملکِ دل میں نزول
دیکھ کر وصل و ہجر کا عالم
کبھی خوش ہوں تو پھر کبھی ہوں ملول
آہ کے بال و پر جلے ہیں وہاں
دل کی خواہش ہے درمیاں میں رسول
یوں تو تھے گلستانِ گیتی میں
اور بھی رنگ رنگ کے گل پھول
پر[2] میں کیا جانوں کیا ادا ہے وہ
مجھ سے کرتی ہے اشک خوں کو وصول
مصحفی دیکھوں ہووے کیا انجام
اب تو ذلت کو میں کیا ہے قبول

۲۱۸

تھا آپ ہی دیوان مرا نامۂ اعمال
کاہے کو فرشتوں نے لکھا نامۂ اعمال
اے آہ ! اثر دیکھ لیا بس میں ترا بھی
اک روز نہ آتش میں جلا نامۂ اعمال

---

۱ - ہر جگہ رشک -
۲ - ن ، ل میں مصرعوں کی ترتیب غلط ہے -

نامے کو ہوا دے کے مرے یوں وہ کہے تھا
جاتا ہے کسی کا یہ اُڑا نامۂ اعمال

آنکھوں سے مری شب جو گرے اشک ندامت
پانی میں طرح کف کی بہا نامۂ اعمال

کیا دی ہے فرشتوں کے تئیں خفیہ نویسی
جو خفیہ وہ لکھتے ہیں سدا نامۂ اعمال

ہے شورِ جنوں موجبِ آمرزشِ مجنوں
یاں ساتھ گریباں کے پھٹا نامۂ اعمال

کیا روزِ قیامت ہے جو کوچے میں بتاں کے
اُڑتا ہوا پھرتا ہے مرا نامۂ اعمال

پڑھتا نہیں یوں خط کو مرے وہ بت کافر
جوں عاصی سے جاوے نہ پڑھا نامۂ اعمال

کیا[1] روزِ قیامت مجھے اس رخ نے دکھایا
لا ہاتھ میں زلفوں نے دیا نامۂ اعمال

کیا فائدہ رکھتا ہے گنہگار کا جینا
جوں جوں کہ بڑھی عمر، بڑھا نامۂ اعمال

اے **مصحفی**! اس اشکِ پشیمانی سے اپنے
افسوس کہ دھویا نہ گیا نامۂ اعمال

۲۱۹

چمنِ دہر میں غم ناک ہیں ہم اور بلبل
مثلِ گل با دلِ صد چاک ہیں ہم اور بلبل

آتشِ گل کا بھڑکنا جو یہی ہے تو نسیم
ایک دن دیکھیو تو خاک ہیں ہم اور بلبل

---

۱ - کب : ح :

بوسہ عارض گل کیوں کہ دلیرانہ نہ لیں
شیوۂ عشق میں چالاک ہیں ہم اور بلبل

نسبت عشق ہے آپس میں ہماری ہی[1] درست
آشنائے نظر پاک ہیں ہم اور بلبل

اپنے معشوقوں کے دامن سے لپٹ جاتے ہیں
مصحفی عاشق بے باک ہیں ہم اور بلبل

۲۲۰

مزہ ہے ، ہووے گر چپکے ہی چپکے مدعا حاصل
کسی نے گر کیا معلوم راز دل تو کیا حاصل

مری نظارہ گہ میں آکے گر دشمن مرا بیٹھا
کیا نظارہ میرا اس میں اس کو کیا[2] ہوا حاصل

رکھا سر کاٹ کر قاتل نے میرا نوک نیزہ پر
ہوا بعد از شہادت کے مجھے یہ مرتبا حاصل

اجل بھی سامنے آتے ہوئے اس کی تو ڈرتی ہے
کرے کیونکر کوئی قاتل سے ایسے خوں بہا حاصل

یہی ہوتی ہے شاید راہ و رسم دوستی ، ہے ہے
ستانے سے ہمارے تو ہی کہہ کیا بے وفا حاصل

ہمیں دنیا میں جیتے جی تو کچھ حاصل نہیں ہوتا
مگر ہووے ہمارا مدعا بعد از فنا حاصل

عبث میاں[3] **مصحفی** ہر لحظہ تم اس کُو میں جاتے ہو
اسے پرواہ[4] تمھاری کب ہے ، یہ باتیں ہیں لاحاصل

---

۱ - بھی : ح -
۲ - ہوا کیا حاصل : ح -
۳ - بروزن فع -
۴ - اصل متن میں "پرواہ" ہے "پروا" پڑھا جائے -

ردیف م

۲۲۱

دیکھ آئنے میں زلف کو جھجکا نہ کرو تم
لڑکے ہو ، مگر آپ کو رسوا نہ کرو تم
ایسا ہی اگر زلف سے ڈر لگتا ہے تم کو
تو جان مری آئنہ دیکھا نہ کرو تم
بات اس کی میں بولوں ہوں توجھنجلا کےوہ کافر
کہتا ہے ''مری بات میں بولا نہ کرو تم"
پچھتاؤ گے آواز تو پہچانو کسی کی
دروازہ رخ غیر پہ کھولا نہ کرو تم
کیوں دیتے ہو ایذا مجھے ، کیا خو ہے تمھاری
پہلو میں مرے آن کے بیٹھا نہ کرو تم
کیا جانیے آجاوے وہیں کیا مرے' جی میں
بن ٹھن کے مرے سامنے آیا نہ کرو تم
یارو جو میں دل اپنا گنوایا تو تمھیں کیا
جانے بھی دو اس بات کا چرچا نہ کرو تم
سنتے[۲] ہو میاں **مصحفی** اس رونے سے حاصل
رو رو کے عبث آنکھوں کو دریا نہ کرو تم

---

۱ - ترے : ح -
۲ - ن ، ح میں مقطع سے پہلے یہ شعر زائد ہے :
آنکھوں کا خمار اور بھی ہوتا ہے زیادہ
مے پی کے میاں اتنا بھی سویا نہ کرو تم

۲۲۲

صرف مشتاق ہیں اک تیری ملاقات کے ہم
آرزومند نہیں اور کسی بات کے ہم
موردِ شانِ تغافل جو ہوے خوباں کے
کیا سزاوار نہ تھے لطف و عنایات کے ہم؟
آفتیں اور زمانے میں مگر تھوڑی تھیں
متحمل جو ہوے عشق کی آفات کے ہم
کوند بجلی کی کلیجے سے نکل جاتی ہے
تجھ بن ان صدموں سے دن کاٹیں ہیں برسات کے ہم
کون سی چیز کے ہم ساتھ نہیں ہوتے ہائے
بزمِ خوباں میں نشانی ہیں اشارات کے ہم
دمِ شمشیر پہ کٹتے ہیں ہمارے شب و روز
بندے ہیں اپنی بھی باریکیِ اوقات کے ہم
مصحفی جاتے ہیں اب گھر کو ذرا سوویں گے
ہے خمار آنکھوں میں جاگے ہوے ہیں رات کے ہم

۲۲۳

کیوں تیوری چڑھی رہتی ہے اب کچھ نہیں معلوم
اس رنجش بے جا کا سبب کچھ نہیں معلوم
اک سرخی سی چہرے پہ ہے اُس شوخ کے لیکن
اب تک تو ہمیں وجہِ غضب کچھ نہیں معلوم
دروازے شبِ وصل یہ میں بند کیے ہیں[۱]
کیوں کر کٹے، کیا جانے یہ شب کچھ نہیں معلوم

---

۱ - تھے : ح -

بجلی سی گئی کوند جو شب بزم بتاں میں
کیدھر سے ہوئی جنبش لب کچھ نہیں معلوم

باریک خیالاں ترے اوصاف کمر میں
حیران تبھی تو ہیں کہ جب کچھ نہیں معلوم

اس مرتبہ بگڑا تو نہ تھا ذائقہ میرا
کیوں تلخ لگی[1] آب عنب کچھ نہیں معلوم

ہم روز ازل سے ہیں بنے عشق کے پُتلے
دنیا کا ہمیں تاب و تعب کچھ نہیں معلوم

تقطیع نے سینے کی گریباں تو اڑائے
اب لاوے ستم کیا تری چھب ، کچھ نہیں معلوم

الماس کے آویزے ہیں جن کے انھیں ہے ہے
دردِ دل الماس طلب کچھ نہیں معلوم

با نام و نشاں تھے وہ یہ ہیں جن کی مزاریں
ہرچند کہ اب ان کا نسب کچھ نہیں معلوم

دیوانہ سا جاتا ہے چلا **مصحفی** اس پاس
ناداں کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم

۲۲۴

کس راہ گیا لیلیٰ کا محمل نہیں معلوم
ہے بادیہ ریگ اور ہمیں منزل نہیں معلوم

میں حشر کے دن دعوئ خوں کس سے کروں گا
وہ کشتہ ہوں جس کشتے کا قاتل نہیں معلوم

---

۱ - لگا : ح -

نکلیں ہیں مرے دل کے تڑپنے میں ادائیں
ہے کس کی نگاہوں کا یہ بسمل نہیں معلوم
تھا روے دل خستہ تو شب میری طرف کو
کب ہوگیا مژگاں کے مقابل نہیں معلوم
وہ بحر ہے دریاے سرشک اپنا کہ جس کا
پہنا[۱] ہی نظر آوے ہے ساحل نہیں معلوم
مر جاؤں کہ جیتا رہوں میں ہجر میں تیرے
کس چیز کا خواہاں ہے مرا دل ، نہیں معلوم
آنکھوں سے گزارا ہے جو یوں لخت جگر کا
آتے ہیں چلے کس کے یہ گھائل نہیں معلوم
کیا جانیے کیا اس میں تری آنکھوں نے دیکھا
کیوں ہوگئیں آئنے کی مائل نہیں معلوم
اے **مصحفی** ! افسوس کہ اس سعی پہ ہم کو
تحصیل وفاداری کا حاصل نہیں معلوم

۲۲۵

کب خوں میں بھرا دامن قاتل نہیں معلوم
کس وقت یہ دل ہوگیا بسمل نہیں معلوم
اس قافلے میں جاتے ہیں محمل تو ہزاروں
پر جس میں کہ لیلٰی ہے وہ محمل نہیں معلوم
درپیش ہے جوں اشک سفر ہم کو تری کا
دن رات چلے جاتے ہیں منزل نہیں معلوم

---

۱ - پہنا : (ف) عرض -

حیران[1] ہیں ہم اس کے معاے دہن میں
کیوں کر کھلے یہ عقدۂ مشکل نہیں معلوم

اے **مصحفی!** جل بھن کے ہوا خاک میں سارا
دکھلاوے گی اب کیا تپشِ دل نہیں معلوم

۲۲٦

خط ،/ ہے سبزہ زار کا عالم
رخ پہ ہے نوبہار کا عالم

کس کی نرگس ہے آنکھ جو اس میں
نکلے ہے انتظار کا عالم

برق و سیماب نے کہاں پایا
اس دلِ بے قرار کا عالم

جل گئی شمع دیکھ عاشق کے[2]
دیدۂ اشک بار کا عالم

خاکسارانِ دہر سے ہے جدا
اس ترے خاکسار کا عالم

نکلے ہے اس کی زلفِ پُرخم سے
سنبلِ تاب‌دار کا عالم

گرچہ ہیں قہر سادی آنکھیں بھی
پر غضب ہے خمار کا عالم

---

۱ - ن ، ح میں یہ شعر زائد ہے :
آتے ہیں جو نظروں میں طلسمات ہزاروں
یہ آئنہ کس کے ہے مقابل ، نہیں معلوم

۲ - کو : ح -

آگے آنکھوں کے میری پھرتا ہے
وہ ہی رفتار یار کا عالم
مصحفی روزگار کیا کہیے
کہ نہیں روزگار کا عالم

۲۲۷

شمع رو ایسے کے پروانے ہیں ہم
اس فراست کے بھی دیوانے ہیں ہم
الغرض جو کچھ ہیں تیرے ہیں میاں
آشنا ہیں یا کہ بیگانے ہیں ہم
کیا کریں اتنی سی ہستی کا گھمنڈ
اس چمن میں اوس کے دانے ہیں ہم
عاشقی کا نشہ ہم میں ہے بھرا
بادۂ الفت کے پیمانے ہیں ہم
اس عمارت پر نہ کر منعم غرور
ہم سے عبرت لے کہ ویرانے ہیں ہم
ان پری رویوں سے ہووینگے خفا
مصحفی کیا ایسے دیوانے ہیں ہم

۲۲۸

نظروں میں تیری پیارے گو بے وقار تھے ہم
اس پر بھی جان و دل سے خدمت گزار تھے ہم
سودا کیا نہ تو نے ہم ساتھ دوستی کا
واللہ تو ہی چوکا حد مایہ دار تھے ہم
داماں و جیب اپنا گریہ سے سب چمن تھا
تو سیر کو نہ آیا ابر بہار تھے ہم

آتے تھے پاس تیرے جو دوڑ دوڑ ہر دم
کم بخت دل کے ہاتھوں بے اختیار تھے ہم
گالی بھی ان لبوں کی قسمت سے اڑ گئی ہائے
بوسے کے جن لبوں سے امیدوار تھے ہم
تھا اعتبار اپنا تیری ہی ہمدمی سے
بس تو نے منہ جو موڑا بے اعتبار تھے ہم
قدر اس کی تو نے ناداں افسوس کچھ نہ جانی
ہر' چند دل سے تجھ پر پیارے نثار تھے ہم
ملنے سے تو ہمارے ناگہ جو رک گیا یوں
خاطر پہ تیری شاید ان روزوں بار تھے ہم
پیکانِ غمزہ تیرا دل میں لیے پھریں تھے
جاتے تھے جس طرف کو تیرے شکار تھے ہم
صیدِ زبوں سے اپنے کیوں تو نے منہ کو موڑا
اس پر بھی کام کے تھے لاغر ہزار تھے ہم
اے **مصحفی**! تصور اس کا جو بندھ گیا تھا
باصد ہزار حسرت شب ہم‌کنار تھے ہم

۲۲۹

کب لگ سکے جفا کو اس کی وفائے عالم
ہے جس کا ہر کرشمہ صبر آزمائے عالم
محتاج پھر جہاں میں کوئی نظر نہ آتا[۲]
کرتا خدا جو مجھ کو حاجت روائے عالم

---

۱ - ہر چند جان و دل سے تجھ پر نثار تھے ہم : ح -
۲ - آیا : ح -

ہم کوتو کچھ نہ سوجھا آوے وہی دکھادے
دیکھا ہو گر کسی نے کچھ یاں ورائے عالم

عالم اگر ہے حادث تو مجھ کو تو بتا دے
کیوں اب تلک[۲] ہے وہ ہی نشوونمائے عالم

کوئی[۳] کچھ ہی سمجھے اس کو پر اپنی آنکھ میں تو
ساتھ اس حدوث کے ہے ثابت بقائے عالم

وہ ہی[۴] نظر میں اپنی اس وقت جلوہ گر ہے
عالم جو کچھ کہ ہوگا بعد از فنائے عالم

دیوانے تیرے خبطی کہلاتے ہیں جہاں میں
عالم جو ہے ہمارا سو ہے ورائے عالم

آنکھیں تو تجھ کو دی ہیں ٹک دیکھ تو سہی تو
ہے رات کس کے قد پر چسپاں قبائے عالم

عالم میں اور ہم میں اک طرفہ رفتگی ہے
عالم فدا ہے ہم پر ، ہم ہیں فدائے عالم

ہم ابتدا کی پوچھیں پھر بیٹھ کر حقیقت
ہم کو کوئی بتا دے گر انتہائے عالم

کیا لطف عاشقی کا اب رہ گیا ہماری
یاں آخر جوانی ، واں ابتدائے عالم

کس غنچہ لب کی مجھ کو یاد آ گئی ہے اس دم
جو تنگ ہو گیا ہے مجھ پر فضائے عالم

---

۱ - ہمیں : ح -   ۳ - بر وزن فع -
۲ - اب تلک وہی ہے : ح -   ۴ - بھی : ح -

ایسے سے داد خواہی محشر میں پھر ستم ہے
ہر ایک غمزہ جس کا ہو خوں بہائے عالم
کب دادکو کسی کی پہنچا وہ روئے دلکش
ہم نے تو اس کو پایا حسرت فزائے عالم
ہیں مصحفی ہم اب تو مانند حادثے کے
دیکھیں ٹلے ہے کس دن سر سے بلائے عالم[1]

۲۳۰

صرف گریہ کا ہوا ہے اثرِ نالہ تمام
ہیں جگہ اشک کی اب چشم میں تبخالہ تمام
گھل گئے گرتے ہی ہم چشمِ فلک سے اس طرح
بات کہتے ہی میں ہو جائے ہے جوں ژالہ تمام
گل تو تشبیہ ہے کیا لختِ جگر سے میرے
چشم بددور یہ آتش کے ہیں پرکالہ تمام
تیری مہندی کے شہیدوں کا جہاں مدفن ہے
جس طرف دیکھیے واں پھولے ہیں گل لالہ تمام
جب سے لگوائی ہے تو نے یہ تمامی کی سنجاف
دورِ دامن ہے ترا شعلۂ جوّالہ تمام
شوق رکھتا ہے یہ کس مہ کی ہم آغوشی کا
شکل آغوش فلک پر ہے جو اب ہالہ[2] تمام

---

۱ - ن ، ح میں یہ شعر زائد ہے :
جب عالمِ حیا سے بیگانہ وہ نگہ تھی
پاتے تھے تب بھی اس کو ہم آشنائے عالم
۲ - نالہ : ح -

مصحفی جب سے مرا شہرہ گیا مشرق کو
میرے اشعار کا مشتاق ہے بنگالہ تمام

۲۳۱

کیا دل میں ترے کس گل کی خوبی نے اثر شبنم
جو تُو رہنے لگی شام و سحر با چشم تر شبنم
لڑی موتی کی یوں اس کان میں ہے ساتھ نیلم کے
رہے سوسن کے پتی پر[1] کبھی جوں جھول کر شبنم
کیا ہے کون سے گل نے تجھے کم بخت رنجیدہ
پڑی روتی ہے کیوں آٹھ آٹھ آنسو خاک پر شبنم
وداعِ گل کا عالم ہم نے کل گلشن میں دیکھا تھا
کھڑی روتی تھی[2] منھ پھیرے اِدھر بلبل اُدھر شبنم
غنیمت جان لے یہ صحبتِ شب صبح کے ہوتے
نہ پاوے گی تو ہرگز اپنی ہستی کا اثر شبنم
سنا اس نے جو درد آلود نالہ مرغِ خوش خواں کا
ہوا سارا چمن سیراب، روئی اس قدر شبنم
نہیں اے **مصحفی**! وہ آب و رنگ اس سال گلشن میں
خزاں آہی[3] گئی پودے کہاں گل اور کدھر شبنم

۲۳۲

سیراب آبِ جُو سے قدح اور قدح سے ہم
سر خوش گلوں کی بو سے قدح اور قدح سے ہم
مکھڑے پہ ہے گلال جو اُس مستِ ناز کے
رنگیں ہے عکسِ رو سے قدح اور قدح سے ہم

۱ - میں : ح -
۲ - تھیں : ح -
۳ - آئی گئی : ح ، ل -

پیرِ مغاں کرم ہے جو سیراب ہو سکے
تیرے یہ وضو سے قدح اور قدح سے ہم
بزمِ شراب رقص کی مجلس سے کم نہیں
ناچے ہے پرملو[1] سے قدح اور قدح سے ہم
حلقے نہیں یہ زلف میں ساقی کے بلکہ ہے
وابستہ مو بہ مو ہے قدح اور قدح سے ہم
حرمت گئی[2] شراب کی یاں تک کہ کھنچ رہا
زاہد کی گفتگو سے قدح اور قدح سے ہم
شیشہ جو پھوٹ جائے تو پھوٹے، ولے نہ ہو
یارب جدا سبو سے قدح اور قدح سے ہم
وہ تفرقہ پڑا کہ بہت دور رہ گیا
دستِ پیالہ جو سے قدح اور قدح سے ہم
اے مصحفیؔ! ہمیں توگواوہ نہیں یہ پیش (نیش؟)
نوش اس کے لب سے چوسے قدح اور قدح سے ہم

۲۳۳

میری آنکھوں میں تو ہو رشکِ گلِ خنداں تم
خوب رو چشمِ خلائق میں نہیں چنداں تم
مارے خجلت کے چھپا لے گھرِ انجم کو
شب کو دکھلاؤ گر اپنے گہرِ دنداں تم

---

۱ - پر ملو : ایک قسم کا ناچ :
میر حسن : کبھی پرملو میں دکھاتی ادا
کہ جیوں ٹوٹ کر ہووے بجلی ہوا
(نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۸۳)

۲ - حرمت نہ کی : ح

سیکڑوں کھینچتے ہو رنگ حنا کی تحریر
طرزِ خوبی میں ہو استاد حنا بندان تم
حق میاں **مصحفی** جیتا[1] رکھے تم کو تا دیر
کیونکہ ہو روشنیِ بزمِ خردمنداں تم

۲۳۴

ہر دم کو سمجھتے ہیں دم بازپسیں ہم
غافل تو ہوا ہم سے ذرا بھی تو نہیں ہم
گر شوخیِ رفتارِ بتاں یہ ہے تو ہرگز
آرام سے سونے کے نہیں زیرِ زمیں ہم
پہلا سا مزا اب نہ رہا عشق کہن میں
پھر دل کو نئے سر سے لگاویں گے کہیں ہم
مر جاویں گے ، گو ہم سے کہیں منھ نہ چھپانا
جیتے ہیں تجھے دیکھ کے اے زہرہ جبیں ! ہم
ان روزوں تو پاتے ہیں دماغ عرش پہ اپنا
ملتے ہی ترے بھول گئے اپنے تئیں ہم
مانند صبا پھرتے ہیں ہم[2] کوچہ بہ کوچہ
رکھتے ہی نہیں خانہ کہ ہوں خانہ نشیں ہم
زلفیں تری کہتی ہیں کہ ہم دل کو اڑا لائیں
آنکھیں تری کہتی ہیں کریں غارت دیں ہم
کاجل کا تل اس چشم کے گوشے میں کہے ہے
کیا خوب زمانے سے ہوے گوشہ گزیں ہم

---

۱ ۔ جیتا تمھیں رکھے تا دیر : ح ۔
۲ ۔ نت : ح ۔

میاں، مصحفی گر دیدۂ تحقیق سے دیکھیں
ہیں ہر طرف اس آئنہ خانے میں مکیں[2] ہم

[3]۲۳۵

یادگارِ گزشتگاں ہیں ہم
خوب دیکھا تو پھر کہاں ہیں ہم

شمع کی طرح بزمِ گیتی میں
داغ بیٹھے ہیں اور رواں ہیں ہم

رہے جاتے ہیں پیچھے یاروں سے
گردِ دنبالِ کارواں ہیں ہم

رکھ نہ خنجر کو ہاتھ سے قاتل
تیرے کشتوں میں نیم جاں ہیں ہم

آبیارِ سخن ہے اپنی زباں
لفظ و معنی کے باغباں ہیں ہم

تو ہی تو ہے جو خوب غور کریں
ایک دھوکا سا درمیاں ہیں ہم

دعوتِ تیغ کے تو قابل ہیں
گو کہ اک مشتِ استخواں ہیں ہم

رنگ رخ پر ہماری زردی سے
نظر آتی ہے، کیا خزاں ہیں ہم

گو کیا ہم کو سرد پیری نے
پر ابھی طبع میں جواں ہیں ہم

---

۱ - بر وزن فع -   ۲ - ہمیں : ح -
۳ - ن ، ح میں یہ غزل زاید ہے -

اور بھی ہم کو رہنے دے چندے
گو تری طبع پر گراں ہیں ہم
باغباں اب چمن سے جاویں کہاں
بلبلِ کہنہ آشیاں ہیں ہم
مصحفی شاعری رہی ہے کہاں
اب تو مجلس کے روضہ خواں ہیں ہم

ردیف ن

۲۳٦

وابستۂ بہارِ طرب غم بہت ہے یاں
ہنسنے کو گل تو رونے کو شبنم بہت ہے یاں
چھیڑا میں کس بہانے سے رات آس کی زلف کو
ہے واسط اس جگہ پہ میاں خم بہت ہے یاں
جوں خط سیاہ پوش ہوں کیوں کر نہ عاشقاں
جانے کا تیرے حسن کے ماتم بہت ہے یاں
ہے مجھ کو کج کلاہوں سے ربطِ حباب و موج
صحبت رہی گراں سے کوئی دم بہت ہے یاں
کوے بتاں کی پوچھے کوئی مصحفی سے راہ
کس واسطے کہ سب سے وہ محرم بہت ہے یاں

۲۳۷

دنیا ہے جاے رنج و محن ، غم بہت ہے یاں
مرتا نہیں ہے ایک ، پہ ماتم بہت ہے یاں
نازک نہال جتنے ہیں دلّی کے ، قہر ہیں
یعنی قدم قدم پہ خم و چم بہت ہے یاں

اے دل ! تمام عمر تو یاں کون خوش رہا
گزرے خوشی کے ساتھ جو یک دم بہت ہے یاں
زلفوں کے پیچ سے ہی نکلنا ہے اب بھلا
یعنی کہ حال اپنا تو درہم بہت ہے یاں
آتی ہے مجھ کو خاک کے مُردوں سے یہ صدا
آ **مصحفی** کہ اور بھی عالم بہت ہے یاں

۲۳۸

مرتے ہیں جان ہم تو ترے اشتیاق میں
رکھیو خبر ، گزر ہی نہ جاویں فراق میں
راتوں کو آنکھ اٹھا کے ذرا دیکھ تو سہی
کیا شکلیں جلوہ‌گر ہیں فلک کے رواق میں
اتنا نہ دشمنی پہ کمر باندھ ، آ ، سمجھ
اس طرح جانیں جاتی یہاں ہیں فراق[1] میں
حلقے میں کان کے نہیں جا پائی اب تلک
لٹکا رکھا ہے اس نے گھر کو بُلاق میں
قاصد نے خط دیا جو مرا اس کو **مصحفی**
پڑھ کر لفافہ پھینک دیا اس نے طاق میں

۲۳۹

جی چاہتا ہے وعدۂ دیدار ہو کہیں
گو اس میں میں کہیں ہوں وہ دلدار ہو کہیں
گرما زدہ ہم آتے ہیں صحرائے عشق سے
ٹک بیٹھیے جو سایۂ دیوار ہو کہیں

---
۱ ۔ نفاق : ح ۔

اب تو یہی دعا ہے مری دامِ عشق میں
میری طرح سے تو بھی گرفتار ہو کہیں
رکھا ہے پھر زمیں پہ قدم تو نے ان دنوں
ڈرتا ہوں میں کہ فتنہ نہ بیدار ہو کہیں
آیا ہے پشت بام پہ پھر ماہ چاردہ
غرفے سے ٹک تو تو بھی نمودار ہو کہیں
جی چاہتا[1] ہے اپنا بھی ٹک دیکھیے اگر
آبِ رواں و سبزہ و گلزار ہو کہیں
دل ہے مری بغل میں وہ جنس آہ **مصحفی**
جس جنس کا نہ کوئی خریدار ہو کہیں

۲۲۰

دروازہ نہ تھا اس کا تو جاے سگ و درباں
عاشق کے لیے ہے[2] یہ بلاے سگ و درباں
از بس میں انھیں دی ہے اذیت، مرے حق میں
مر جائے کہیں، ہے یہ دعاے سگ و درباں
کوچے میں ترے کی ہے بسر عمر جو ہم نے
اک عمر اٹھائی ہے جفاے سگ و درباں
پھر آؤں ہوں کوچے کی طرف اس کے میں جا کر
راتوں کو جو آتی ہے صداے سگ و درباں
اے شوخ! وفاداریِ عاشق پہ نظر کر
کچھ اتنی نہیں ہے یہ وفاے سگ و درباں

---

۱ - جانتا ہے : ح -   ۲ - تھی : ح -

آس کوچے میں کیا تاب کہ پر مارے فرشتہ
رہتی ہے بندھی واں تو ہوائے سگ و درباں
جاتا ہوں جو اُس کُو میں تو میں حسنِ ادب سے
سر اپنے کو رکھتا ہوں بہ پائے سگ و درباں
موجد نہیں میں مصحفی اس طُرفہ زمیں کا
ہے حکمِ قتیلا سے بنائے سگ و درباں

۲۲۱

نے زخمِ خوں چکاں ہوں نہ حلقِ بریدہ ہوں
عاشق ہوں میں کسی کا اور آفت رسیدہ ہوں
ہستی سے اپنی مجھ کو نہیں مطلق آگہی
عمرِ گزشتہ یا کہ غزالِ رمیدہ ہوں
نکلے ہے میری وضع سے اک شورشِ جنوں
دریا نہیں ، میں سیلِ گریباں دریدہ ہوں
مرغانِ باغ میں مرے نالے کا شور ہے
ہر چند میں ابھی نفسِ ناکشیدہ ہوں
پہنچے مزا کو اپنی جو منہ پر مرے چڑھے
میں دستِ روزگار میں تیغِ کشیدہ ہوں
جاتا ہے جلد قافلۂ عمر کس قدر
مہلت نہیں ہے اتنی کہ ٹک آرمیدہ[1] ہوں
کون اُٹھ گیا ہے پاس سے میرے جو مصحفی
روتا ہوں زار زار پڑا ، آبدیدہ ہوں

۱ ۔ آرمیدہ ہونا : آرام کرنا ۔

۲۴۲

دکھلاؤں اگر اُس بتِ خود کام کی آنکھیں
کھل جائیں ابھی غنچۂ بادام کی آنکھیں
یہ بادیہ وہ ہے کہ جہاں صید کی خاطر
نت دیدۂ حیراں ہی رہیں دام کی آنکھیں
مقصود ہے آنکھوں سے ترا دیکھنا پیارے
جب تُو ہی نہ ہو پاس تو کس کام کی آنکھیں
کیا دور ہے اُس شوخ سے آتے ہی چمن میں
مل ڈالے جو تلووں تلے بادام کی آنکھیں
دیکھا نہیں دو دن سے جمال اُس کا میں شاید
آئی ہیں کہیں اُس بتِ خود کام کی آنکھیں
ٹک تو بھی تو روزن سے ذرا جھانک کہ کیونکر
نکلیں ہیں ترے عاشقِ بدنام کی آنکھیں
سرخی تری آنکھوں کی کہاں پاویں وہ ساقی
گو لعل و کمیدک سی ہوں اصنام کی آنکھیں
اے **مصحفی**! نظارے سے اس رنگِ کفک کے
ڈوبی ہیں لہو میں اسی ناکام کی آنکھیں

۲۴۳

اے شبِ ہجر! کہیں تیری سحر ہے کہ نہیں
نالۂ نیم شبی! تجھ میں اثر ہے کہ نہیں
جان پر اپنی میں کھیلا ہوں جدائی میں تری
بے خبر تجھ کو بھی کچھ اس کی خبر ہے کہ نہیں
ایک مدت ہوئی ہم وصفِ کمر کرتے ہیں
پر یہ معلوم نہیں اُس کی کمر ہے کہ نہیں

رکھ کے سوزن کو ذرا دیکھ تو لے اے جراح !
قابلِ بخیہ مرا زخمِ جگر ہے کہ نہیں

کیا خوش آئی ہے دلا منزلِ ہستی تجھ کو
سچ بتا ، یاں سے ترا عزمِ سفر ہے کہ نہیں

تو جو بے پردہ ہو منھ غیر کو دکھلاتا ہے
پاس میرا بھی کچھ اے رشکِ قمر! ہے کہ نہیں

دیکھ تو اے بتِ بے مہر ! تری فرقت میں
ہر بُنِ موے' مرا دیدہ' تر ہے کہ نہیں

اس کے در پر ہی جو رہتا ہوں پڑا میں دن رات
مجھ سے جھنجلا کے کہے ہے ، ترا گھر ہے کہ نہیں

مصحفی اُس کی گلی میں جو تو جاتا ہے سدا
اپنی بدنامی کا کچھ تجھ کو بھی ڈر ہے کہ نہیں

۲۲۴

لیتا ہوں میں جب اُس کی بلائیں ، وہ نازنیں
جھنجلا کے یوں کہے ہے کہ چل دور ہو کہیں

صورت کو تیری دیکھ کے اے قبلہ' چمن !
ہر شاخِ گل نے جھک کے کیا سجدہ بر زمیں

بجلی سی کوندتی ہے پڑی ، سیر دیکھیو
خرمنِ فلک میں مری آہِ آتشیں

پیدا ہوئے ہیں مادرِ گیتی سے تواماں
تیرا جمال اور مری آہِ آتشیں

---

۱ - ب : ح

اس کو بھی اب خیال ترا کم رہا ہے جان
جانے دے مصحفی کی جو خواہش تجھے نہیں

۲۴۵

تمھاری اور مری کج ادائیاں ہی رہیں
رہے جو پاس تو باہم لڑائیاں ہی رہیں
زبس کہ کرتے رہے بےکسوں پہ تم بیداد
سدا گلی میں تمھاری دہائیاں ہی رہیں
ہوئی نہ سازمری اس کی صحبت اک شب ہائے
اِدھر سے عجز اُدھر سے رکھائیاں ہی رہیں
دریغ یار سے بچھڑے تو ایسے ہم بچھڑے
کہ تا بہ روز قیامت جدائیاں ہی رہیں
اب اُس کے ملنے کا کیا لطف مصحفی باہم
نہ وہ سلوک، نہ وہ آشنائیاں ہی رہیں

۲۴۶

ادھر سے جھانکتے ہیں گہہ اُدھر سے دیکھ لیتے ہیں
غرض ہم اُس کی صورت سو ہنر سے دیکھ لیتے ہیں
کیا ہے بخت نے جس دن سے ہم کو اُس کا ہمسایہ
ہم اُس رشک پری کو اپنے گھر سے دیکھ لیتے ہیں
جو ہو جاتے ہیں دیوانے ترے، اتنی نقابوں پر
خدا جانے کہ وے تم کو کدھر سے دیکھ لیتے ہیں
ہمیں گریے سے وہ فرصت کہاں جو خال و خط دیکھیں
مگر نقشہ ترا اس چشم تر سے دیکھ لیتے ہیں
ہمارے دیکھنے سے کیوں خفا ہوتا ہے اے ظالم!
ترا لیتے ہیں کیا، ٹک اک نظر سے دیکھ لیتے ہیں

ہمیں اُس کو میں رہنے کا نہیں کچھ اور تو حاصل
پر اتنا ہے کہ گاہے چاک در سے دیکھ لیتے ہیں
لگیں ہیں دیکھنے جب مصحفی ہم اُس کے کوچے میں
ٹک اک پھر کر ہی رسوائی کے ڈر سے دیکھ لیتے ہیں

۲۲۷

یا تو آوے وہ رشکِ ماہ کہیں
یا ہو اس شب کا رو، سیاہ کہیں
اب ملاقات کی وہ شکل نہیں
دیکھ لیتے ہیں گاہ گاہ کہیں
ہیں جو مردود سارے عالم کے
کچھ تو ہم سے ہوا گناہ کہیں
خانۂ آسماں جو ہے پُر دود
کی نہ ہووے کسی نے آہ کہیں
سر نو سر جھکائے جاتا ہے
کھا کے اک ناوکِ نگاہ کہیں
مرغِ دل کاش سرد ہو جاوے
آج[1] دیکھا وہ کج کلاہ کہیں
مصحفی چاہے ہے تو اس کو بہت
لاوے آفت نہ تیری چاہ کہیں

۲۲۸

کبھی وفائیں کبھی بے وفائیاں دیکھیں
میں ان بتوں کی غرض آشنائیاں دیکھیں

۱ - تاج : ح -

ہم اٹھ چلے جو کبھی اس گلی کو وحشت ہیں
تو اُس گھڑی نہ کنویں اور نہ کھائیاں دیکھیں
یہ سطحِ خاک ہے کیا رزم گاہ کا میدان
کہ جس پہ ہوتی ہوئی نت لڑائیاں دیکھیں
گلی میں اس کی یہ بازار مرگ گرم ہوا
کہ داد خواہوں کی واں چارپائیاں دیکھیں
رکھا نہ خط کبھی عارض پہ اُس پری رو نے
بہ رنگِ آئنہ نت واں صفائیاں دیکھیں
ہنوز جیتے رہے ہیں تو سخت جانی سے
وگرنہ ہم نے بھی کیا کیا جدائیاں دیکھیں
زہے نصیب ہیں اُس کے کہ جس نے[1] وصل کی شب
گلے میں اپنے وہ نازک کلائیاں دیکھیں
نہ ہاتھ آئی مرے **مصحفی** وہ زلفِ رسا
میں طالعوں کی بھی اپنے رسائیاں دیکھیں

۲۴۹

جوں اشک راہِ خشک سے کم ہے خبر ہمیں
آیا ہے جب سے پیش تری کا سفر ہمیں
اب اُس کے انتظار میں مرنا پڑا دریغ!
آنے کی اپنے کہہ نہ گیا نامہ بر ہمیں
جس رہ گزر میں اُس کا گزر تھا سو اب تلک
نپوائے ہے زمین وہی رہ گزر ہمیں

---

۱ - کے : ل، ح -

گہ دست شانہ میں تو کبھی دست بھلہ[1] میں
کرنی پڑے ہے خدمتِ زلف و کمر ہمیں
کیا جانتے تھے ہم کہ وہاں تو بھی ہووے گا
گلشن میں لے گئی تھی نسیمِ سحر ہمیں
ہرچند برگِ لالہ بہت چہچہے[2] ہیں لیک
کچھ خوش لگیں ہیں اپنے ہی لختِ جگر ہمیں
نازک دماغ اتنے ہوئے ہیں کہ ان دنوں
دینے لگی ہے نکہتِ گل بھی ضرر ہمیں
اک پنجہ سج کے تو کہیں نکلا تھا ایک دن
آتا ہے اب تلک تری خو سے حذر ہمیں
اے **مصحفی**! زمیں یہ شگفتہ ہے اس کے بیچ
کہہ کر سنا اور ایک غزل خوب تر ہمیں

۲۵۰

راہِ عدم دکھائے ہے اس کی کمر ہمیں
اب اپنی زندگی نہیں آتی نظر ہمیں
اے مرگ! جلد آ کہ ترے انتظار میں
اس زندگی نے سخت دیا دردِ سر ہمیں

---

۱ - بھلہ : (ف - بالکسر و فتح لام) مذکر - ۱ - چمڑے کا پنجہ جس کو شکاری ہاتھ میں پہن کر شکرے یا باز کو ہاتھ پر بٹھاتے ہیں - ۲ - ایک قسم کا بٹوا جس میں روپیہ ، پیسہ اور ضروری کاغذات رکھتے ہیں - (نوراللغات ، جلد ۱ ، صفحہ ۷۳۷)-
۲ - چہچہے (ہ) : رنگین ، گہرے سرخ -

ہیں کاروانِ عمر سے واماندہ ہم غریب
ساتھی چلے گئے ہیں سبھی چھوڑ کر ہمیں

کیا گرمِ اختلاط خس و خار ہوا۱ کہ یاں
فرصت ہے زندگی کی بہ قدرِ شرر ہمیں

رکھتے نہ پاؤں ہم تنِ تنہا بہراہ مرگ
ملتا گر اس سفر میں کوئی ہم سفر ہمیں

موجِ نسیم تو نہ ہلا اپنی آستیں
وقفہ کہاں ہے مثلِ چراغِ سحر ہمیں

یہ تیغ ، یہ کمر ہے تو اک دن تو دیکھیو
دیکھے گی خلق کشتہ تری راہ پر ہمیں

دیکھیں ہیں ہم اس آئنہ خانے میں جس طرف
جز روے دوست ، کچھ نہیں آتا نظر ہمیں

پورب میں آئے ، چھوڑ کے دلی سے شہر کو
اے **مصحفی** ! لے آئی ہے قسمت کدھر ہمیں

۲۵۱

جاں باز سپاہی یہیں بے جان ہوئے ہیں
کہتے ہیں اسی کوچے میں گھمسان ہوئے ہیں

ہے اور ہی صورت کی پریشانی ہماری
ہم دیکھ کے زلفوں کو پریشان ہوئے ہیں

کیوں روئے ہے شبنم کھڑی ماتم ہے یہ کس کا
گل باغ میں کیوں چاک گریبان ہوئے ہیں

---

۱ - ہوں : ح -

تسبیح لیے میں جو گیا ، ہنس کے وہ بولا
اب آپ بھی کیا مردِ مسلماں ہوئے ہیں ؟
اب تو مہ و خورشید کو منھ اپنا دکھادے
پھرتے ہیں بہت دیر سے ، حیران ہوئے ہیں
افلاک سے کچھ کم نہ سمجھ خاک کا رتبہ
مخلوق اسی خاک سے انسان ہوئے ہیں
دیکھا ہے تجھے جب مہ و خورشید نے پھرتے
لے لے کے بلائیں ، ترے قربان ہوئے ہیں
کرنے جو لگا ذبح مجھے ، غیر یہ بولا
کیا کرتے ہیں یہ ، آپ بھی نادان ہوئے ہیں
کد اُس کی طبیعت میں بھی اب وہ نہیں شاید
دن مجھ کو جدائی کے تو آسان ہوئے ہیں
کھانے نہیں دیتے ہیں مجھے خونِ جگر بھی
نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہیں
اے مصحفی ! مت پوچھ کہ دلی سے نکل کر
کیا کہیے کہ ہم کیسے پشیماں ہوئے ہیں

۲۵۲

سر کیوں کہ نہ ہم باغ کی دیوار سے ماریں
کیا کیا گئیں ان آنکھوں کے آگے سے بہاریں
ہرچند کہ گم گشتۂ صحرائے جنوں ہیں
خضر آئے نظر ہم کو تو اُس کو نہ پکاریں
کچھ ڈر نہیں منزل کو پہنچ جائیں گے ہم بھی
گو راہ ابھی دور ہے ، جی کاہے کو ہاریں

جن محلوں میں خوبانِ جہاں صدر نشیں ہیں[1]
اب اُن کی جگہ واں نظر آتی ہیں مزاریں

ہم رونے لگے دیکھتے ہی دور ہی ان کو
جب تیرے شہیدوں کی نظر آئیں مزاریں

کچھ کام نہیں ہم کو تو خوبانِ جہاں سے
مکھڑے کو[2] ملیں غازہ کہ گیسو[3] کو سنواریں

ہر چند کہ سائل ہیں ترے در کے، پہ ہم تو
حاتم کے بھی آگے نہ کبھی ہاتھ پساریں

لدتا ہے ابھی قافلہ، ہاں ہم بھی چلیں گے
یارانِ سبکسار جو ہیں وہ تو سدھاریں

گل دستہ تو کیا چیز ہے، گر ہووے رسائی
ہم مکھڑے پہ تیرے مہ و خورشید کو واریں

گل‌زار ہے داغوں سے زبس اپنا سراپا
طاؤس خجل ہووے جو جامے کو اتاریں

اے **مصحفی**! شکوہ نہ کریں روزیِ کم کا
یوں چاہیے اب ہم کو کہ اوقات گزاریں

۲۵۳

کمخواب کی یہ جو نظر آتی ہیں ازاریں
بخت ان کے ہیں جو لوٹتے ہیں ان کی بہاریں

یارانِ عدم سنتے نہیں بات کسی کی
کس طرح ہم ان قافلے والوں کو پکاریں

---

۱ - ہے : ح -　　۲ - کے : ل -
۳ - **زلفوں** کو : ح -

باشندے جو اس کوچے کے ہیں یاس کے مارے
جیتے ہی بنا رکھتے ہیں واں اپنی مزاریں

ہم وہ ہیں کہ ہرگز نہ کہیں بات کسی سے
گر جی سے اٹھے جوش تو پھر جی ہی میں ماریں

اے تیغِ اجل! جلد خبر لے تو ہماری
ہم سر سے کسی[1] طرح تو یہ بوجھ اتاریں

ہم وہ ہیں کہ واماندہ پسِ قافلہ گر ہو
ہر گام پہ ٹھہریں، اسے پھر پھر کے پکاریں

ہے عرصۂ شطرنج فلک، مُہرے کواکب
ہم ایسے کہاں کے ہیں جو بازی کو نہ ہاریں

کچھ شغل نہیں ہم کو تو بیداریِ شب کا
کس طرح پھر اوقات بہ غفلت نہ گزاریں

قصد اپنا تو ہے مصحفی میخانے[2] کی جانب
جو کعبہ رواں ہوویں وہ کعبے کو سدھاریں

۲۵۴

رکھتا ہے جو تو زبان شیریں
میرا بھی ہے بیان شیریں

خسرو سے نہ روٹھ، ہے وہ عاشق
عاشق کو ستا نہ، مان شیریں

لاکھوں ہی کے دم میں خون کرتی
کھاتی جو یہ بیڑے پان شیریں

---

۱ کسو طرح : ح -   ۲ - بت خانے : ح -

کہتے ہیں کہ تیرے عشق میں دی
فرہاد نے اپنی جان شیریں

کرتے نہیں اس طرح سے معشوق
عاشق کا امتحان شیریں

حلقے میں یہ زلف کے نہیں رخ
لیلی کی ہے میہان شیریں

کہتے ہیں کہ مر گیا جو خسرو
کھا زہر موئی ُاس آن شیریں

شیرویہ رہا بہ تلخ کامی
دنیا سے گئی جوان شیریں

اے **مصحفی** ! عشق وہ بلا ہے
جس سے نہ بچی ندان شیریں

۲۵۵

دیکھ آیا ہے یہ کس جامۂ چسپاں کے تئیں
چاک کرتا ہے جو گل اپنے گریباں کے تئیں

ایک عالم نہ کہیں زیر و زبر ہو جائے
منع کر منع ذرا جنبشِ مژگاں کے تئیں

میکشو ! شیخ کی تقصیر بھی کچھ ثابت ہے
کیوں عبث کھینچتے ہو مردِ مسلماں کے تئیں

آپ! یہ دل ہے مرا اپنے کیے پر نادم
تم پشیماں نہ کرو اور پشیماں کے تئیں

گر خدائی میں تصرف مجھے ہوتا تو میں
کوتھی عمر کی دیتا شبِ ہجراں کے تئیں

اے صبا ! یار سے کہیو کہ یہ کہتے ہیں اسیر
کبھی آباد کروگے در زنداں کے تئیں
یار نے دی ہمیں لب اپنے سے گر اک دشنام
یہ سمجھ بخش دیا ملک سلیماں کے تئیں
بحر و کاں میں گہر و لعل کی ہے اب یہ دعا
نہ لگے چشم بد ان[1] کے لب و دنداں کے تئیں
یاد کر قیس کو اے **مصحفی** ! میں رویا بہت
دشت میں دیکھ کے آوارہ غزالاں کے تئیں

۲۵٦

دلّی ہوئی ہے ویراں ، سونے کھنڈر پڑے ہیں
ویران ہیں محلے ، سنسان گھر پڑے ہیں
جب دیکھتا ہوں ان کو نت تا کمر پڑے ہیں
یہ بال میرے جی کے پیچھے مگر پڑے ہیں
عزّت میں پیادگی کی کم ہے کہ گھوڑے والے
گھوڑے سے دیکھتے ہی مجھ کو اتر پڑے ہیں
دیکھا تو اس چمن میں باد خزاں کے ہاتھوں
اکھڑے ہوئے زمیں پر کیا کیا شجر پڑے ہیں
قریات ہند کا اب یہ رنگ ہے کہ کو سوں
جاوے کوئی کدھر[2] کو اجڑے نگر پڑے ہیں
رویا ہے اس چمن میں کون آکے اے صبا ! جو
ہر نخل گل کے نیچے لخت جگر پڑے ہیں

۱ - اس کے : ح ۲ - جدھر : ح -

بگڑا کیے ہیں ہم بھی اس نازنیں سے ہردم
کام اپنے رفتہ رفتہ یوں ہی سنور پڑے ہیں
ہیں جان و دل کے خواہاں کیا سر کے بال اس کے
جو، کچھ ادھر پڑے ہیں اورکچھ ادھر پڑے ہیں
مقتل میں یہ تماشا اس کے نیا میں دیکھا
ایدھر کو دھڑ پڑے ہیں اودھر کو سر پڑے ہیں
بلبل کا باغباں سے کیا اب نشان پوچھوں
بیرون در چمن کے یک مشت پر پڑے ہیں
شبنم گلاب پاشی غنچہ کی جلد اٹھا لا
گل بستر غشی پر سب بے خبر پڑے ہیں
اے **مصحفی** ! میں ان کو اب چھوڑتا ہوں کوئی
وہ بعد مدتوں کے میری نظر پڑے ہیں

۲۵۷

کبھی تو بیٹھوں ہوں جا اور کبھی اٹھ آتا ہوں
منوں ہوں آپھی تو پھر آپھی روٹھ جاتا ہوں
معاملہ تو ذرا دیکھیو تو چاہت کا
مجھے ستاوے ہے وہ ، اس کو میں ستاتا ہوں

ق

رکا ہوا وہ مجھے دیکھ کر جو بولے ہے
تو بولتا نہیں میں اس سے سر ہلاتا ہوں
پر اتنے میں جو میں سوچوں ہوں یہ نہ رک جاے
زباں پر اپنی بھی ایک آدھ حرف لاتا ہوں
کہے ہے دل یہ کہ ایسے سے دوستی ہے عبث
برائیوں کا جو اس کی خیال لاتا ہوں

یہ کہہ کے بیٹھ رہوں ہوں جو اپنے گھر میں ذرا
تو دل کہے ہے یہ گھبرا کے میں تو جاتا ہوں
جب اپنا حال یہ دیکھوں ہوں میں تو ہو ناچار
جھپٹ کے پیچھے سے دل کے قدم اٹھاتا ہوں
بتا تو **مصحفی** کیا تجھ کو ہو گیا کم بخت
کچھ ان دنوں ترا چہرہ تغیر پاتا ہوں

۲۵۸

یہ جو اپنے ہاتھ میں دامن سنبھالے جاتے ہیں
پیچھے پیچھے ان کے ان پر مرنے والے جاتے ہیں
لطف و رنجش کا تماشا ہے کہ دن میں لاکھ بار
گہ بلائے جاتے ہیں ہم گہ نکالے جاتے ہیں
جان سے جاتے رہے ہیں بس کہ لاکھوں بےگناہ
ہر طرف کوچے میں اس کے خوں کے نالے جاتے ہیں
سعی[1] کو اپنی نہ کر اے گریہ صرف شست وشو
دل کے دھونے سے کوئی یہ داغ کالے جاتے ہیں
گر نہیں ہے وعدہ گہ وہ کوُ تو کیوں راتوں کو لوگ
اس کے کوچے میں اندھیرے اور اجالے جاتے ہیں
اس کے کانوں تک رسائی کیوں نہیں، حیران ہوں
عرش اعظم تک تو میرے شب کے نالے جاتے ہیں
ہو گیا ہوں میں تو ان کا **مصحفی** حلقہ بہ گوش
یاد سے میری کب ان کانوں کے بالے جاتے ہیں

۱ - سعی تو ایسی نہ کر ؛ ح -

۲۵۹

پھول لالے کے ہیں جتنے چشم خوں آلودہ ہیں
اس چمن کے بیچ کیا کیا گل‌بدن آسودہ ہیں
جا پڑی ہے کیا کسی کی تیرہ بختی پر نظر
جو کئی دن سے میاں آنکھیں تری بے دودہ[1] ہیں
یہ چمن افسوس کی جا ، گر نہیں تو کس لیے
برگ ہائے لالہ و گل دست برہم سودہ ہیں
نہی کا اندیشہ دل میں اک ذرا لاتی نہیں
ہم بھی کتنے مرتکب، ہے ہے نہ نافرمودہ ہیں
غنچے اس گلزار میں لاکھوں ہیں لیکن مصحفی
جب تلک تو آئے سب بند قبا نکشودہ ہیں

۲۶۰

کس کے مقتل سے ہوا آج گزار دامن
یک وجب[2] خون میں تر ہے جو کنار دامن
پاس خاطر ہے ضرور اس کی بھی اے دست جنوں
رشتہ رکھتا ہے گریبان سے تار دامن
در بدر خاک مری پھرتی ہے ہمراہ صبا
کاش ہو جائے کسی کی یہ غبار دامن
خون عاشق کی نہ بے صرفہ بہا رنگینی
غیر کے ہاتھ سے دلوا نہ فشار دامن
جامہ چیں نے تو چمن تجھ کو بنایا ہے تمام
دیکھوں چولی کی چنت یا کہ بہار دامن

---

۱ - دودہ : (ہ) کاجل - (نوراللغات : ج ۲ ، صفحہ ۷۸۳) -
۲ - وجب : بالشت -

فی‌المثل جامۂ شبنم ہو گر اس کے بر میں
اٹھ سکے تو بھی تو اس گل سے نہ بار دامن
دامن اس گل کا ہے پاؤں کے تصدق ہر[1] دم
اور ہم ہوتے ہیں جی ہی میں نثار دامن
فائدہ کچھ نہیں رہنے کا چمن میں ایسے
ایک کانٹا بھی جہاں ہووے نہ خار دامن
مصحفی آوے ہے تو کیا کسی خارستاں سے
ریشہ ریشہ ہیں جو یکسر ترے تار دامن

۲۶۱

خون ناحق ہے ترا نقش و نگار دامن
کہیں کچھ گل نہ کھلاوے یہ بہار دامن
ہاتھ نکلا نہ کوئی گور غریباں سے کبھو
گرچہ سو بار ہوا واں سے گزار دامن
بر میں جب پہنے ہے تو جامۂ زرکش، عشاق
حرز جاں کرتے ہیں لے کر ترے تار دامن
بہہ گئی گریۂ خونیں کی ادھر رنگینی
اب گریباں ہو کس منہ سے دوچار دامن
جفت شمع اس کی وہ ساقیں ہیں کہ جن کے اوپر
نہیں فانوس سے کچھ کم وہ حصار دامن
سرمۂ چشم اگر ہو نہ سکی میری خاک
یہ بھی بس ہے کہ ہوئی اس کی غبار دامن

---

۱ - دم رقص : ح -

مصحفیؔ کیوں کہ نہ بھڑکوں میں کہ تحریکِ نسیم
آتشِ دل پہ مری کرتی ہے کارِ دامن

۲۶۲

اشک خونیں[1] ہیں مرے نقش و نگارِ دامن
کس کو دکھلاؤں میں اے گل! یہ بہارِ دامن
شکر صد شکر! نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاکسارانہ جو ہوں بھی تو غبارِ دامن
نازکی دیکھ تو تُو اس کی کہ ہنگامِ خرام
رگِ گل کو بھی سمجھتا ہے وہ خارِ دامن
کیا سمجھ دشتِ تجرد میں قدم ہم نے رکھا
ایک کانٹا بھی ہوا واں نہ دو چارِ دامن
دامن اک خوشۂ پرویں نظر آتا ہے ترا
موتی گوٹے کے ٹکے ہیں جو کنارِ دامن
نذر کانٹوں کی کیے دشتِ جنوں میں جا کر
رہ گئے تھے جو کہیں یک دو سہ تارِ دامن
مصحفیؔ چلتے تھے ہم اس کے جلو میں اس وقت
جب کہ طفلی میں وہ ہوتا تھا سوارِ دامن

۲۶۳

عشق میں امتحاں ہزاروں ہیں
خستہ و نیم جاں ہزاروں ہیں
بات آہستہ کہہ کہ مجلس میں
دوست دشمن میاں ہزاروں ہیں

---

[1] - خونی : ح -

تو تو ٹک صاف وہ کہ تیرے لیے
مجھ سے یاں بدگماں ہزاروں ہیں
آتشِ گل بھڑکیو بچ کے ذرا
باغ میں آشیاں ہزاروں ہیں
باغباں گر نہیں تو کیا غم ہے
گل کے یاں پاسباں ہزاروں ہیں
تجھ سے دل لگ گیا ہے یوں تو مرے
مشفق و مہرباں ہزاروں ہیں
میر کی جا ہے آج مژگاں پر
اشکِ خونیں رواں ہزاروں ہیں
عشق کا قصہ ایک جلد نہیں
اُس کی تو داستاں ہزاروں ہیں
مصحفی مجھ سا کم ہے دلّی میں
یوں تو جادو بیاں ہزاروں ہیں

۲۶۴

میں کیا کہوں کہ راتیں کیا سخت کٹتیاں ہیں
اپنی تو چھاتیاں ان راتوں سے پھٹتیاں ہیں
جاؤں کدھر کہ یارو وہ ناگنی سی زلفیں
آ آ کے خواب میں بھی مجھ کو لپٹتیاں ہیں
گلشن میں بلبلوں نے جو شور کر رکھا ہے
شاید گلوں کی شاخیں پھر اب کے چھٹتیاں ہیں
پیغامِ وصل مجھ کو دیتی ہے کم نصیبی
جب دن لگیں ہیں بڑھنے اور راتیں گھٹتیاں ہیں

مں سامنے سے ناگہ آ جاؤں ہوں تو ووں ہی
ہوتے ہی اس کی سیدھی نظریں پلٹتیاں ہیں
خورشید جھانکتا ہے دلیّ کے مہ جبیناں[1]
جس دم نقابیں اپنے منہ سے الٹتیاں ہیں
اے **مصحفی** ! تو اتنا رویا نہ کر کہ ظالم
رونے سے تیرے سب کی نیندیں اچٹتیاں ہیں

۲٦۵

یا گزرتی تھی بہم عالمِ یکجائی میں
جاگنا مجھ کو پڑا یا شبِ تنہائی میں
کس طرح چین سے گزرے کہ بچھڑتے[2] ہی ترے
آگیا فرق مری تاب و توانائی میں
قلقِ خستہ درویاں[3] الم کیا جانے
جس کی بھر عمر کٹی صبر و شکیبائی میں
کیوں نہ خوش ہو تو صنم صرف کیا صانع نے
لطفِ رعنائی گل بھی تری رعنائی میں
خالی از لطف نہیں چاکِ گریباں پھرنا
ہم نے دیکھے ہیں مزے عالمِ رسوائی میں
شب کو مکھڑے سے اٹھایا تھا میاں تو نے نقاب
تو ہی کہہ کچھ بھی رہا تھا مری رسوائی میں؟
مصحفی قیس کے ملنے کا نہ کر قصد میاں
انس دیکھا ہے کہیں مردمِ صحرائی میں

---

۱ ۔ ماہ سیماں : پ حاشیہ ل ۔ ۲ ۔ بچھڑتے تیرے : ح ۔
۳ ۔ خستہ درویاں الم ۔ (''درونان الم'' ہونا چاہیے)

۲٦٦

تپِ غم سے جو چھاتیاں جلیاں
حسرتیں آب ہو کے بہہ چلیاں
نازک و نرم انگلیاں اُس کی
ایسی ہیں جیسی مونگ کی پھلیاں
کیا کہوں فندقوں کا اُس کی رنگ
دسوں جیسے گلاب کی کلیاں
کیوں کہ دلی سے لکھنئو ہے خوب
نہ وہ کوچے ہیں یاں، نہ وہ گلیاں
لے گیا دل کو **مصحفی** کے وہ شوخ
باتوں باتوں میں کر کے چھل بلیاں[1]

۲٦٧

جس گھڑی قاتل کے تھا حلقومِ بسمل ہاتھ میں
دیکھتا تھا وہ بھی لے دامانِ قاتل ہاتھ میں
جن دنوں تھی میری اور اس کی ذرا صحبت برار
وہ بھی جوں آئنہ رکھتا تھا مرا دل ہاتھ میں
اب یہ کیا فتنہ اٹھا جو چاکِ در کرنے کو بند
اس کے گھر والے لیے پھرتے ہیں کہگل[2] ہاتھ میں
جس نے گستاخانہ اس کی زلفِ مشکیں کو چھوا
ہم نے اُس نادان کے بھر دی سلاسل ہاتھ میں
لطف تو تب ہے کہ مجنونِ بیاباں گرد کے
ہو گریباں کے عوض دامانِ محمل ہاتھ میں

۱ - چھل بلیاں: فریب حیلہ - ۲ - کہگل: پلستر کرنے کی مٹی -

اس تمنا میں کہ تیغ آس کی کبھیں ہووے علم
سر لیے بیٹھے ہیں اپنا اہل محفل ہاتھ میں
بھیک لی میں ہاتھ میں اس کی تو یوں بولا وہ شوخ
چاہیے پیالہ رکھے درویش سائل ہاتھ میں
ہاتھ تو مارے بہت میں بحر غم میں مصحفی
پر نہ آیا گوشۂ دامانِ ساحل ہاتھ میں

۲٦۸

کبھی آس تازہ گل بن ہم جو رخت اپنا بدلتے ہیں
ملیں ہیں عطر تو لیکن کفِ افسوس ملتے ہیں
نزاکت اور صفا ایسی بہم پہنچائی ہے اس نے
کہ سبزے پر چمن کے پاؤں شیشے کے پھسلتے ہیں
خدا جانے میں دیکھ آیا ہوں کس موتی کے دانے کو
جو اشک آنکھوں سے میری رات دن موتی سے ڈھلتے ہیں
دلا! تنہا نہ رکھیو پاؤں صحرائے محبت میں
یہ وہ صحرا ہے جس میں قافلے مل مل کے چلتے ہیں
وہ واں تعویذ بازو ہو رہے ہیں دست دشمن کے
جنھوں کے واسطے راتوں کو یاں تعویذ جلتے ہیں
جب اُس محلس میں جاتے ہیں تو ہو جاتی ہے یہ حالت
کہ ہم گھبرا کے آپھی گرتے ہیں، آپھی سنبھلتے ہیں
کوئی ان کافروں کے ہاتھ سے کیدھر نکل جاوے
نئی ترکیب ہے روز اور نئے نقشے نکلتے ہیں
شہیدِ ناز کو تیرے جہاں لے جا کے گاڑا تھا
یہ حالت ہے کہ واں سے خوں کے فوّارے آچھلتے ہیں

ٹلیں گے لے ہی کے[1] دل کے عوض اُس شوخ کا بوسہ
جو وہ دل لینے پر مچلا تو اب ہم بھی مچلتے ہیں
جو خط بھیجوں تو خط کو آگ پر رکھ دے ہے وہ کافر!
جو قاصد جائے تو قاصد کے واں پتّے نکلتے ہیں
کچھ ان روزوں تو ہیں یہ رنگ دیکھا اُس کی مجلس کا
کبوتر تکّے ہوتے جاتے ہیں، مکتوب جلتے ہیں
عبث تو کوہِ غم سے کر رہا ہے رات دن کشتی
کوئی اے **مصحفی**! ایسے پہاڑ آگے سے ٹلتے ہیں

۲۶۹

جن روزوں کہ تھا اپنا گزر اُس کی گلی میں
مارے تھا فرشتہ بھی نہ پر اُس کی گلی میں
تلوار سے مارے گئے ہیں بس کہ ہزاروں
بہتا ہے لہو تا بہ کمر اُس کی گلی میں
آئے تو ولے آتے ہوئے تیغ کو لے کر
ہم کاٹ کے رکھ آئے جگر اُس کی گلی میں
آنے سے مرے پیشتر اے وائے یہ کس نے
کہہ دی مرے آنے کی خبر اُس کی گلی میں
یاں تک ہوئے پامال کہ پایا نہ صبا نے
کچھ خاک ہماری کا اثر اُس کی گلی میں
دو چار قدم جا کے پھر آتے ہیں ہمیشہ
رہتا ہے ہمیں روز سفر اُس کی گلی میں

۱ - کر : ل ، ح   ۲ - ظالم : ح ، ل

جی جانے کا ، سر جانے کا ، مر جانے کا یعنی[1]
ہر گام پہ ہیں لاکھ خطر اُس کی گلی میں
پھر گور و گڑھا اس کو وہاں کچھ نہیں ملتا
جاتا ہے کوئی خستہ جو مر اُس کی گلی میں
ہیم سگ و دربان تو ہرگز نہیں ہم کو
ہے اپنے نصیبوں ہی کا[2] ڈر اُس کی گلی میں
وہ گھورنے لگتا ہے ہمیں دیکھ کے کیسا
کرتے ہیں کسو پر جو نظر اُس کی گلی میں
اپنے تو شب و روز کٹے عشق میں یوں ہی
کی شام گھر اپنے تو سحر اُس کی گلی میں
یارو وہ کسی کو بھی دکھاتا ہے منھ اپنا
پھرتے ہیں عبث شمس و قمر اُس کی گلی میں
ہر بام سے جب آنے لگے سیکڑوں پتھر
حیران ہوں کوئی جائے کدھر اُس کی گلی میں
گہ باغِ ارم ہے تو گہے گلشنِ جنت
ہر وقت ہے اک لطفِ دگر اُس کی گلی میں
غافل نہ قدم رکھ تو کہ رکھتے ہی قدم کے
گردن سے اتر جائے ہے سر اُس کی گلی میں
میاں[3] مصحفی ڈرتا ہوں کہ ہو جاؤ نہ رسوا
تم جاتے ہو با دیدۂ تر اُس کی گلی میں

---

۱ - جی جائے گا ، سر جائے گا ، مر جائے گا یعنی : ح
۲ - کا ہی : ح   ۳ - بر وزن فع -

۲۷۰

کشتوں کی اس کے لاشیں جو اب تک گڑیں نہیں
شاید کہ جائے دفن انھیں زیر زمیں نہیں
کیوں اُس گلی میں آنے سے کرتے ہیں ہم کو منع
اپنی تو واں کسی سے نگاہیں لڑیں نہیں
ساغر کشی کریں ہیں تری انکھڑیاں مدام
اِن کافروں کو ہائے ذرا پاسِ دیں نہیں
لینا بزور بوسہ مرا دیدنی تھا کل
اور اس کا منہ پھرا کے وہ کہنا "نہیں نہیں"
تیوری چڑھی ہی رہتی ہے اس پرغرور کی
وہ کون سی گھڑی ہے کہ چیں بر جبیں نہیں
کہتا ہے مجھ سے راہ میں خط اس کا گم ہوا
قاصد کی بات کا مجھے اب تک یقیں نہیں
کوئی کہیں رہے ہے پڑا اور کوئی کہیں
اُس کی گلی میں اپنا ٹھکانا کہیں نہیں
نالے کا اس کے ہائے اثر کون لے گیا
کیا ہو گیا جو نالۂ بلبل حزیں نہیں
چبھتا ہے کس لیے وہ مرے دل میں مصحفی
اُس کا خدنگِ غمزہ اگر دل نشیں نہیں

۲۷۱

امیدِ وفا پر میں جفائیں بھی اٹھائیں
پر تو بھی تو آنکھیں نہ تری راہ پر آئیں
سنبل کو پریشان کیا بادِ صبا نے
جب باغ میں باتیں تری زلفوں کی چلائیں

آنکھیں جو اٹھائیں تو کیا قتل دو عالم
پلکیں جو جھکائیں تو مرے خوں میں ڈبائیں
کچھ بات بن آئی نہ ترے سامنے مجھ کو
ہر چند کہ یوں جی میں بہت باتیں بنائیں
جن پلکوں سے اک اشک کا قطرہ نہ گرے تھا
رو رو کے میں ندیاں انھیں پلکوں سے بہائیں
تھا بس کہ خجل اپنی وہ پیماں شکنی سے
شب مل جو گیا مجھ سے تو آنکھیں نہ ملائیں
جب میں نے کہا آنکھیں چھپا ، کھول دیا منہ
جب میں نے کہا منہ کو دکھا آنکھیں دکھائیں
شب در تلک اُس کے جو گیا میں تو کھڑے ہو
پردے میں کئی باتیں مجھے اُس نے سنائیں
ہم عہدہ برآ ہو نہ سکے طوقِ جنوں سے
دیوانوں نے اس فصل میں زنجیریں بڑھائیں
مجروح ہوا میں کہ تری پلکوں نے مجھ پر
نیزے کبھی پھینکے ، کبھی تلواریں چلائیں
اے مصحفی ! اک شب نہ کبھی چین سے سویا
کس کافرِ بے رحم سے میں آنکھیں لگائیں

۲۷۲

ہے غلط تجھ سے جو امید ہی رکھتے ہیں
ہم تو دستِ تہی اے سروِ سہی ! رکھتے ہیں
قتل کا کس کے ارادہ ہے جو اس سج دھج سے
آپ نت ہاتھ میں تلوار سجی رکھتے ہیں

دل تمھیں دیں ہیں فقیروں کی بھی ہو نذر قبول
ہم بساط اپنے میں اے دوست! یہی رکھتے ہیں
کرتے ہوویں گے کسی ساتھ مروت خوباں
ساتھ میرے تو وہی کم نگہی رکھتے ہیں
لذت درد نہ تا ان سے نکلنے پاوے
بھر کے زخموں میں نمک ہم انھیں سی رکھتے ہیں
کیا کریں نظر تری تو ہی کہہ اے زلفِ سیاہ
ہم تو جوں شانہ فقط دستِ تہی رکھتے ہیں
جی میں آتا ہے کروں ان کو میں اک دن سیدھا
بال زلفوں کی ترے مجھ سے کجی رکھتے ہیں
یہ جو چاہیں کہ ہو تیرا سا نمک، سو معلوم
عشوہ و ناز و ادا یوں تو سبھی رکھتے ہیں
مصحفی کا نہیں تو سوز کا کہنا مانو
ٹک ادھر دیکھو میاں ہم بھی تو جی رکھتے ہیں

۲۷۳

مژگاں تری جب تک کہ صف آرا نہ ہوئی تھیں
آہوں کی مری جھنڈیاں برپا نہ ہوئی تھیں
یوں مل گئے خوبانِ جہاں خاک میں سارے
وہ صورتیں گویا کبھی پیدا نہ ہوئی تھیں
شوخی نے ترے حسن کی آن کو بھی لبھایا
جو آنکھیں کبھی محو تماشا نہ ہوئی تھیں
مجھ کو ہی نہ کچھ یاد رہیں ورنہ شبِ وصل
باتیں مری اور یار کی کیا کیا نہ ہوئی تھیں

ندیاں مری پلکوں سے بڑی بہتی تھیں لیکن
آنکھیں کبھی اس طرح سے دریا نہ ہوئی تھیں
ان کو بھی ترے عشق نے بے پردہ پھرایا
جو پردہ نشیں عورتیں رسوا نہ ہوئی تھیں
دیکھے تھا میں دزدیدہ کبھی اس کی طرف کو
کم بخت نگاہیں مری رسوا نہ ہوئی تھیں
اے مصحفی ! آس جنبش داماں نے کھلا دیں
جو مُنہ مندی کلیاں کہ کبھی وا نہ ہوئی تھیں

۲۷۴

پہلو میں کہاں تک دلِ بےتاب کو دابیں
یا رب کہ زمیں کی کہیں کھنچ جائیں طنابیں
قوت سے ترے پائے نگاریں کی ، کریں ہیں
خورشید سے پنجہ ، ترے گھوڑے کی رکابیں
جب دل کا جہاز اپنے تباہی میں پڑے ہے
لےدوڑیں ہیں آنسو وہیں آنکھوں کی غرابیں[1]
اس بات کا کھینچے گا تو خمیازہ کسی روز
پیتا تو ہے جا جا کے تو رندوں میں شرابیں
اس سختی سے کہہ کس کے تئیں ذبح کیا ہے
جو[2] خوں میں بھری ہیں تری تلوار کی نابیں[3]

---

۱ - غراب : واحد ، غرابیں جمع . بادبانی کشتی - (ترجمہ فرہنگ عمید ، صفحہ ۱۴۷)

۲ - جو خون میں تر ہیں : ح -

۳ - ناب : ف - صفت : (۱) خالص - (۲) پاک - (۳) لب ریز - (۴) الف - (اسم مؤنث) تلوار کی نالی جو نوک سے قبضے تک دو طرفہ ہوتی ہے - (فرہنگ آصفیہ ، جلد ۴ ، صفحہ ۵۲۰۸)

ہو جائے جو بے پردہ تو جل جائے دو عالم
اس حسن جہاں سوز کی حائل ہیں نقابیں
خوباں کا چلن جو ہے، نہیں لطف سے خالی
اک طُرفہ ادا رکھتی ہیں کافر کی جرابیں
بادام کواکب سے ہوا مجھ پہ یہ روشن
نعمت سے بھری ہیں یہ سب افلاک کی قابیں
ہرگز ورق دل کے نہ مضمون کو پہنچا
اے مصحفیؔ! کیں جمع عبث تو نے کتابیں

۲۷۵

خنجر کی میاں پونچھ تُو لوہو بھری تابیں
ہم جب تئیں کشتے کو ترے خاک میں دابیں
کچھ تجھ کو خبر ہے کہ نہیں، ہو کے دو ٹکڑے
مہ آپ بنا ہے ترے توسن کی رکابیں
دیواں کو مرے دیکھ کے یوں کہنے لگا وہ
بکتی ہوئی پھرتی ہیں بہت ایسی کتابیں
آگاہ ہوں میں خوب نقط[1] ہائے فلک سے
دیکھی ہوئی ہیں میری تو یہ ساتوں نصابیں
افراد ہیں یہ جتنے کہ ارضی و سماوی
سچ پوچھو تو ہیں مہرۂ[2] بازی کی نقابیں
رنگینی سے خالی نہیں از بس کہ وہ کافر
دل خون کریں ہیں ترے پاؤں کی جرابیں

---

۱ - تعب ہائے فلک سے : ح -   ۲ - چہرۂ زیبا : ح -

اے **مصحفی** ! اب چکھو مزہ زہر کا ، تم نے
مے خانے میں جا جا کے بہت پی ہیں شرابیں

۲۷۶

کر دل کی ذرا سیر کہ ہے سیر اسی میں
عاشق کا بنا ہے حرم و دیر اسی میں
دریاے محبت سے نہ باہر نکل اے دل !
ہے شوق شنا تجھ کو تو 'تو پیر اسی میں
مذکور جو کرتا ہوں میں اُس شوخ کا ہر جا
سن سن کے موے جاتے ہیں بس غیر اسی میں
بیٹھوں ہوں جو اس کو میں تو کہتا ہے وہ ظالم
"اُٹھ جا ابھی یاں سے، ہے تری خیر اسی میں"
اے **مصحفی** ! ہر دم نہ کر اس شوخ کا شکوہ
جانے بھی دے بڑھتا ہے میاں بیر اسی میں

۲۷۷

جی تلک داؤ محبت میں لگا بیٹھا ہوں
ننگ و ناموس سے میں ہاتھ اُٹھا بیٹھا ہوں
ڈھونڈتا ہے وہ مجھے تیغ لیے اور میں وہیں
ڈر کے مارے پس دیوار چھپا بیٹھا ہوں
جب ذرا آئی ہے طاقت تو نکل کر گھر سے
شوق کے مارے تری راہ میں[1] آ بیٹھا ہوں
ہاتھ اب طرۂ سنبل کو لگانے کا نہیں
قسم اُس شوخ کی زلفوں کی میں کھا بیٹھا ہوں

---

۱ - پ۴ : ح -

جب کبھی تیغ نکالی ہے مرے قاتل نے
سب سے پہلے میں ہی میدان میں جا بیٹھا ہوں
اُس نے غصے سے پکارا ' ہے اگر مجھ کو کبھی
میں بھی جھنجلا کے اسے گالی سنا بیٹھا ہوں
طرفہ صحبت ہے کہ خلوت میں شب وصل کے بیچ
وہ کھنچا مجھ سے تو میں اُس سے کھنچا بیٹھا ہوں
غیر مجلس سے جو میں اس کو اٹھاتا ہوں تو وہ
یہی کہتا ہے کہ "چل بے تجھے کیا ، بیٹھا ہوں"
کیا بری خو ہے تری تجھ کو کہا اے ہمدم
چھیڑ مت مجھ کو میں اس وقت رکا بیٹھا ہوں
مصحفی مجھ کو نہ کر شعر و سخن کی تکلیف
اس گھڑی جان سے اپنی میں خفا بیٹھا ہوں

۲۷۸

مجھ کو اُس بت سے ملا دے 'تو سر راہ کبھی
سن لے میری بھی شتاب اے مرے اللہ کبھی
کوچۂ زلف میں پھرتا ہوں بھٹکتا کب کا
شب تاریک ہے اور ملتی نہیں راہ کبھی
آہ کرنے سے دلا تیرے مجھے یہ ڈر ہے
ہو کے بجلی نہ پڑے تجھ پہ تری آہ کبھی
جی درازی سے تو اب اس کی بتنگ آیا ہے
یا الٰہی یہ شب ہجر ہو کوتاہ کبھی

---

۱ - اگر مجھ کو پکارا ہے کبھی : ح -

دوستی کا تُو مرے ساتھ تو دم بھرتا ہے
دشمن اس بات سے ہو جاوے نہ آگاہ کہیں
مجھ کو اب تابِ غمِ عشق نہیں ہے اے کاش
جان ہی لے کے ٹلے یہ غمِ جاں کاہ کہیں
جب مرے پاس سے یار اُٹھ ہی گیا مجھ کو کیا
خواہ وہ غیر کے گھر جا کے رہے ، خواہ کہیں
چاہ کا اُس کی ہی تُو ذکر کیا کرتا ہے
تجھ کو رسوا نہ کرے **مصحفی** ! یہ چاہ کہیں

۲۷۹

یارو ہماری گر اُسے چاہ اس قدر نہیں
ہم کو بھی دوستی کا نباہ اس قدر نہیں
بوسہ لیا ہے میں نے کفِ پا کا آپ کی
گر بخش دیجیے تو گناہ اس قدر نہیں
کس طرح اُس کی تیغ سے عاشق کا سر بچے
ہاتھوں کی کچھ پناہ ، پناہ اس قدر نہیں
منھ پھیر لے ہے دیکھ کے ہم کو وہ طفلِ شوخ
ہر چند اپنا حالِ تباہ اس قدر نہیں
چاہیں کہ اس کے ہجر میں ہم آہ کر سکیں
طاقت ہمارے[1] جسم میں آہ ! اس قدر نہیں
نزدیک اپنے عشق کی منزل ہے دو قدم
گر پاؤں اُٹھائیے تو یہ راہ اس قدر نہیں

---

۱ - ہماری چشم میں : ح -

کرتے ہیں جس قدر کہ فقیروں سے یہ غرور
ان منعموں کی حشمت و جاہ اس قدر نہیں
چھاتی سراہیے انھیں لوگوں کی جو دلا [1] !
کہتے ہیں زخمِ تیغِ نگاہ اس قدر نہیں
اُس کی ادائیں مصحفی کرتی ہیں مجھ کو ذبح
صورت میں تو وہ غیرتِ ماہ اس قدر نہیں

۲۸۰

یار بن زیست کا کچھ لطف جوانی میں نہیں
زندگانی کا مزہ عالمِ فانی میں نہیں
قاصد آگے کبھی دل اپنے کو خوش کرتا تھا
اب اثر اس کی بھی تقریرِ زبانی میں نہیں
غیر اس کے کہ نکلتا ہے ذرا دل سے بخار
فائدہ اور تو کچھ اشک فشانی میں نہیں
تیری تصویر رگِ گل سے مگر کھینچی ہے
یہ نزاکت قلمِ صنعتِ مانی میں نہیں
اور ہی بات ہے ہم جس کو متھا [1] کرتے ہیں
بحث اپنی کبھی الفاظ و معانی میں نہیں
مصحفی درد ٹپکتا ہے سخن سے میرے
غزل اس لطف کی دیوانِ فغانی میں نہیں

---

۱ - متھنا : (ھ) ۱ - بلونا - ۲ - مسکہ نکالنے کے واسطے دہی
کو متھنی یا کسی اور آلے سے بلونا - ۳ - کنایۃً دل میں
کسی بات کو بار بار سوچنا -
(نوراللغات جلد ۴ ، صفحہ ۲۸۸)

۲۸۱

سیرِ جہاں سے ہم کو خبر ہے بھی اور نہیں
اک واہمہ سا پیشِ نظر ہے بھی اور نہیں
دیکھے ٹک آنکھ کھول کے غافل جو تو تو پھر
ہستی تری برنگِ شرر ہے بھی اور نہیں
کیا امتحاں کرو ہو ہمارا بہ تیغ و تیر
ہم لوگ وے ہیں جن کے جگر ہے بھی اور نہیں
انجام کیا ہو اس شبِ ہجراں کا دیکھیے
طالع سے تو امیدِ سحر ہے بھی اور نہیں
خوباں کے کیا دہان و کمر کا کروں میں ذکر
ان لوگوں کے دہان و کمر ہے بھی اور نہیں
لیتا ہے جب وہ ہاتھ میں آئینہ اس گھڑی
باہم قرانِ شمس و قمر ہے بھی اور نہیں
دیکھی ہے جب سے ہم نے وہ شمشیرِ آب دار
جوں شمع اپنے دوش پہ سر ہے بھی اور نہیں
از بس کہ درد و داغ سے پایا ہے اس نے رنگ
نالے میں عاشقوں کے اثر ہے بھی اور نہیں
گم گشتگانِ بادیۂ عشق کے تئیں
ریگِ رواں کی طرح سفر ہے بھی اور نہیں
بیم و امید ہی میں گزرتی ہے اپنی عمر
کشتی نشیں کو جیسے خطر ہے بھی اور نہیں
وے شورشیں رہیں نہیں ہجراں کی مصحفی
اب اس گلی میں اپنا گزر ہے بھی اور نہیں

۲۸۲

ساقی تو مے پلا مجھے بھر بھر گلابیاں
پھر اک گھڑی کو دیکھ مری بد شرابیاں

اک عمر تک تو دست و گریباں رہیں مدام
بجلی کی کوندیں دل کی مرے اضطرابیاں

ہے تر بتر لہو میں جو داماں و آستیں
یہ چشمِ خوں فشاں کی ہیں ساری خرابیاں

کیا کیا یہ جی میں گزرے ہے آتی ہیں جب کہ یاد
عالم میں وہ نشے کے تری بے حجابیاں

مشکل کہ دے کسی کو سواری یہ مصحفی
ہیں توسنِ فلک میں جو یہ بد رکابیاں[1]

۲۸۳

چلتے چلتے جو تری راہ میں آ جاتے ہیں
مہ و خورشید منہ اپنے کو چھپا جاتے ہیں

تو جو ہوتا ہے کبھی گھر میں تو شوخی کر کے
تیرے درباں ہی کی ہم گالیاں کھا جاتے ہیں

یاں تک آنکھوں میں کھٹکتا ہوں میں ان کی کہ بتاں
دیکھتے ہیں جو مجھے ، نظریں چرا جاتے ہیں

میں تو جاتا نہیں ، پر سیرِ چمن کرنے کو
دل کے پرزے مرے ہم راہِ صبا جاتے ہیں

راہ رو وے ہیں کہ جاتے ہوئے دل سے اپنے
الفتِ کعبہ و بت خانہ گرا جاتے ہیں

آ کے کوچے میں ترے دل کی تسلی کے لیے
روزنِ در سے ہی ہم آنکھ ملا جاتے ہیں

---

۱ - اصل میں ''بد سرالیاں'' ہے - تصحیح قیاسی - (ادارہ)

کیا عجب اس کا اگر صبح کے ہوتے ، نالے
خس و خارِ غم و اندوہ جلا جاتے ہیں
رسم ہے قافلے والوں کی کہ جنگل کے تئیں
یک بہ یک چلتے ہوئے آگ لگا جاتے ہیں
مصحفی طول کھنچے صحبتِ اشعار اب تو
اک غزل اور بھی یاروں کو سنا جاتے ہیں

۲۸۴

جب بُتاں زلف کی زنجیر دکھا جاتے ہیں
خون سودائیوں کے جوش پر آ جاتے ہیں
دیکھیے کیوں کہ طرف اس کی کہ نظارہ پرست
طرزِ نظارہ کو آنکھوں میں اڑا جاتے ہیں
ہم کو جس دل نے پھنسایا ہے ترے دام کے بیچ
ہم وہی دل تری زلفوں میں پھنسا جاتے ہیں
شوخ چشموں کے جو ہوتا ہے مقابل کوئی شخص
گھورگھوراس کو یہ نظروں ہی میں کھا جاتے ہیں
برگِ گل اڑتے ہیں ، یا میرے جگر کے ٹکڑے
ہر طرف دست و گریباں ہوا جاتے ہیں
زور عالم ہے تری زلف کے دیوانوں کا
جب بہار آئے ہے زنجیر تڑا جاتے ہیں
وہ سنے یا نہ سنے اس کو ہم اپنا احوال
پسِ دیوار کھڑے ہو کے سنا جاتے ہیں
عشق ہے ان کو جو جاتے ہوئے کوچے میں ترے
اپنے پاؤں کے نشاں آپ مٹا جاتے ہیں

مصحفی جوش پہ ہے بحرِ معانی ، ہم تو
اب کے پھر زورِ طبیعت کو دکھا جاتے ہیں

۲۸۵

بیٹھے بیٹھے جو کبھی رونے پر[1] آ جاتے ہیں
خوں کے نالے ترے کوچے میں بہا جاتے ہیں
یہ وہ کوچہ ہے جہاں گالیاں کھانے والے
سیکڑوں سنتے ہیں اور لاکھوں سنا جاتے ہیں
ناصحوں کی میں نصیحت سے بہ جاں آیا ہوں
یہ تو بک بک کے مری جان بھی کھا جاتے ہیں
وہ بڑے مرد ہیں جو سامنے آ کر تیرے
تیغِ ابرو کا تری وار بچا جاتے ہیں
مشت پر لاتے ہیں اس بزم[2] میں گر پروانے
شعلۂ شمع پہ یک مشت جلا جاتے ہیں
ساغرِ زہر بھی دیتا ہے فلک گر ہم کو
ہاتھ سے لیتے ہی ہم اس کو چڑھا جاتے ہیں
ملکِ ہستی سے جو جاتے ہیں جریدہ ہو کر
راہ میں اپنا سب اسباب لٹا جاتے ہیں
ہاتھ مہندی رچے دکھلا کے ہمیں محبوباں
اور بھی دل میں محبت کو رچا جاتے ہیں
اس زمیں میں غزل اک اور بھی رنگیں کہہ کر
مصحفی چار چمن اس کو بنا جاتے ہیں

۱ - پہ : ح
۲ - گر بزم میں یہ پروانے : ح -

۲۸۶

کبھی پردے سے جو وے آنکھ لڑا جاتے ہیں
جوکہ دیکھا نہیں ہم نے وہ دکھا جاتے ہیں
اس کے کوچے کی طرف جب میں لگوں ہوں جانے
دل میں اندیشے کئی اس گھڑی آ جاتے ہیں
یہ وہ صحرا ہے جہاں راہوں کے چلنے والے
چلتے چلتے ہی زمیں بیچ سما جاتے ہیں
قصّہ خواں گرچہ نہیں ہم ، پہ خوشامد کے لیے
داستاں کہہ کے[1] نئی روز سنا جاتے ہیں
یہ بگولے جو یہاں اُٹھتے ہیں صحرا سے کبھو
آکے تربت پہ مری خاک اُڑا جاتے ہیں
مل گیا خاک میں جب اشک تو آئی یہ صدا
یعنی جاتے ہیں تو یوں اہلِ صفا جاتے ہیں
اتنے مشتاق تماشا ہیں کہ کوچے میں[2] ترے
مہ و خورشید بھی نت رُو بہ قفا جاتے ہیں
تو وہ استادِ مسلّم ہے کہ خوبانِ جہاں
تجھ کو آ کر سبقِ ناز سنا جاتے ہیں
مصحفی کیوں کہ چھپے ان سے مرا دردِ نہاں
یار تو بات کے انداز سے پا جاتے ہیں

۲۸۷

سرزنش یاں خاکِ کوے یار کو ہے اور نہیں
پائمالی سایۂ دیوار کو ہے اور نہیں

---

۱ - داستاں روز نئی کہہ کے : ح - ۲ - سے : ح -

بس کہ ہے نرمی مرے معشوق کی رفتار میں
اس سے نسبت کبک کی رفتار کو ہے اور نہیں
ذبح کرتا ہے وہ مجھ کو ہاتھ اپنا تھام تھام
خاطرِ رحم اس بتِ خوں‌خوار کو ہے اور نہیں
بس کہ وہ ہر دم شرابِ ناز کا مخمور ہے
حال سے میرے خبر اس یار کو ہے اور نہیں
دیکھ دیکھ آئینہ ہنس پڑتا ہے ، اپنے حسن سے
آگہی اس طفلِ گل رخسار کو ہے اور نہیں
پرتوِ رو سے ترے اے آفتابِ دل فروز
چہرہ افروزی گل و گلزار کو ہے اور نہیں
مجھ کو آئینے سے یہ روشن ہوا سب کے حضور
بے قراری طالبِ دیدار کو ہے اور نہیں
مصحفی کرتا ہے تجھ سے خوبرو پر اس لیے
آرزوے مرگ اس بیمار کو ہے اور نہیں

۲۸۸

نقشِ شیریں میں ترے حسن کا پرداز کہاں
یہ نزاکت ، یہ ادا اور یہ انداز کہاں
طائرِ سدرہ سے میں تیز پری کرتا ہوں
دیکھیو پہنچی ہے یارو مری پرواز کہاں
عرشیوں کو مرے نالوں نے خبر عشق کی دی
بات[۱] لے پہنچتے ہیں دیکھو یہ غماز کہاں
یادِ دہلی سے تو جی اپنا بھرا آتا ہے
ہائے وے شیریں وہ طفلانِ خوش آواز کہاں

---

۱ - بات لے پہنچے ہیں دیکھو تو یہ غماز کہاں : ح

عاشقِ عالم خط قدر تری کیا جانے
اس نے دیکھا ہے ترے حسن کا آغاز کہاں

دم[1] رکا آنے ہے تنہائی سے میرا یا رب
اٹھ گئے چھوڑ کے مجھ کو مرے دم ساز کہاں

آیا مشرق کو تو مغرب سے اب آگے آگے
دیکھوں لے جاویں مجھے طالعِ ناساز کہاں

ہاتھ میں شیشۂ مے ناز سے ہلتا جھلتا
آج جاتا ہے تو اے سروِ سر افراز کہاں

بالِ طاؤس کو چھب اس کی دکھا دیتا ہیں
یارب! اس وقت گیا وہ بت طناز کہاں

کیونکہ نسبت دوں رگِ گل کو کمر سے تیری
نازکی اس کی مسلّم ہے پہ یہ ناز کہاں

مصحفی یار تو سب دشمنِ جاں ہیں واللہ
رازِ دل کس سے کہوں اپنا میں، ہم راز کہاں

۲۸۹

اوّل تو تھوڑی تھوڑی چاہت تھی درمیاں میں
پھر بات کہتے لکنت آنے لگی زباں میں

کیا جانیے چمن میں کیا تازہ گل کھلا ہو
آئے تھے آگ رکھ کر ہم اپنے آشیاں میں

ابرو کا اس کے یارو کیا ہم سے[2] ہو سکے وصف
سورج کو جس نے کھینچا اک گوشۂ کماں میں

---

۱ - ن، ح میں مصرعوں کی ترتیب غلط ہے -
۲ - ہم نے : ح

وہم اور گماں اپنا کیا کام کر سکے واں
نے وہم میں سمائے ، آوے نہ جو گماں میں

صورت پر[1] اس کی یارو جاتی ہے جان اپنی
ہر چند خوبصورت ہیں اور بھی جہاں میں

آ جائے غش تجھے بھی اے ماہ ! گر تو دیکھے
اس کے بدن کا جلوہ پیراہن کتاں میں

مبدا سے کوئی اب تک واقف نہیں ہے ، ہے ہے
یوسف کو گم کیا ہے اندھوں نے کارواں میں

دامن ہو[2] میرا خالی لخت جگر سے کیوں شب
یہ تازہ گل میں دیکھوں دامان آسماں میں

اے مصحفی ! وہاں سے ہم خوب رو کر آئے
سوے چمن گئے تھے کیوں موسم خزاں میں

۲۹۰

عشق بازی ہے کچھ یہ کھیل نہیں
اس میں ہر بوالہوس کا میل نہیں

مجھ سے خال اس کے ایسے روکھے ہیں
تو کہے ان تلوں میں تیل نہیں

سرمہ دنبالہ دار آنکھوں کا
سچ جو پوچھو پٹا[3] ہے سیل[4] نہیں

---

۱ - پہ : ح ۲ - ہوں میرے : ح

۳ - پٹا : ایک قسم کے فن سپہ گری کا نام جس کو بھری ، گد کے سے کھیلتے ہیں - (نوراللغات جلد ۲ صفحہ ۵۴)

۴ - سیل : (٥) مذکر - چھوٹا نیزہ - (نوراللغات ج ۳ صفحہ ۳۴۰)

کون سی جاگہ لکھنؤ کے بیچ
خوب رویوں کی[1] ریل پیل نہیں
کیوں کہ سنبل کی بو مجھے خوش آئے
اس کے بالوں میں تو پھلیل[2] نہیں
کون سا وقت ہے کہ آنکھوں سے
سیلِ خونِ جگر کی ریل[3] نہیں
مصحفی دل چمن میں کیوں کہ لگے
وہ چنبیلی، وہ رائے بیل نہیں

۲۹۱

اقطاع[4] زمیں سارے گر دیکھیے موزوں ہیں
کیا کیا نہ سہی قامت اس خاک میں مدفوں ہیں
شاعر کو خبر کب ہے جو ان کے تئیں باندھے
اک جنبش لب ہی میں یاں سیکڑوں مضموں ہیں
لیلیِ عرب ہے تو آشوب ملاحت میں
دلی کے پری پیکر سارے ترے مجنوں ہیں
یہ ان کو حنا تو نے اے شوخ! لگائی ہے
یا خون سے عاشق کے پنجے ترے گلگوں ہیں
بے پردگی اب تیری پہنچی ہے میاں یاں تک
جو ہم سے بھی بازاری رخ کے ترے مفتوں ہیں

---

۱ - کو: کہاں -
۲ - پھلیل: خوشبودار تیل - (نوراللغات جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)
۳ - ریل: (ہ) افراط، انبوہ (نوراللغات جلد ۳ صفحہ ۱۱۸)
۴ - اقطاع: قطع (ٹکڑے) کی جمع -

جس دن سے ترا چہرہ ان کو نظر آیا ہے
اس دن سے میاں میرے سب یار دگرگوں ہیں

افسونِ محبت کو اک ہم تو سمجھتے ہیں
نے سحر کے بندے ہیں ، نے قائلِ افسوں ہیں

جس دن سے میں دیکھا ہے رنگِ کفکِ ساقی
پلکیں[1] مری رنگیں ہیں، آنکھیں مری پُرخوں ہیں

اے مصحفی ! ہے اور ہی انداز غزل گوئی
کہنے کے تئیں یوں تو شاعر سبھی موزوں ہیں

۲۹۲

چوسر میں ہم آس شوخ سے جی ہار گئے ہیں
دین و دل و ایمان سبھی ہار گئے

نے نے یہ غلط جی تو ہمیں پاس ہے لیکن
دو چار سپاری کی ڈلی ہار گئے ہیں

جیتا ہے جو اک شیشہ تو پھر مارے خوشی کے
دو[2] شیشے شرابِ عنبی[3] ہار گئے ہیں

بازی رہی ہے یوں ہی سدا اس کی ہماری
جیتے ہیں کبھی کچھ تو کبھی ہار گئے ہیں

پوچھا جو میں کیا جیتے میاں مصحفی تم سے
یوں ہنس کے کہا وے تو ابھی ہار گئے ہیں

۲۹۳

جن ہاتھوں سے لیتا تھا کسو کی میں بلائیں
ان ہاتھوں سے اب مانگوں ہوں دن رات دعائیں

---

۱ - رنگیں مری پلکیں ہیں : ح - ۲ - وہ : ح -
۳ - شراب عنبی : انگور کی شراب -

جس وقت کہ دیکھوں ہوں میں کافر کی ادائیں
مژگاں سے نگاہیں مری لیتی ہیں بلائیں
تو دور ز انصاف اگر ہے تو ہوا کر
"احسنت" کہیں ہیں مجھے میری ہی وفائیں
یہ بھی مری قسمت میں لکھا تھا کہ شب وصل
یوں طالع دوں تجھ سے مجھے دور سلائیں
جی میں کبھی انصاف تو تُو اپنے کیا کر
کیا کیا سہی ہیں دیکھ تو میں تیری جفائیں
گلشن میں بہار آئی گئی پھول جھڑے نخل
افسوس جو ہم اب بھی گریباں نہ سلائیں
بیدار ہیں طالع انھیں لوگوں کے، جو ہرگز
پاؤں پہ ترے رکھ کے سر اپنا نہ اٹھائیں
اے مصحفی! وہ مجھ کو بچھڑتے ہی گیا بھول
یہ جی میں نہ آیا کہ کبھی خط تو بھجائیں

۲۹۴

ہمارے داغ جگر شب نمود کرتے ہیں
تو ان کو دیکھ کواکب سجود کرتے ہیں
جہاں میں ہم سا بھی کم ہوگا کوئی دیوانہ
زیان جاں میں ہیں اور فکر سود کرتے ہیں
ہے بوے عشق بھری میرے استخوانوں میں
تبھی تو آگ پہ یہ کار عود کرتے ہیں
موے ہیں حسرت دیدار میں تری جو غریب
ہم ان کے واسطے ختم درود کرتے ہیں

ہمیں سلام نہیں اور غیر کے گھر میں
ہمیشہ نامہ و قاصد ورود کرتے ہیں

جو رکھیے آگ پہ تو اب بھی استخواں میرے
طرح فتیلۂ عنبر کی ، دود کرتے ہیں

سیاہ بختی کا کس کی اثر ہے جو خوباں
لبوں کو اپنے مسی سے کبود کرتے ہیں

جو **مصحفی** نے کیا اپنے ساتھ ہے ظالم
کوئی یہ کام نصاریٰ جہود کرتے ہیں

۲۹۵

باتوں میں آپ ہنس ہنس نت زہر گھولتے ہیں
ہم سے ہی بے حیا ہیں جو تم سے بولتے ہیں

تیر نگہ ہوا ہے دل میں مرے ترازو
تس پر بھی آپ ہر دم تیغے کو تولتے ہیں

تیری بھی فتنہ سازی لیویں گے دیکھ اے حشر!
خواب عدم سے اب کے جو آنکھ کھولتے ہیں

سینے پہ میرے ہر دم رکھتے ہیں ہاتھ خوباں
دل لے چکے پھر اس میں اب[۱] کیا ٹٹولتے ہیں

جس رہ سے **مصحفی** میں روتا ہوا گیا تھا
اس رہ کے جانے والے موتی ہی رولتے ہیں

۲۹۶

جیتا رہوں کہ ہجر میں مر جاؤں ، کیا کروں
تو ہی بتا مجھے ، میں کدھر جاؤں ، کیا کروں

---

۱ - ج : یہ -

ہے اضطرابِ دل سے نپٹ عرصہ مجھ پہ تنگ
آج اس تلک بہ دیدۂ تر جاؤں ، کیا کروں
حیران ہوں کہ کیونکہ یہ قضیہ چکے مرا
سر رکھ کے تیغ ہی پہ گزر جاؤں کیا کروں
بتلا دے تو ہی واشدِ دل کا مجھے علاج
گلشن میں اے نسیمِ سحر ! جاؤں کیا کروں
بیٹھا رہوں کہاں تلک اس در پہ **مصحفی**
اب آئی شام ہونے کو ، گھر جاؤں کیا کروں

ردیف و

۲۹۷

جفا شعار جو ہو سو وفا شعار نہ ہو
کوئی امیدِ وفا پر کسی کا یار نہ ہو
یہ آرزو ہے کہ جو اس گلی میں مر جاوے
وہ خاک ہو ، پہ تری راہ کا غبار نہ ہو
ذرا تو رہ دلِ بے صبر ، کیا ہے بے صبری
ملے گا یار ، تو اتنا بھی بے قرار نہ ہو
گلی میں اس کی میں جاتا ہوں راہ میں مجھ سے
خدا کرے کہ کوئی آشنا دو چار نہ ہو
بھلا وہ غم زدہ سیرِ چمن کو کیا جاوے
ہوائے خندۂ گل جس کو سازوار نہ ہو
وہ انگلیوں کو کرے اپنی جب کہ فندق بند
حواسِ خمسہ میں ممکن ہے انتشار نہ ہو

---

۱ ۔ غصہ : ح ۔

زمین باغ سے آگئے ہیں لالہ خوں آلود
کسو شہید کی یاں تازہ کوئی[1] مزار نہ ہو

نہ جاوے لگ کے گر اس گل‌بدن سے صبح نسیم
چمن کے بیچ کبھی موسم بہار نہ ہو

کیے ہیں فرش میں اس کی گلی میں خار مژہ
کہ تا یہاں قدم غیر کا گزار نہ ہو

علاج دل کا مرے ہے اگرچہ صبر و شکیب
میں کیا کروں جو مرا دل پہ اختیار نہ ہو

خبر شتاب لے اس مرغ دل کی اے صیاد!
کہیں تلف ترے ہاتھوں میں یہ شکار نہ ہو

ذرا سمجھ کے قدم شب کو گھر سے باہر رکھ
برون در کوئی تازہ[2] امیدوار نہ ہو

بڑا ستم ہے جو اس فصل گل میں ناصح سے
رفو مرا یہ گریبان تار تار نہ ہو

کبھی ستارہ نہ چمکے زمین کا ہرگز
جو کفش پاؤں میں اس کے ستارہ دار نہ ہو

میں بے دماغ ہوں، صحبت سے اپنی کیا ہے عجب
کسی کے ساتھ جو صحبت مری برار نہ ہو

تمام دیدۂ حیراں کی شکل ہے نرگس
کہیں اسے بھی مرے گل کا انتظار نہ ہو

چلا ہے شوق مجھے لے کے آج آس کی طرف
مزہ تو ہے جو کبھی در پہ پردہ دار نہ ہو

---

۱ - بر وزن فع -
۲ - نادان : ج

الٹ دے جب کہ تو مکھڑے سے اپنے طرف[1] نقاب
کسی کا رازِ نہاں کیوں کہ آشکار نہ ہو
ہزار بار تجھے آ کے ہم نے سمجھایا
نہ ملیے اس سے کبھی آپ سے جو یار نہ ہو
خدا کے واسطے اے مصحفی ! کہا بھی مان
تو اس کے پیچھے میاں اس قدر بھی خوار نہ ہو

۲۹۸

کیا کم ہوا ہے زخموں سے میرا بدن آتو[2]
اب تیغ سے کرے[3] ہے جو ظالم کفن آتو
تو نازکی تو دیکھ کہ موجِ نسیم سے
ہو جاتے ہیں یہ برگِ گل و یاسمن آتو

---

۱ - ''ظرف'' اصل متن میں بہ ظاہر غلط معلوم ہوتا ہے - ''طرف'' تصحیح قیاسی - (فائق)
۲ - ''آتو''ف میں بیش تر بہ ضم اول و دوم ہے اور بہ تشدید دوم بہت کم - اردو میں تسلیم نے بغیر تشدید بھی کہا ہے -
مذکر۔ اصل میں اس آلۂ آہنی کا نام ہے جس سے کپڑے کو مٹکے پر دبا کر زینت کے لیے نقش بناتے ہیں ۔ مگر اصطلاح میں اُن نقوش کو کہتے ہیں جو اس آلے سے بنائے جاتے ہیں -
اتو کرنا - ۱ - کپڑے پر اتو کا کام کرنا - ۲ - اتنا مارنا کہ بدن پر ضرب کے نشان پڑ جائیں -
(نوراللغات ، ج ۱ ، صفحہ ۲۵۹)
۳ - کرو ہو جو چادر کفن اُتو : ل
کرو ہو جو پیارے کفن اُتو : ح

زینت سے کام کیا انھیں جو ہیں پلاس پوش[1]
ہوتا کبھیں سنا ہے لباسِ خشن[2] آتو ؟
مجرم کو گرم لوہے سے دیتے ہیں کیونکہ داغ
یہ بات اُس سے پوچھیے ہو جس کا فن آتو
آئے ہے آج موجِ[3] ہوا گرم باغ میں
کرنے کو بوٹے دار قبائے چمن آتو
ایمن ہیں تیغ کاریِ گردوں سے اہلِ فقر
ہرگز سنا نہ میں کہ کریں پیرہن آتو
زیبندگی سے کام ہے کیا ہم کو مصحفی
اپنے لباس کی ہے یہاں ہر شکن آتو

۲۹۹

یا الٰہی ! مرے نالے کا اثر پیدا ہو
شبِ ہجراں کی سیاہی سے سحر پیدا ہو
ہم سے پائی نہیں جاتی کمر اس کی اے زلف !
تُو ہی کچھ راہ بتا دے تو کمر پیدا ہو
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم خاکِ کفِ پا کو تری
طرفہ اکسیر ہے یہ خاک ، اگر پیدا ہو
کھینچ کر تیغ کو آ پہنچے جو قاتل سر پر
سینہ کر دیجے سپر ، گر نہ سپر پیدا ہو

---

۱ - پلاس پوش : (ف) ٹاٹ کا کپڑا پہننے والے -
۲ - لباس خشن : (ف) ٹاٹ کا لباس -
۳ - ہو کے ہوا : ح

مائل گریہ میں یاں تک ہوں کہ اعضا میرے
جس جگہ داغ[1] دیں واں دیدۂ تر پیدا ہو
وضع ایسی نہ بنا اپنی کہ جس سے ظالم
دل میں لوگوں کے ، تری وضع سے ڈر پیدا ہو
کشتۂ رنگ حنا ہوں میں عجب کیا اس کا
گر مری خاک سے مہندی کا شجر پیدا ہو
ابر میں چاند چھپانے لگے اپنے منہ کو
ابھی پردے سے جو وہ رشک قمر پیدا ہو
ہو جو کشتہ تری تیغ نگہ پنہاں کا
نہ کہیں نعش ملے اس کی ، نہ سر پیدا ہو
قدر کر قدر مرے پارۂ دل کی اے چشم !
ہے یہ وہ لعل کہ با خون جگر پیدا ہو
منزل مرگ وہ منزل ہے کہ جس منزل میں
دل میں رستم کے بھی یک بار خطر پیدا ہو
در معنی کو مرے دیکھ کے حیران رہے
گر زمانے میں کوئی اہل نظر پیدا ہو
مصحفی اب کے میں لکھتا ہوں غزل اک ایسی
جس کے ہر حرف سے انداز دگر پیدا ہو

۳۰۰

وہ نہیں میں جسے مرنے کا خطر پیدا ہو
میں تو لوں مول اسے ، موت اگر پیدا ہو

---

۱ - داب : ل

نخلِ ماتم ہے مری آہ، ثمر اُس کا دل
نخلِ ماتم سے سنا ہے کہ ثمر پیدا ہو

مجھ کو پھر فکرِ دہن اس کی کرے ہے حیران
سو خرابی سے اگر موے کمر پیدا ہو

زندگی تیغ سے ہے شمع کے مانند مری
کاٹیں اک سر کو تو پھر دوسرا سر پیدا ہو

سلسلہ رونے کا میرے نہیں ہوتا برہم
اشک رہ جاے تو پھر لختِ جگر پیدا ہو

یہ بھی قسمت تھی کہ لے جاویں ملک نامہ غیر
اپنی قسمت سے کبوتر کا نہ پر پیدا ہو

کیا دوا ہووے نہ بیمارِ تپِ ہجراں کی
گر کہیں مصرِ محبت میں شکر پیدا ہو

کس طرح سوزِ غمِ عشق چھپاوے، جس کے
سانس لیتے ہوے سینے سے شرر پیدا ہو

اس کا کوچہ بھی عجب بھول بھلیّاں ہے، جہاں
نہ نکلنے کی ملے راہ، نہ در پیدا ہو

در گزر قتل سے میرے کہ پشیماں ہوگا
سخت مشکل ہے کہ پھر مجھ سا بشر پیدا ہو

قصد میں جو ترے کوچے کے گھر اپنا چھوڑے
یا الٰہی! نہ اسے زادِ سفر پیدا ہو

گاڑ دیویں مجھے جس خاک میں با چہرۂ زرد
پھر عجب کیا ہے گر اس خاک سے زر پیدا ہو

مصحفی کے تئیں کیا دوگے مری جان جواب
روزِ محشر جو وہ بادیدۂ تر پیدا ہو

۳۰۱

تا چند رکھوں دل میں گلستاں کی ہوس کو
ہے جی میں کہ دوں آگ لگا اپنے قفس کو

کیا قافلہ جاتا ہے چلا بے خبرانہ
ہرگز کوئی سنتا نہیں فریادِ جرس کو

آیا جو خیال اس کا مرے دل میں بہ دزدی
کیا خوابِ اجل لے گئی اس رات عسس کو

افسوس کہ در تک یہ فقیر آنے نہ پاوے
مجلس میں تری بار ملے ناکس و کس کو

ہے جاذبِ[1] اربابِ ہوس لذتِ دنیا
چارہ نہیں زنہار مٹھائی سے مگس کو

اے شرم تو دے اب مجھے اک آہ کی رخصت
تا چند میں سینے میں کروں ضبط نفس کو

عاشق کے تئیں کھینچے ہے معشوق کی گرمی
لیتا ہے اٹھا کاہ رہا دور سے خس کو

فتنے نے کہا دیکھ کے بوٹا سا قد اس کا
لاوے گا قیامت یہی دو چار برس کو

یا شاہِ نجف! **مصحفی** کی ہے یہ تمنا
ان آنکھوں سے دیکھوں ترے روضے کے کلس کو

---

۱ - جاذبہ (؟) پ

۳۰۲

مجھ سے منہ پھیر لیا غیر کے دکھلانے کو
اُس نے یہ چھیڑ نکالی مجھے[۱] ترسانے کو

کیا جلے خاک کہ آنے نہیں دیتا کوئی
شعلۂ شمع کے نزدیک بھی پروانے کو

پھاڑ کر اپنا گریباں ابھی مجنوں کی طرح
جی میں آتا ہے نکل جائیے ویرانے کو

عشقِ مجنوں سے یہ افسانہ نہیں کم لیکن
کون سنتا ہے مرے درد کے افسانے کو

جو گزرتا ہے مرے جی پہ جدائی میں تری
آگہی اس سے نہ اپنے کو ، نہ بیگانے کو

ووں ہی اٹھ چلتے ہو اک بات کے کہتے صاحب!
کتنے چالاک ہو تم غیر کے گھر جانے کو

مصحفی کعبے میں اب دل نہیں لگتا اپنا
ہم بھی اٹھ جاویں گے یاں سے کسی بت خانے کو

۳۰۳

پھر عشق کا اِن روزوں آزار ہوا مجھ کو
جینا ترے ہاتھوں سے دشوار ہوا مجھ کو

پھر فصلِ بہار آئی ، زنجیرِ جنوں ٹوٹی
ہے شرط خبر سودا سرشار ہوا مجھ کو

میں خوں میں حو تڑپوں ہوں اس کا بھی تو باعث ہے
اے ہم نفساں ! کچھ تو اسرار ہوا مجھ کو

---

۱ - مرے : ح

پلکوں سے بلائیں لیں، میں اپنی ہی آنکھوں کی
جس وقت ترا پیارے دیدار ہوا مجھ کو
مژگاں نے تری چھریاں اس دل پہ چلائیں اور
سرمہ تری آنکھوں کا تلوار ہوا مجھ کو
میں اپنے تئیں در خور زنہار نہ پایا پھر
مجلس میں تری پیارے جب بار ہوا مجھ کو
اے مصحفی! اک بت سے پھر آنکھ لڑی میری
ہر تار گریباں پھر زنّار ہوا مجھ کو

۳۰۴

بات کو میری الگ ہو کے نہ شرماؤ سنو
کچھ کہا چاہوں ہوں میں تم سے ادھر آؤ سنو
میں تو جانے کا نہیں روبرو اُس کے یارو
کچھ وہ گر تم سے کہے ہے تو تمھیں جاؤ سنو
چھیڑنے کو مرے گر آپ کا جی چاہے ہے
بے ادب ہوں میں مرے حق میں جو فرماؤ سنو
بات بھی مانو کسی کی کوئی یہ بھی ضد ہے
اپنے عاشق کے تئیں اتنا نہ ترساؤ سنو
"گل صنوبر" کا اگر قصہ ہے تم پاس میاں
پڑھنے والا بھی تو موجود ہوں میں، لاؤ سنو
اے دل و دیدہ! مآل اس کا برا ہے سمجھو
دیکھ کر اس کے تئیں اتنا نہ للچاؤ، سنو
مصحفی بات تو کہنے دو ذرا قاصد کو
پہلے ہی حرف میں تم اتنا نہ گھبراؤ سنو

۳۰۵

سدھاری قوت دل تاب اور طاقت سے کہہ دیجو
ہوے ہیں ناتواں ہم ، بستر راحت سے کہہ دیجو
موا ہوں میں تواے یارو جو یاروں سےمرے ہووے
سلام شوق اس کا تم مری تربت سے کہہ دیجو
گر اے قاصد ! تو اس کے روبرو جاوے ، اشارت میں
دعا میری بھی اُس معشوق کم فرصت سےکہہ دیجو
بیاں جو جو کہ صورت تجھ سےکی ہےمیں نے اے قاصد
تو اس کے کان میں جھک کر اسی صورت سے کہہ دیجو
بھلا اس کا تو دل خوش ہووےگا اس بات کو سن کر
نہ پہنچے مدّعا کو اپنے ہم ، حسرت سے کہہ دیجو
ہوا دیوانہ تھا وہ مصحفی تیرا جو سودائی
صبا گر اس گلی میں جاے جمعیّت سے کہہ دیجو

۳۰٦

گو کہ زنجیروں میں جکڑیں ، روک اس کی کس سے ہو
وہ وہیں جاتا ہے آخر لاگ جس کی جس سے ہو
جی میں آتا ہے کہ گُل چھلّے کے کھاؤں اس قدر
جو مرا ساعد مشابہ دستۂ نرگس سے ہو
میں تو بندہ ہوں فقط اس کی نگاہ لطف کا
کام کیا ہے مجھ کو ، گو وہ آشنا جس تس سے ہو
وہ نہیں ہوں میں کروں نظّارۂ خوباں کو ترک
حرکت ایسی ہاں اگر ہو تو کسی بے حس سے ہو
دید کا ملتا ہو جس کو دور گردی میں مزہ
چاہیے وہ شخص باہر حلقۂ مجلس سے ہو

اب تو میں دل پر دیا یارو قرارِ وصلِ یار
گو کہ دل بے دل ہے ، پر یہ کام شاید اس سے ہو
میں بہ ظاہر حد پریشاں حال پاتا ہوں تمھیں
ان دنوں میں[1] تم تو کچھ میاں[2] **مصحفی** مفلس سے ہو

۳۰۷

خریدار اپنا ہم کو جانتے ہو
بھلا اتنا تو تم پہچانتے ہو

بنے گا چہرہ یہ کس کا مہ و مہر
جو تم بیٹھے صباحت چھانتے ہو

اٹھو اے زخمیانِ کوچۂ یار
عبث کیوں خوں میں ماٹی سانتے ہو

وہ آنے کا نہیں اب گھر سے باہر
تم اس قاتل کی خو کو جانتے ہو

یکایک کر گزرتے ہو وہی جان
تم اپنے جی میں جو کچھ ٹھانتے ہو

غرض ہو آشنا اپنی ہی ضد کے
کسی کی بات کو کب مانتے ہو

گیا ہے قافلہ میاں[3] **مصحفی** اب
عبث دامن کو تم گردانتے ہو

---

۱ - ہم (؟) : ح ۲ - بروزن فاع -
۳ - بر وزن فاع -

۳۰۸

گرچہ اے دل عاشقِ شیدا ہے تُو
لیکن اپنے کام میں پکا ہے تُو
عاشق و معشوق کرتا ہے جدا
اے فلک ! یہ کام کیا کرتا ہے تُو
لاکھ پردے گر ہوں تیرے حسن پر
کوئی پردوں میں چھپا رہتا ہے تُو
حالِ دل کہنے لگوں ہوں میں تو شوخ
مجھ سے یوں کہتا ہے کیا بکتا ہے تُو
پاس بیٹھا اس کے میں رویا کیا
یہ نہ پوچھا مجھ سے کیوں روتا ہے تُو
رات دن تو ہے مری آغوش میں
میں ترا ساحل ، مرا دریا ہے تُو
بزم میں اس تند خو کی دوڑ دوڑ
کام کیا ، کیوں ، کس لیے جاتا ہے تُو
واں نہیں مطلق ترا مذکور بھی
مصحفی کس بات پر بُھولا ہے تُو

۳۰۹

پیکاں ترا جگر کے اگر متصل نہ ہو
اغلب کے بعدِ مرگ بھی تسکینِ دل نہ ہو
دامن جھٹک کے چلتے ہو تم میری خاک سے
ڈرتا ہوں اس سے شعلہ کوئی مشتعل نہ ہو
اے دل ! بھلا روا ہے گراں جانی اس قدر
چل دور ہوکہیں ، مری چھاتی کی سل نہ ہو

کہتے ہیں جس کو مردمک چشم آفتاب
مجھ کو گماں ہے یہ ترے عارض کا تل نہ ہو

ہے موسم بہار کا آغاز ، قہر ہے
اب بھی اگر چمن میں ہوا معتدل نہ ہو

جس کُو میں ہو گزار پری طلعتان ہند
وہ کوچہ کیوں کہ روکش چین و چگل[1] نہ ہو

تصویر تیری کہتی ہے[2] یوں آفتاب سے
کیا ڈر ہے گو میں خوب ہوں تو منفعل نہ ہو

اے ابر نوبہار برس اس سے دور دور
تربت کی میری خاک کہیں اور گل نہ ہو

تو جانیو یہ اس کا ہی زخمی ہے مصحفی
جس صید زخم خوردہ کے پہلو میں دل نہ ہو

۳۱۰

پہلو سے مرے یار کا پیکاں نہ نکالو
میں جاں بہ لب آپھی ہوں مری جاں نہ نکالو

لے جا کے مجھے یار کے کوچے میں کرو دفن
تابوت مرا سوے بیاباں نہ نکالو

سج روز نکالو نئی تم اپنی صد افسوس
اور دل سے مرے وصل کا ارماں نہ نکالو

ڈرتا ہوں نہ لگ جاے نظر تم کو کسی کی
سر غرفے سے باہر تو مری جاں نہ نکالو

---

۱ - چگل : ترکستان کا ایک شہر ، جہاں کا حسن مشہور ہے -
۲ - ہیں : ح

اک ظلم کا ہووے گا مرا دل متحمل
تلوار نکالو تو نمک داں نہ نکالو

ملحد ہوں اگر میں تو بھلا اس سے تمہیں کیا
منہ سے یہ سخن گبر و مسلماں نہ نکالو

قدغن ہے کہ اس وادیِ پر خوف و خطر میں
پاؤں سے کوئی خارِ مغیلاں نہ نکالو

چین اس سے ہی ہے مصحفیِ خستہ کے دل کو
رہنے دو خمِ زلفِ پریشاں نہ نکالو

۳۱۱

رہے مے خانے کے در پر پڑا دن رات کاہے کو
بطالت[1] میں کوئی ضایع کرے اوقات کاہے کو

ہزاروں[2] بات ہیں دنیا میں مہر و لطف کی لیکن
تو ہو آزردہ جس میں کیجیے وہ بات کاہے کو

پری کا رو و مو ، تجھ میں بنایا تھا جو صانع نے
بنا دے ساتھ اس کے پھر پری کی گات کاہے کو

مرے گریے نے کی سارے جہاں کی خانہ ویرانی
ہوئی دنیا میں ایسی طرح کی برسات کاہے کو

اگر دیکھا تھا رخ اس کا تو ان آنکھوں نے دیکھا تھا
ہوا اے مصحفی ! دل موردِ آفات کاہے کو

---

۱ - بطالت : بیکاری ، نکما پن -
۲ - یہ شعر 'ل' میں نہیں -

۳۱۲

گرچہ تم تازہ گلِ گلشنِ رعنائی ہو
پر یہی عیب ہے اک تم میں کہ ہرجائی ہو
روٹھ کر بیٹھ رہوں میں، وہ منانے آوے
کاش اتنا مجھے مقدورِ شکیبائی ہو
آمد و شد سے تو بدنام ہوں میں اس کو میں
مجھ کو یہ ڈر ہے کہیں اور نہ رسوائی ہو
موسمِ گل مگر آیا ہے کہ اس رت بن بن
لوگ جاتے ہیں بیاباں کو تماشائی ہو
ہم کو جو غیرِ خدا کہتے ہیں اندھے ہیں وہ لوگ
کیا نہ سوجھے انھیں اتنا بھی جو بینائی ہو
بیستوں سے نہیں تیشے کی صدا آتی آج
پاس فرہاد کے شیریں نہ کہیں آئی ہو
خال و خط ہی کا تصور تمھیں رہتا ہے مدام
مصحفی تم بھی عجب طرح کے سودائی ہو

۳۱۳

بالوں کو سنوارو ہو، پٹھوں[1] کو بناتے ہو
ہر روز نئے نقشے تم ہم کو دکھاتے ہو
نت جاؤں ہی جاؤں تم کرتے ہو جو آتے ہو
یہ بھی کوئی آنا ہے، جاؤ بھی جو جاتے ہو

---

۱ - پٹا: (لکھنؤ) مردوں کے سر کے دونوں طرف کے لٹکے ہوئے بال، کاکل - دہلی میں ہر ایک پہلو کے بالوں کو ''پٹھا'' اور سب کو ملا کر ''پٹھے'' بولتے ہیں - (نوراللغات جلد ۲ صفحہ ۵۳)

میں کشتۂ گیسو ہوں ، سنبل کو یہاں بو دو
تربت پہ مری یارو کیا[1] پھول چڑھاتے ہو
ہے خاک سے میری بھی پرہیز تمہیں جو تم
قدموں کو بچاتے ہو دامن کو اٹھاتے ہو
کیا خوں کی مرے رنگت مہندی سے میاں[2] کم ہے
ہاتھوں کے تئیں اپنے فندق جو لگاتے ہو
مت گرم ملو اتنا دشمن سے مرے ہر دم
کہنا بھی مرا مانو کیوں جی کو جلاتے ہو
وہ بات تمہاری کو کوئی[3] دھیان سے سنتا ہے
میاں[4] **مصحفی** تم ناحق کیوں مغز پھراتے ہو

۳۱۴

اک بات میں کہوں اگر آزردہ تو نہ ہو
ہر اک کے اس طرح سے میاں روبرو نہ ہو
اس نوبہار میں تو طرح گل کی اے نسیم
یوں چاہیے کہ زخم دل اپنا رفو نہ ہو
جی چاہتا ہے دل کو کروں اپنے چاک چاک
اس واسطے کہ اس میں تری آرزو نہ ہو
اس حسن لایزال کا عالم ہی اور ہے
یہ حسن وہ نہیں کہ کبھو[5] ہو کبھو نہ ہو

---

۱ - کیوں : ح -
۲ - بھلا : ح -
۳ - بروزن فع -
۴ - بروزن فاع -
۵ - کبھی : ح -

تیری قسم ہے اپنا تو رک جا ہے جی وہیں
اک دم جو درمیاں میں تری گفتگو نہ ہو
عاشق کا چاکِ جیب رفو ہو سکے ولے
چاکِ جگر بہ سوزنِ عیسیٰ رفو نہ ہو
عالم کو اک ہلاک کیا اس نے مصحفی
دنیا میں اس قدر بھی کوئی خوب رو نہ ہو

۳۱۵

جس گل کے بیچ مہر و محبت کی بو نہ ہو
یا رب وہ گل شگفتہ چمن میں کبھو نہ ہو
سرگشتہ میری طرح سے پھرتا ہے آسماں
ڈرتا ہوں میں اسے بھی تری جستجو نہ ہو
اُس ناتواں پہ حیف ہے تلوار کھینچیے
جس کے بدن میں ایک بھی قطرہ لہو نہ ہو
تیری ہی ذات سے تو ہے وابستہ یہ طلسم
ہم ہوویں پھر کہاں کے اگر ہم میں تو نہ ہو
سونگھوں ہوں جا کے مثلِ صبا وقتِ صبح دم
بستر پہ میرے یار کے پھولوں کی بو نہ ہو
حق نے دیا ہے دل کو مرے عشقِ دائمی
یہ عشق وہ نہیں کہ کبھو ہو کبھو نہ ہو
کیا دور ہے جو عکس ترا آئنے کے بیچ
اے شرمگیں ! حیا سے ترے روبرو نہ ہو
یا رب وہ زخم دیجو مجھے اُس کی تیغ کا
جس زخم پر کہ منتِ دستِ رفو نہ ہو

مارے عنا[1] کے خاک ہی میں تو تو مل گیا
اتنا بھی مصحفی کوئی بے آرزو نہ ہو

۳۱۶

اگر تم آؤ ہمیں سرفراز کرنے کو
تو ہم بھی رکھتے ہیں اک دل نیاز کرنے کو
حباب وار نہ بحرِ جہاں کا کچھ دیکھا
مگر ہم آئے تھے یاں چشم باز کرنے کو
جہاں میں کون سپید و سیہ کا فرق کرے
شعور چاہیے ہے امتیاز کرنے کو
دیت شہید کی تیرے ہے[2] یہ کہ بعد از قتل
تو دھو کے ہاتھ پھر آوے نماز کرنے کو
گلی میں آس کی ہوئی خلق یاں تک آسودہ
کہ ہم کو جا نہ ملی پا دراز کرنے کو
سکھایا جس نے میاں تم کو مجھ سے یہ پرہیز
کہا نہ غیر سے کیوں احتراز کرنے کو
برنگِ شعلہ کہ پتھر کو نرم[3] کر دیوے
اک آہِ گرم ہے بس دل گداز کرنے کو
موافقت ہو جو طالع کی اس کی مجلس میں
تو ہم بھی ٹھہریں جس تس سے ساز کرنے کو
سزا ہے مصحفی اپنی جو اب تعب کھینچیں
کہ یاں ہم آئے نہ تھے عیش و ناز کرنے کو

---

۱ - عنا : دکھ ، تکلیف -
۲ - یہ ہے : ح -
۳ - موم : ح -

۳۱۷

رہ گئے دیکھتے ہی ہم در کو
روٹھ کر تم بھلے گئے گھر کو

ٹھہرو اے قاصدانِ ملکِ عدم
ہے ہمارا بھی قصد اودھر کو

سوکھ کر رہ گیا ہے کاغذ وار
مرضِ رشتہ ہے جو مسطر کو

ہم سے وہ بے سبب الجھتی ہے
ٹک تو سمجھاؤ زلفِ ابتر کو

جب کہ سب ملک و مال چھوڑ گیا
تب فراغت ہوئی سکندر کو

دل نہیں رکھ دیا ہے کیا جانے
میرے سینے میں کس نے اخگر کو

گر لبِ جو کا شوق ہے تو صنم
دیکھ عاشق کے دیدۂ تر کو

وہ جو عاشق ہیں، اپنے ہاتھوں سے
پھینک دیتے ہیں کاٹ کے سر کو

مصحفی قتل گاہِ عشق کے بیچ
نہیں تکلیف دست و خنجر کو

۳۱۸

از بس بھلا لگے ہے تو میرے یار مجھ کو
بے اختیار تجھ پر آتا ہے پیار مجھ کو

صیاد کا برا ہو جس کے تغافلوں نے
کنجِ قفس میں رکھّا فصلِ بہار مجھ کو

جاؤں کدھر کو یارو مانند صید خرگہ[1]
مژگاں نے کر رکھا ہے اس کی شکار مجھ کو
اس رفتگی پہ مجھ سے کرتا ہے تو تغافل
دُوکھے ہے تس پر الٹا پھر بار بار مجھ کو
میرا قصور کیا ہے ، صانع کو چاہیے تھا
مقدارِ حسن دیتا ، صبر و قرار مجھ کو
فتنہ ہے یا پری ہے ، جادو ہے یا بلا ہے
آنکھوں سے یہ کیا ہے کس کی دو چار مجھ کو
اے مصحفی ! تصور اس کا جو سامنے ہے
آتا نہیں شبِ غم اک دم قرار مجھ کو

۳۱۹

یاد آئے جو ترے موے پریشاں مجھ کو
صبح تک نیند نہ آئی شبِ ہجراں مجھ کو
کچھ بھی معلوم نہیں زحمتِ زنداں مجھ کو
ہے تری یاد میں زنداں بھی گلستاں مجھ کو
اس حیا پر بھی مرے دل میں کھبی جاتی ہیں
چوری‌چوری سے جودیکھیں ہیں‌وہ انکھیاں مجھ‌کو
ان دنوں شہر سے جی سخت بتنگ آیا ہے
لے چل اے جوشِ جنوں سوے بیاباں مجھ کو
باغباں روزنِ در سے تو ذرا جھانکنے دے
گر نہیں رخصتِ گل‌گشتِ گلستاں مجھ کو

---

۱ ۔ خرگہ یا خرگاہ : ف ۔ بڑا خیمہ ۔ سلاطین اور امرا کا خیمہ ۔
(نور اللغات جلد ۲ صفحہ ۶۳۵)

جرس ناقۂ لیلی کی طرح دشت بہ دشت
ساتھ پھرتا ہے لیے یہ دلِ نالاں مجھ کو

یاں جو اک تار بھی باقی نہ رہا دامن کا
کون دکھلا کے گیا چاکِ گریباں مجھ کو

کام کیا تھا مجھے جلنے سے شبِ ہجراں کے
بے کسی تونے کیا شمعِ شبستاں مجھ کو

کس کے گیسو کا پڑا اس پہ الٰہی سایہ
سنبل آتا ہے نظر سخت پریشاں مجھ کو

میں جو کچھ ہوں سو ہوں کیا کام ہے ان باتوں سے
کوئی کافر کہے یا کوئی مسلماں مجھ کو

جھانولی[1] جب کبھی کرتا ہے تو اے شوخ ادا
مار ڈالے ہے تری جنبشِ مژگاں مجھ کو

کس کے مجروح گلستاں میں ہیں مدفون ہنوز
غنچے آتے ہیں نظر صورتِ پیکاں مجھ کو

مصحفی گلشنِ گیتی سے میں یہ پھل پایا
کہ طرح گل کی ملے زخم نمایاں مجھ کو

۳۲۰

خوار رکھتا ہے اب تلک ہم کو
دیکھ سکتا نہیں فلک ہم کو

---

۱ - جھانولی: (ھ - بروزن باولی) مونث (۱) آنکھ کا اشارہ ، معشوق کی ناز بھری گردش چشم - ۲ - چکمہ ، فریب ، جھانسا - (نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۰۹م)

دیکھ آنکھوں کو کہتے ہیں بادام
نہ[1] ملیں ایسی کیوں پلک ہم کو
کوند بجلی کی تھی کہ چھپ ہی گئے
ووں ہی دکھلا کے اک جھلک ہم کو
ہے وہی یہ فلک کہ طفلی میں
نت دکھاتا رہا فلک ہم کو
مصحفی سر فرو نہیں لاتا
سجدہ کرتے ہیں یوں ملک ہم کو

۳۲۱

خاک میں مل گئے ہم ، یار کا چلنا دیکھو
اس کی ٹھوکر سے وہ دامن کا اچھلنا دیکھو
خون سے ہاتھ وہ دھوتا ہے کسی کے گویا
مہندی لگوائے ہر ان ہاتھوں کا ملنا دیکھو
چاند جوں چیر کے بادل کو کرے ہے جلوہ
اس کے بالوں سے رخ اس کے کا نکلنا دیکھو
ہاتھ چھاتی پہ رکھو تم مری اے راحت جاں
اپنے ہاتھوں سے مری چھاتی کا جلنا دیکھو
خاک پر چاروں طرف لوٹے ہے سیماب کی طرح
اس کے کوچے میں مرے دل کا مچلنا دیکھو
سوتیں کیا دیکھتے پھرتے ہو کنوؤں کی پیارے
آ کے ان چشموں سے چشموں کا ابلنا دیکھو

---

۱ - نہ ملے : ح -

کون اس باغ میں آیا ہے مقیانِ چمن
آج پھولوں کا تو ٹک رنگ بدلنا دیکھو

شمع پر جلتے ہوے رات یہ کہتا تھا پتنگ
شمع تو جلتی ہے پر میرا بھی جلنا دیکھو

نشۂ مے میں چھکا آئے ہے مےخانے سے
مصحفی کا کوئی اس وقت میں چلنا دیکھو

۳۲۲

گریۂ دل کو نہ سوے چشم بہاؤ
ڈوبتی ہے بھنور میں جا کر ناؤ

نہ گلی اپنی واں کبھو کھچڑی
نت پکاتے رہے خیالی پلاؤ

دل ہے اے نالہ جوں کبابِ ورق
آنچ کم دے یہ کہا نہ جاوے تاؤ[1]

بوسہ لیتے میں کاٹ کھاتے ہو
کیا تمہارا برا پڑا ہے سبھاؤ[2]

جی پہ یاں بن رہی ہے یہ تو کہو
آج کیدھر چلے ہو کر کے بناؤ

کیوں کہ رکھوں قدم گلی میں تری
واں تو پڑتا نہیں ہے اپنا ہیاؤ[3]

---

۱ - تاؤ : (ہ) حرارت ، تیز آنچ - (نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۲۲)
۲ - سبھاؤ : (ہ) (سنکرت سوبھاؤ - حالت) مذکر - عادت ، خو ، ڈھنگ ، قاعدہ - (نوراللغات جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)
۳ - ہیاؤ : ح - ہواؤ : (ھ - بہ کسر اول) مذکر - حوصلہ ، ہمت - جرأت - ہیاؤ پڑنا ہمت پڑنا : (نوراللغات ، جلد ۴ ، صفحہ ۹۱۰)

آتشِ معدہ کو نہیں سیری
جوں جہنم کرے ہے "لاؤ ہی لاؤ"

دل جو میں گم کیا تو تم کو کیا
یارو اس بات کا کرو نہ چواؤ[1]

تھی شبِ وصل پر خیال کے ساتھ
ہم نے دل سے نکالے کیا کیا چاؤ[2]

دہ دل ہے تعلقے میں ترے
خواہ اوجڑ کر اس کو خواہ بساؤ

مرہمِ لطف منہ نہ موڑیو تو
ابھی آبی ہیں سب جگر کے گھاؤ

یہ زمیں بھی ہے طرفہ معنی خیز
مصحفی! اک غزل تو اور سناؤ

۳۲۳

آج اس نے کیا ہے اپنا بناؤ
دیکھیں کس کس کے دل کے نکلیں چاؤ

میں تو ملتا نہیں ہوں اس سے ولے
نہیں جاتا ہنوز دل کا لگاؤ

وادیِ عشق میں نہ جا[3] کے وہاں
ہر قدم پر ہیں سیکڑوں ستھراؤ

---

۱ - چواؤ : (ہ) مذکر، رساؤ۔ ٹپکاؤ ، چکیدگی۔ شیرہ و قند و شکر کا۔ (نوراللغات جلد ۲ صفحہ ۵۴۲)
۲ - چاؤ : (ہ) ۱ - ارمان ، حسرت۔ ۲ - تمنا ، آرزو ، ناز ، نخرا ، لاڈ ۔ (نور اللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۰۰)
۳ - نہ جاؤں کہ واں : ح ۔

جگر اس کا سراہیے جس نے
تیغ پر تیغ کھائی ، گھاؤ پہ گھاؤ

میری اس کی یونہیں رہی چوپڑ[1]
میں نے برسہ[2] کہا کیا جو وہ داؤ

چور زخموں میں ہوں میں اے ساقی
مجھ کو اس دم جو ہو شراب پلاؤ

اے فلک مان میرے کہنے کو
مجھ سے آزردہ دل کو تو نہ ستاؤ

جب لکھی ہے میں وصف زلف بتاں
ہو گئے ہیں سیاہ تاؤ کے تاؤ

جی میں آتا ہے ایسے جاڑے میں
کہیں جا بیٹھیے لگا کے الاؤ

ق

پائنتی ہی پڑا رہا اس کی
نہ کہا اس نے ''اٹھ کے پاؤں دباؤ''

مصحفی تا کہ میں بہ ایں تقریب
اپنے دل کے نکال لیتا چاؤ

---

۱ - چوپڑ : (ہ) مؤنث - ۱ - چوسر ۲ - چوسر کھیلنے کا وہ کپڑا جس پر گوٹیں رکھتے ہیں - (نوراللغات جلد ۲ صفحہ ۵۳۹)

۲ - برسہ : شطرنج کا ایک داؤ—برسر روزگار ہونا - موقع کے مطابق تیار رہنا - کسی موقع کو پانا - مطلوبہ چیز کو حاصل کر لینا - (ترجمہ : پلاٹس طبع ۱۹۶۰ع صفحہ ۱۴۷)

۳ - لکھا : ج -

۳۲۴

میرے ملنے سے تمھیں حظ نہ اگر ملتا ہو
دل ملاؤ اُدھر اپنا ہی ، جدھر ملتا ہو
کیوں کہ یک بار کرے خوب جدائی وہ غریب
تجھ سے[1] اے جان جو ہر شام و سحر ملتا ہو
کچھ میں ناداں نہیں دوں تب رگ گل سے نسبت
جب رگ گل سے ترا موے کمر ملتا ہو
کیا تماشا ہو میں آجاؤں وہیں ، غیر کے ساتھ
عید کے دن تو جب اے رشک قمر ملتا ہو
رسم اقلیم عدم طرفہ میں دیکھی ، جز خاک
واں جو رہنے کو کسی شخص کے گھر ملتا ہو
یارو دیکھو تو جہاں سے یہ بگولا اٹھا
خاک میں واں نہ کوئی خاک بہ سر ملتا ہو
مصحفی خاک کریں معنی رنگیں کا تلاش
جب ہمیں قوت[2] بہ صد خون جگر ملتا ہو

۳۲۵

نہ تنہا اضطراب دل نے شب رسوا کیا مجھ کو
برا ہو شوق کا جو کھینچ کر واں لے گیا مجھ کو
ستانے سے غریبوں کے ترے کیا ہاتھ آوے گا
خدا سے ڈر ، ستا مت اس قدر اے بے وفا ! مجھ کو

---

۱ - تجھ سے : ح -
۲ - قوت : (ع) خوراک -

کروں تسخیر اُس رشکِ پری کو کس طرح یارب
نہ افسوں یاد ہے کوئی ، نہ آتی ہے دعا مجھ کو
بہر صورت دل اپنے کو پریشاں ہی میں پاتا ہوں
خدا جانے لگی ہے کس کی زلفوں کی ہوا مجھ کو
ابھی یارو جہاں سے ہو کے میں نومید آیا تھا
تماشا دیکھیو تم ، پھر وہیں دل لے چلا مجھ کو
غبار ناتواں ہوں ، گر طرف گلشن کی تو جاوے
بھلانا دل سے مت اُس وقت اے بادِ صبا ! مجھ کو
کروں کیا لے کے اے ہمدم! میں گل کو ہاتھ میں اپنے
کہ اُس بن خوش نہیں آتا ہے گل کا سونگھنا مجھ کو
ہوس ملنے کی میں کیوں کر کروں ، اُس ماہ سیما کا
غضب یہ ہے ، نہیں ہوتا میسر دیکھنا مجھ کو
ارادہ گر کروں شب کو تو وہ ملتا نہیں مجھ سے
جو جاؤں دن کو تو لوگوں سے آتی ہے حیا مجھ کو
نہ دن کو چین ، نے راتوں کو نیند آوے معاذاللہ
کیا ہے اُس کی چاہت نے گرفتارِ بلا مجھ کو
عجب کیا ہے جو میرا دردِ دل تسکین پا جاوے
پلاوے گر وہ اپنے ہاتھ سے آ کر دوا مجھ کو
دم اُس کی آشنائی کا تو بھرتا ہوں پہ یہ ڈر ہے
کہ سن کر اس سخن کو کیا کہیں گے آشنا مجھ کو
کہوں کیا تجھ سے میں اے **مصحفی** ! احوالِ زار اپنا
غرض پھر بیٹھے بیٹھے شوق اک بت کا ہوا مجھ کو

۱ - ک : ح

۳۲۶

ساتھ وسعت کے ہے ہرچند جہاں رہنے کو
پر ہمیں تو نہیں ملتا ہے مکاں رہنے کو
تیرے کوچے کے سوا اپنا ٹھکانا ہی نہیں
جاگہ تجویز کریں اور کہاں رہنے کو ؟
کیوں کہ حیراں نہ رہیں ہم کہ خدا نے ہم کو
دیں ہیں جوں آئنہ آنکھیں نگراں رہنے کو
جوں مہِ عید دکھاتے ہو منہ اپنا ہر ماہ
تم بھی اس بت پہ قیامت ہو نہاں رہنے کو
تیرے کوچے میں رہیں کیونکہ کہ ہے جائے خطر
جی تو چاہے ہے بہت اپنا یہاں رہنے کو
مصحفی منزلِ ہستی ہے سرائے فانی
نہیں آیا کوئی یاں پیر و جواں رہنے کو

۳۲۷

کب تک مری آنکھوں سے رواں خونِ جگر ہو
اے نالۂ جاں سوز! کہیں تجھ میں اثر ہو
مانندِ صبا ، خاک بھی جب ہاتھ نہ آئی
آخر کو ہم اس کُو سے گئے خاک بسر ہو
تو ذبح تو کرتا ہے مجھے ، پر یہی ڈر ہے
یہ دستِ حنائی نہ ترا خون سے تر ہو
فریادی ہوں میں تم ہی مری داد کو پہنچو
اے نالہ و فریاد و فغاں ! آج کدھر ہو
یہ حق میں مرے کس نے دعا کی تھی الٰہی
عاشق ہو تو اس کی نہ شبِ ہجر سحر ہو

یاں تک ہوں ترے حسن سے محظوظ کہ من بعد
دیکھوں نہ میں اس کو جو مرے پیش نظر ہو

ق

اے مصحفی! یاروں کو یہی کیجو وصیت
جس وقت ترا عالم فانی سے گزر ہو
لے جائیو میّت کو مری پردۂ شب میں
ماتم میں مرے تا نہ کسی کی مژہ تر ہو

ردیف ہ

۳۲۸

مقدور ہو تو لاگ نہ رکھیے کسو کے ساتھ
جوں تیغ عمر کاٹیے، پر آبرو کے ساتھ
جس جس طرف پھرے ہے اسے مغبچہ لیے
میخوار بھی لگے ہی پھریں ہیں سبو کے ساتھ
تشبیہ جس سے یار کے عارض کو دیجیے
گل کون سا ہے باغ میں اس رنگ و بو کے ساتھ
ہرگز نہ دیکھ رشتہ و سوزن کو خوش ہوا
زخم جگر کو لاگ رہی نت رفو کے ساتھ
شاعر جو مو کہیں ہیں، یہ ان کا خیال ہے
نسبت تو اس کمر کو نہیں کچھ بھی مو کے ساتھ
بوسہ دیا نہ تم نے میاں مصحفی کو حیف
آخر وہ اس جہاں سے گیا آرزو کے ساتھ

۳۲۹

روز کی خارا تراشی سخت مجبوری ہے یہ
عاشقی کاہے کو ہے فرہاد، مزدوری ہے یہ

بھید کیا پاوے مریضِ عشق کا یارو طبیب
تن کی رنجوری نہیں کچھ ، دل کی رنجوری ہے یہ
دے کے دل بوسہ لیا میں نے تو اس کا کیا عجب
جانتے ہو تم کہ اس سودے کی دستوری ہے یہ
شمع پر جلتے ہوئے پروانہ یوں کہنے لگا
وصل کی شب ہے کہ یارب شامِ مہجوری ہے یہ
بات کا میری نہیں یک بار بھی دیتا جواب
آج کل تو اس بتِ کافر کی مغروری ہے یہ
شب کو جب گھر پر ہمارے ماہ کرتا ہے طلوع
ہم سمجھتے ہیں کہ گویا شمعِ کافوری ہے یہ
مصحفی کچھ ریختے ہی میں نہیں استادِ وقت
فارسی میں بھی نظیریِ نشاپوری ہے یہ

۳۳۰

اس کو پیوند ہوا ہے جگرِ چاک کے ساتھ
اپنی نبھنے کی نہیں اب دلِ غم ناک کے ساتھ
جستجو میں تری ، پھرتا ہے جدھر وہ دن رات
دل بھی پھرتا ہے مرا گردشِ افلاک کے ساتھ
باغباں کاٹیو مت موسمِ گل میں اس کو
رگِ جاں کو مری نسبت ہے رگِ تاک کے ساتھ
اے صبا ! آپ زمیں پر یہ نہیں رہنے کی
تجھ کو کاوش ہے عبث میری کفِ خاک کے ساتھ
حسنِ پاکیزہ کے طالب وہ رہے جیتے جی
جن کی بھر عمر کٹی یاں نظرِ پاک کے ساتھ

اپنی رفتار پہ نازش ہے بہت فتنے کو
چل سکے گا وہ ترے قامتِ چالاک کے ساتھ
مصحفی کیا کوئی محبوب نہ تھا دنیا میں ؟
دوستی تو نے جو کی اس بتِ بے باک کے ساتھ

۳۳۱

مرغانِ باغ کی ^۱تو خوش آوازیاں تو دیکھ
کیا گا رہے ہیں ، زمزمہ پردازیاں تو دیکھ
کیسے پتنگ گرتے ہیں شعلے پہ آن آن
اے شمع ! ٹک انھوں کی تو جاں‌بازیاں تو دیکھ
کیا کیا سخن فریب کے نکلیں ہیں ان سے جان
تو اپنے لعلِ لب کی فسوں سازیاں تو دیکھ
فرہاد و قیس یوں گئے میرا سو یہ ہے حال
عشقِ بتاں کی خانہ براندازیاں تو دیکھ
چوسر ہے اک حریف سے تو اٹھ کہاں چلا
اے **مصحفی**! مری بھی تو دو بازیاں تو دیکھ

۳۳۲

کچھ زلف ہی الجھتی نہیں ہے صبا کے ساتھ
لڑتی ہیں تیری پلکیں بھی کافر ہوا کے ساتھ
اس آشنا کا دشمنِ جاں ووں ہی ہو گیا
دیکھا جو میں نے اس کو کسی آشنا کے ساتھ
پرہیز اب حنا سے بھی کرنے لگا وہ شوخ
جانا کہ خونِ دل کو ہے نسبت حنا کے ساتھ

---

۱ - دوش : ح -

عالم یہ کچھ ہے اپنی دعا کا کہ ان دنوں
فریاد بھی بلند ہے دستِ دعا کے ساتھ
گو میں بتوں میں عمر کو کاٹا تو کیا ہوا
نسبت مری درست رہی ہے خدا کے ساتھ
رخسار کا تو ذکر ہی کیا ، میں ہوں اک شریر
تولوں نہ روے گل کو ترے پشتِ پا کے ساتھ
اتنا جو جی ہی جی میں مگن ہے تو مصحفی
کیا پھر لڑی ہے آنکھ کسی خوش ادا کے ساتھ؟

۳۳۳

پھبتا ہے یوں وہ تکمہ، گوہر گلے کے ساتھ
گویا کیا ہے تعبیہ[1] اختر گلے کے ساتھ
نامہ تو باندھتا ہوں پہ ڈر ہے نہ تر کرے
نامے کو میرے خوں میں کبوتر گلے کے ساتھ
جن طائروں کو ہے دمِ خنجر کی آرزو
کنجِ قفس میں ملتے ہیں شہپر گلے کے ساتھ
گردن کشی نہ کر کہ ہزاروں کو چرخ نے
ڈبوا دیا ہے باندھ کے پتھر گلے کے ساتھ
پیدا گلو بریدہ ہوے ہم ، مگر ہوئی
ماہی کی طرح خلقتِ خنجر گلے کے ساتھ
عاشق کے جب گلے کو بنا کر کیا درست
لکھّی قضا نے نسبتِ خنجر گلے کے ساتھ

۱ - تعبیہ : (ع) آراستہ کرنا ، پنہاں کرنا کسی چیز کا کسی چیز میں ۔ اس طرح مل جانا کہ معلوم نہ ہو ۔
(نور اللغات ، ج ۲ ، صفحہ ۲۶۱)

صندل سے جیسے سانپ لپٹتا ہے ، اس طرح
لپٹی ہے جا کے زلفِ معنبر گلے کے ساتھ
میں ہوں وہ صیدِ حلق بریدہ کہ **مصحفی**
جس کے لگے نہ خون کا ساغر گلے کے ساتھ

۳۳۲

شبنم ہوئی پانی (ترے)[1] دنداں کی طرف دیکھ
گل آگ پہ لوٹا لبِ خنداں کی طرف دیکھ
سج سینے کی اپنے ہی تو کیا دیکھے ہے ظالم
میرے بھی ذرا چاکِ گریباں کی طرف دیکھ
کچھ دل میں اثر کر جو گئی بے کسی ان کی
رویا میں بہت گورِ غریباں کی طرف دیکھ
[2]عاشق کے جگر پر ترے یوں چلتی ہیں چھریاں
تو اپنی ذرا جنبشِ مژگاں کی طرف دیکھ
دعویٰ ہے تجھے رونے کا اے ابرِ بہاری !
تو آ کے مرے دیدۂ گریاں کی طرف دیکھ
جب سیرِ بیاباں کو میں جاتا ہوں تو مجھ کو
آ جاتی ہے وحشت سی بیاباں کی طرف دیکھ
کیا محو ہے رفتار کا تو آبِ رواں کی
اے **مصحفی** ! اس سروِ خراماں کی طرف دیکھ

---

۱ - در دنداں : ح -
۲ - ن ، ح میں یہ شعر زاید ہے :
ہے دل میں ہمارے جو تری اس کی محبت
رو دیتے ہیں ہم دور سے دوہاں کی طرف دیکھ

۳۳۵

کیا سبزہ ہے سیراب ، بیاباں کی طرف دیکھ
سبزے کی طرف اور گل ریحاں کی طرف دیکھ
مغرور نہ ہو چاک گریبان پر اپنے
اے گل ! تو مرے چاک گریباں کی طرف دیکھ
اس کشتے پہ ہے جائے ترحم جو تڑپ کر
رہ جائے ترے خنجر مژگاں کی طرف دیکھ
کرتا ہوا پھرتا ہے تو کیا سیر چراغاں
کافر مرے داغوں کے چراغاں کی طرف دیکھ
کیا میری پریشانی میں کرتا ہے تامل
تو اپنی تو اس زلف پریشاں کی طرف دیکھ
اے وائے کہ رستے ہی میں حیران کھڑا ہے
کبک دری ، اس سرو خراماں کی طرف دیکھ
اے **مصحفی**! کیا غم ہے کہ جو یار ہے تیرا
روتا ہے ترے دیدۂ گریاں کی طرف دیکھ

۳۳۶

اس اشک کے قطرے کی مرے جلوہ گری دیکھ
صدقے میں ترے ٹک ادھر اے رشک پری دیکھ
لوٹے ہے سدا خوں میں پڑی رشک کے مارے
گلشن میں رگ گل ، تری نازک کمری دیکھ
لالے کے خیاباں میں نہ یوں پاؤں رکھ اپنا
یہ خون شہیداں ہے نسیم سحری دیکھ
وہ نخل ہوں میں باغ زمانہ میں کہ جس کے
آوے نہ کبھی پاس کوئی بے ثمری دیکھ

صیاد نہ رکھ میرے تئیں کنجِ قفس میں
میں صیدِ زبوں ہوں مری بے بال و پری دیکھ

نالے کو مرے طعنہ نہ دے بے اثری کا
اے آہِ سحر ! اپنی بھی ٹک بے اثری دیکھ

جب ناز سے ہوتا ہے تو گلشن میں خراماں
گل کہتے ہیں سارے ادھر اے کبکِ دری دیکھ

تو ہے وہ گلِ تازہ گلستانِ جہاں میں
گل کھائے ہے آنکھوں پہ جسے حور و پری دیکھ

لکھتا ہے غزل اور بھی اک **مصحفی** اس وقت
رفتار کو خامے کی ٹک اے کبکِ دری دیکھ

۳۳۷

راتوں کو ستاروں کی ذرا جلوہ گری دیکھ
کیا جھمکیں[1] ہیں غافل یہ عقیقِ جگری دیکھ

جاتا ہے لیے اشک مرا لختِ جگر کو[2]
اور مجھ سے یہ کہتا ہے مری نامہ بری دیکھ

غنچے کی گلابی کو کہیں ٹھیس نہ لگ جائے
یوں پاؤں نہ رکھ اپنا نسیمِ سحری دیکھ

نازاں ہے تو رفتار پہ کیا اپنی ہی اتنا
رفتار کو اس کی بھی ٹک اے کبکِ دری دیکھ

آزاد کیا میرے تئیں ، کنجِ قفس سے
صیاد نے آخر مری بے بال و پری دیکھ

کیا آئنہ دیکھے ہے ، ذرا میری طرف بھی
صدقے تری آنکھوں کے میں اے رشک پری دیکھ

---

۱ - چمکیں : ح -　　۲ - تو : ح -

ان بزم نشینوں کو نہیں کچھ خبر اپنی
کیا بادہ پلائے ہے ذرا بے خبری دیکھ
ہر اشک کے قطرے سے جُدی آنکھ لڑی ہے
اس دیدۂ گریاں کی پریشاں نظری دیکھ
آیا جو جنوں مجھ کو تو میں تجھ سے کہوں گا
اے **مصحفی** ! اس وقت مری جامہ دری دیکھ

۳۳۸

اُس نے جو کچھ کہا شب ہم کو گھر میں بیٹھ بیٹھ
ہم نے وے باتیں سنیں سب پشت در میں بیٹھ بیٹھ
ہم وہ عاشق ہیں جنھوں نے شاہراہِ شوق پر
عمر کھو دی انتظار نامہ بر میں بیٹھ بیٹھ
جی سے جانا نجد تک اس کو جو مشکل ہو گیا
ناقۂ لیلیٰ گیا اتنے سفر میں بیٹھ بیٹھ
وے بھی کیا دن تھے کہ جب جاتی تھیں وہ زلفیں الجھ
اُن کو سلجھاتے تھے ہم دو دو پہر میں بیٹھ بیٹھ
شہر کے جتنے تھے کوچے رشکِ گلشن ہو گئے
بس کہ میں رویا لہو ہر رہ گزر میں بیٹھ بیٹھ
بزم سے اٹھتا ہوں تو کہتے ہیں تاکیداً مجھے
پیار کی آنکھیں ہر اندازِ نظر میں ، بیٹھ بیٹھ
کر کے یاد انداز اٹھنے بیٹھنے کا یار کے
شعلہ اٹھ اٹھ کر گیا میرے جگر میں بیٹھ بیٹھ
اس نے دکھلایا ہمیں اپنے تئیں سو سو طرح
گہ غرفے میں کھڑے ہو ، گاہ در میں بیٹھ بیٹھ

لطف کیا ملنے کا اب اُس نے تو اپنی **مصحفی**
قدر کھو دی صحبتِ ہر بے ہنر میں بیٹھ بیٹھ

۳۳۹

پیچ پگڑی کا کھل رہا ہے کچھ
اُس کی اس دم عجب ادا ہے کچھ

دل مرا زلف زلف کہتا ہے
اس کو سودا سا ہو گیا ہے کچھ

ان کی فہمید کا ہوں دیوانہ
یار کچھ سمجھے ہیں ، خدا ہے کچھ

تیر مجھ پر لگا کے یوں بولا
اپنا انداز ہی جدا ہے کچھ

سرو کب قد کو تیرے پہنچے ہے
گو کہ قد سے ترے بڑا ہے کچھ

ادھر آؤ تو مہربان کبھیں
آپ سے ہم کو بھی گلا ہے کچھ

جب سے قاصد گیا ہے اُس کی طرف
جی اُدھر ہی کو لگ رہا ہے کچھ

مصحفی یار کچھ سمجھتے ہیں
عشق سے اپنا مدعا ہے کچھ

۳۴۰

دل ہے پہلو میں کہ اک دشمنِ جاں کاہ ہے یہ
جس طرف جاؤں میں اُٹھ کر مرے ہمراہ ہے یہ

کبھی لے جا کے کوئی مجھ کو ، بتاں کے آگے
اس پہ تم رحم کرو بندۂ درگاہ[1] ہے یہ
چاہ میں اس کی جو جی اپنا چلا جاتا ہے
میں بھی حیران ہوں اس میں کہ عجب چاہ ہے یہ
کسی حالت میں نہ ہو یادِ خدا سے غافل
اپنے نزدیک نشانِ دلِ آگاہ ہے یہ
نہ فقط دل ہی مرا آہ نے میری پھونکا
گھر کو کتنوں کے جلاوے گی اگر آہ ہے یہ
شیخ کعبے کو تُو جا ، جاؤں میں بت خانے کو
کہ تری راہ ، ہے وہ اور مری راہ ہے یہ
خانہ جنگی کا ارادہ ہے اگر تم کو میاں
آؤ لے تیغ و سپر بندۂ درگاہ ہے یہ
اشک اور لختِ جگر میں ہے ز بس رد و بدل
نوکِ مژگاں پہ مرے گاہ ہے وہ ، گاہ ہے یہ
گھر سے آوے نکل اے ماہ ! جو وہ زہرہ جبیں
تو ابھی تجھ کو دکھا دوں کہ مرا ماہ ہے یہ
مصحفی دل کے کہے میں تو نہ چلنا بےہوش
تجھ کو سو بار کہا میں ، ترا بد خواہ ہے یہ

۳۲۱

دل کو ہے رفتگی اس ابروے خم دار کے ساتھ
جوں سپاہی کے تئیں عشق ہو تلوار کے ساتھ
کبک نے بھی جو کیا ناز بہ رفتار تو کیا
اس کو نسبت ہے کب اس شوخ کی رفتار کے ساتھ

---

۱ - اللہ : پ (حاشیہ) ، ل -

خیر خواہوں میں تم اپنے ہمیں کب گنتے ہو
گرم جوشی ہے سدا آپ کو اغیار کے ساتھ

شکوہ تیرا نہیں کرتا میں کسی کے آگے
گفتگو ہے مجھے اپنے ہی دلِ زار کے ساتھ

مر گیا آتے ہی کل صحن چمن میں بلبل
عیش کرنا نہ لکھا تھا گلؔ و گلزار کے ساتھ

گو بہار آئی ہے گلشن میں پہ تو تو صیّاد
گل کا مذکور نہ کر مرغِ گرفتار کے ساتھ

آرزو میں تری اے زہرہ جبیں ! تاروں کی
آنکھیں رہتی ہیں لگی رخنۂ دیوار کے ساتھ

کیا خبر ہے تجھے بے درد کہ کیا کرتی ہے
تیری مژگاں کی انی اس دلِ افگار کے ساتھ

مصحفی ابر بہاری کو ہوا ہے سودا
شرط بدتا ہے مرے دیدۂ خوں بار کے ساتھ

۳۲۲

ہے مزہ سیرِ چمن کا تو فقط یار کے ساتھ
پھر تو کیا لطف ہے ، آیا جو وہ دوچار کے ساتھ

سانس بھی کشتہ ترا ہائے نہ لینے پایا
ہو گئی جان ہوا ایک ہی تلوار کے ساتھ

ہے یقیں مجھ کو کہ اے سروِ خراماں میری
جان جاوے گی کسی دن تری رفتار کے ساتھ

کوچۂ یار میں رہنے سے نہیں اور حصول
عشق ہے مجھ کو اک اس کے در و دیوار کے ساتھ

دوستاں بہرِ خدا شور پہ لاؤ نہ مجھے
گل کی باتیں نہ کرو اس جگر افگار کے ساتھ

اس کے کوچے کی طرف دیدے ہوے رہبرِ دل
جیسے دلال ہو سودے میں خریدار کے ساتھ

قصہ کوتہی عمر جو چھیڑا اس نے
شمع بھی روئی سحر تک ترے بیمار کے ساتھ

آئنے کا ہے یہ منہ ، تیرے مقابل ہووے
ہمسری کر نہ سکا مہ ترے رخسار کے ساتھ

مصحفی مصرِ محبت کی کروں کیا تعریف
کون سا شہر ہے اس گرمیِ بازار کے ساتھ

۳۲۳

تو مری تربت پہ آیا واہ واہ
خاک میں مجھ کو ملایا واہ واہ

ہے گریباں چاک اور آنکھوں میں اشک
عشق نے یہ دن دکھایا واہ واہ

ہم رہے بیرونِ در اور غیر کو
تو نے خلوت میں بلایا واہ واہ

آخر آخر تو نے اے چرخِ کہن !
بے گنہ مجھ کو ستایا واہ واہ

مصحفی آیا تھا کل وہ میرے گھر
خوب میں نے بھی رجھایا واہ واہ

۳۲۴

صحبت ہے ترے خیال کے ساتھ
ہے ہجر کی شب وصال کے ساتھ

اے سرو رواں ٹک اک ادھر دیکھ
جی جاتے ہیں تیری چال کے ساتھ
ہے تیغ و کماں کی سی نسبت
ابرو کو ترے ہلال کے ساتھ
مت زلف کو شانہ کر، مرا جی
وابستہ ہے بال بال کے ساتھ
دل اپنا ہنوز سادگی سے
پیچیدہ ہے زلف و خال کے ساتھ
مہمان تھا کس کا شب تو اے ماہ!
آتا ہے جو اس ملال کے ساتھ
رخساروں نے کچھ عرق کیا ہے
کچھ چشم ہے انفعال کے ساتھ
میں شیر ہوں بیشۂ سخن کا
صحبت ہے سگ و شغال کے ساتھ
اکسیر ہے مصحفی کا ملنا
یعنی کہ وہ ہے کمال کے ساتھ

۳۳۵

عشق کیا اک ذلت و خواری ہے یہ
چاہنا کیا ہے، گرفتاری ہے یہ
مجھ سے آنکھ اس شوخ کی ملتی نہیں
یا الٰہی کیسی بیزاری ہے یہ
کیا کروں اس چشمِ گریاں کا علاج
اب تو کچھ ناسور سی جاری ہے یہ

ایک تو جاتا رہا ہے دل مرا
تس‌پہ غم خواروں کی‌غم‌خواری ہے یہ

لے گیا کاجل چرا دزدِ حنا
آپ کی آنکھوں کی ہشیاری[1] ہے یہ

جان رک رک کر ہی ہوتی ہے خفا
جی چکے بس ہم جو ناداری ہے یہ

بے زری کہتے ہیں جس کو مصحفی
کوئی بیماری سی بیماری ہے یہ

ردیف ی ، ے

۳۳۶

اس پردگی سے کیوں‌کہ وہ آنکھیں لڑا سکے
جو پردۂ مجاز سے باہر نہ جا سکے

واں باریابِ جلوہ اُسی کی نگاہ ہو
آنکھوں سے اپنی جو کوئی پردہ اٹھا سکے

آئینۂ محیطِ جہاں اس قدر نہیں
اس آئنے میں حسن ترا کیا سما سکے

جزوِ بدن ہو جس کا ترا حفظِ معنوی
آتش جلائے اس کو نہ پانی ڈبا سکے

تکلیفِ بار[2] عشق اگر دیجے عرش کو
واللہ وہ بھی تابِ تحمل نہ لا سکے

یاں ذرے ذرے میں ہے وہ خورشید جلوہ گر
بینائی یہ کہاں جو کوئی اس کو پا سکے

۱ - بیداری : ح -　　۲ - تکلیفِ نازِ عشق : ح

حیراں ہے عقل اپنی طلسمِ فلک کے بیچ
ایسا طلسم اور تو کوئی بنا سکے

ق

بازارِ مصر میں جو زلیخا صفت کوئی
سر بیچ کر نہ اپنا اگر جی جلا سکے
اتنا تو چاہیے کہ طرح پیرِ زال کی
اک ریسماں[1] تو قیمتِ یوسف میں لا سکے
تو عاشقی کا نام عبث لے ہے مصحفی
عاشق تو وہ جو جان کو اپنی کھپا سکے

۳۴۷

مسّی[2] کو مل کے غیر کے گھر آپ کل گئے
ہم روسیاہ آ کفِ افسوس مل گئے
اس فتنۂ زماں کے مقابل جو شورِ حشر
آیا تو آہ اس کے وہیں پاؤں جل گئے
یارب وہ گل کہاں ہیں جو فصلِ بہار میں
صحرا کو ، جیب پھاڑ کے اپنی ، نکل گئے
پھسلے تھے بزمِ بادہ میں آتے ہی شیخ جی
بارے ہوئی یہ خیر کہ گر کر سنبھل گئے
کیا خو بری پڑی ہے یہ طفلانِ اشک کی
دیکھا جب اچھی چیز کو اس پر مچل گئے
پھینکے جو شب میں شمع پہ اک مشت برگِ گل
گرتے ہی اس پہ جوں پرِ پروانہ جل گئے

---

۱ - ریسماں : ڈوری ، سوت کی لچھی -
۲ - بٹنے : ح -

کیونکر لکھوں نہ ان کو کہ بے خواست مصحفی
پھر اس زمیں میں مجھ سے کئی شعر ڈھل گئے

۳۴۸

نالے سے میرے کوہ و بیاباں دہل گئے
وحشی گھروں کو چھوڑ کے اپنے نکل گئے
لڑکے جواں ہوئے تو جواں پیر ہو چلے
کیا دیکھتا ہے یاں کے تو نقشے بدل گئے
گل گیر نے جو بوسہ لیا روئے شمع کا
پروانے رات آتشِ غیرت سے جل گئے
کچھ بات درمیاں میں جو رنجش کی آ گئی
یکبار ڈھب پہ چڑھ کے مرے[1] وہ مچل گئے
اے سرو خوش خرام کوئی یہ بھی چال ہے
پاؤں تلے ترے دلِ عشاق مل گئے
دل جا چکا ہے کب کا یہ ہوش و حواس ہیں
سن لیجو تم کہ یہ بھی میاں آج کل گئے
بستر سے غم کے پھر نہ اٹھا گر کے مصحفی
بیمار اس طرح کے سنے ہیں سنبھل گئے

۳۴۹

لیلی کا محمل اس کے محافے[2] سے دور ہے
یہ بات تو کچھ اپنے قیافے سے دور ہے
اوروں کے خط تو لکھتے ہی سرنامہ ہوگئے
میرا ہی خط ہے وہ جو لفافے سے دور ہے

---

۱ - وہ میرے : ح -   ۲ - محافہ : (ع) ڈولی ، فینس -

نافے سے مشک زلف کو نسبت نہ دیجیے
نافے کی کیا ہے قدر ، وہ نافے سے دور ہے
میں ملتجی ہوں اک قدح بنگ کے لیے
ساقی کا ہاتھ اب تئیں صافے[1] سے دور ہے
ان قافیوں میں تو نے صد احسنت مصحفی
ایسی غزل کہی کہ قیافے سے دور ہے

۳۵۰

لے گئے دل کو مرے چھین کے بالے والے
کر گئے مجھ پہ ستم شال دو شالے والے
ساتھ معشوقوں کے یوں نالہ کشاں ہیں عشاق
جوں سواری میں کبھی چلتے ہیں بھالے والے
بر میں ہوں گرمہ و خورشید کے سو حلۂ نور
مال کیا ان کو سمجھتے ہیں دومالے والے
جس محلے میں بسا جا کے تو اے خانہ خراب!
اپنے گھر بیچ گئے واں کے قبالے والے
مصحفی میں یہ رسالہ جو کیا ہے موزوں
اس کو سمجھیں گے محبت کے رسالے والے

۳۵۱

کیا غم ہے ، گر سحر وہ گئی چشم تر لیے
شبنم نے گل کے ساتھ تو شب عیش کر لیے

---

۱ ۔ صافا : افیون کا ڈوڈہ ۔
صافا : (اردو) مذکر ۔ ۱ ۔ سر سے باندھنے کا دوپٹا ۔ ۲ ۔ شکاری جانور کو بھوکا رکھنا ۔ [نوراللغات ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۱۷]

اس ماہِ خانگی کے تجسس میں روز و شب
شوقِ نظارہ مجھ کو پھرا در بدر لیے
ہووے قبول چشم یہ تحفہ تو ہر گھڑی
پلکوں تک آنسو آتے ہیں لختِ جگر لیے
مر جاؤں میں قفس میں تو صیاد میرے بعد
پھریو تو گلستاں میں مرے مشتِ پر لیے
یہ اشک و لخت دل نہیں ، پھرتے ہیں اہلِ درد
بازارِ روزگار میں لعل و گہر لیے
اس تیغ زن کو اپنی تجسس ہے تو یہاں
مدت سے ہم بھی ہاتھ پہ پھرتے ہیں سر لیے
شہرِ عدم کو ہم تو چلے یاں سے **مصحفی**
تم اب خوشی سے بیٹھے رہو اپنا گھر لیے

۳۵۲

یا گیسوے آشفتہ جو تُو باغ میں جاوے
سنبل ترے بالوں کے تئیں دیکھنے آوے
ہر چند کہ رکھتا ہے فلک پنجۂ خورشید
طاقت ہے کہ دامن کو ترے ہاتھ لگاوے
اپنی یہ دعا ہے رخِ آرام نہ دیکھے
جو ہم کو شرارت سے رخ اپنا نہ دکھاوے
ہوں پیرِ جگر سوختگاں چاہیے آ کر
پروانہ چراغی[1] مری تربت پہ چڑھاوے
ختم اُس ہی پہ ہے مرتبہ تسلیم و رضا کا
جو تیغ تلے بیٹھ کے پھر سر نہ ہلاوے

۱ - چراغی : نذرانہ ۔

کچھ کم بھی نہیں تفت سے یارو مرا آنسو
چاہے تو سمندر میں ابھی آگ لگاوے
اے **مصحفی** ! اس نے تو کیا یار کوئی اور
کر جان مری تو بھی جو کچھ تجھ سے بن آوے

۳۵۳

بس کہ تھی حسن میں یوسف سے سوائی مہنگی
مصر میں جا تری تصویر بک آئی مہنگی
کل گیا تھا میں ذرا حسن کے بازار تلک
چیز واں جو نظر آئی ، نظر آئی مہنگی
آنکھیں رینی[1] سے نہ ٹپکیں جو ترے عاشق کی
جامہ سرخ کی ہو جائے رنگائی مہنگی
تو بھی بنیا[2] ہے جو سمجھے تو یہ سودا کر چک
اک نگہ پر نہیں سرمے کی سلائی مہنگی
قیمت مے جو میں پوچھی تو مجھے ساقی نے
جان کر اپنا خریدار بتائی مہنگی
اب کی برسات میں میخانے ہوئے بس کہ خراب
مے[3] کسی بستی میں پائی تو وہ پائی مہنگی
دل خریدار کا پھسلا ہی کیا اس پہ مدام
تھی جواں آئنہ رویوں کی صفائی مہنگی

---

۱ - رینی: (ہ) بہ کسر اول و سکون دوم مجہول وکسر سوم مؤنث۔ کسم کو کپڑے میں رکھ کر پانی کے ذریعے سے رنگ چوانے کو رینی کہتے ہیں ۔ (نوراللغات ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۱۹)
۲ - بیٹھا : ح -
۳ - مے کسی نے بھی جو پائی : ح -

قیمت سہل پہ ہاتھ آوے ہے کب اس کا ہاتھ
ان دنوں ہے وہ ہر انگشت حنائی مہنگی
سیر بازار نظر کو میں گیا تھا کہ وہاں
صورت اک چڑھ گئی نظروں، سو وہ پائی مہنگی
دل عوض اس کے میں دیتا تھا ولیکن دل نے
جان بھی دیتے ہیں یہ کہہ کے چکائی مہنگی
کچھ گنہ چشم کا ہے اس میں نہ میری تقصیر
مجھ کو دلال نے یہ جنس دلائی مہنگی
مصحفی حیف ہے جی تک بھی تو سودا نہ بنا
بس کہ تھی اس لب شیریں کی مٹھائی مہنگی

۳۵۲

سرخ ہیں مے سے وہ چشم نیم خواب نرگسی
یا یہ باغ حسن میں پھولا گلاب نرگسی
آنکھیں خوبان جہاں نے جب سے سیں رخ پر ترے
دیکھنے میں اپنے آیا آفتاب نرگسی
گر تو جا بیٹھے لب دریا پہ، تیری دید کو
چشم ہو دریا سے سر کھینچے حباب نرگسی
روزن اس جالی کے جو ہیں یک قلم نرگس کی شکل
حسن کی خاطر بنے ہیں وہ نقاب نرگسی
معنوی نسبت ہے اس کی چشم و ابرو کو بہم
جز ہلالی کون دیوے یاں جواب نرگسی
ساقی ان آنکھوں کا جو ہو مست تو اس کے تئیں
ساتھ دو فنجان کے دینا دو کباب نرگسی

مصحفی گزرا تھا اک دن اس کی آنکھوں کا خیال
آئنے میں دل کے اب تک ہے حبابِ نرگسی

۳۵۵

جورِ فراق اور ستمِ آسماں بھی ہے
اس عشق میں نہیبِ دل و بیمِ جاں بھی ہے
بے تلخیٔ خمار نہیں یہ شرابِ وصل
چاہت کے ساتھ کشمکشِ امتحاں بھی ہے
اس ماہ رو کی آج جو میں جستجو کروں
اس کام میں شریک مرا آسماں بھی ہے
بے صرفہ کیجیے نہ دلا گفتگوے عشق[1]
کہتے ہیں ایسی باتوں میں جی کا زیاں بھی ہے
دیکھوں ہوں میں قفس میں جو مرغِ اسیر کو
اتنا کہوں ہوں کچھ خبرِ آشیاں بھی ہے
اکسیر پر رکھے تھی شرف جن کی خاکِ پا
دیکھو تو خاک پر کہیں ان کا نشاں بھی ہے؟
شمشاد کو یہ کہہ کہ ذرا دھج بدل کے آئے
قمری ، چمن میں آج وہ سروِ رواں بھی ہے
اے گل! کنارہ کر تو کہ بلبل کی گھات میں
صیاد ہے اِدھر تو اُدھر باغباں بھی ہے
بیٹھا ہے ، شمع رو ، تری بالیں پہ **مصحفی**
کم بخت کچھ تو کہہ ، ترے منہ میں زباں بھی ہے

۱ - عیش : ج -

۳۵۶

عجب پاکیزہ صورت اُس بت کافر ادا کی ہے
غرض میں اور تو کچھ کیا کہوں قدرت خدا کی ہے

نہ برگ لالہ اس کو لگ سکے ، نے برگ گل[1] ہے ہے
کف پا سے بھی افزوں کچھ نزاکت پشت پا کی ہے

درخت اس باغ کے سب جھومتے ہیں جیسے متوالے
نشہ ہے لالہ و گل تک یہ کیفیت ہوا کی ہے

نہ لگنے دیں کبھی شبنم کو ہرگز کان سے گل کے
ولیکن کیا کریں خاطر ہمیں باد صبا کی ہے

ہوے ہیں خوں کئی کوچے میں اس قاتل کے ہاتھوں سے
گنہ اس کا ہے کیا اس میں ، یہ رنگینی حنا کی ہے

مرا اور اس کا خلطہ[2] آج کل کا کچھ نہیں یارو
یہ الفت ، دوستی ، جو کچھ کہ ہے سب ابتدا کی ہے

تمھاری ایک میں کہتا نہیں ، ورنہ جدھر دیکھو
زمانے میں تو اب تک رسم یہ مہر و وفا کی ہے

سزاوار تغافل کون سے دن تھا میں سودائی
ان آنکھوں کی نہیں تقصیر ، یہ شوخی حیا کی ہے

خیال اس مانگ کا یہ ہے تو کب جینا ہوا میرا
ہے آدھی رات اور سر پر مرے آمد بلا کی ہے

نہ نام عشق لے اے **مصحفی**! میں تجھ سے کہتا ہوں
کہ ان باتوں میں اے کم بخت! تیری ہی ہلاکی ہے

---

۱ - کا (؟) : ح -
۲ - خلطہ : (ف) دوستی، میل ملاپ : -

۳۵۷

سر ہر خار سے دامن کو جھٹکتے آئے
ہم تو اس دشت میں سو جا پہ اٹکتے آئے

نہ ملا ہم سے دلِ گم شدہ ہرچند کہ ہم
وادیِ عشق میں ہر گام ٹھٹکتے آئے

کتنے پیچھے رہے محمل کے جرس کے مانند
کتنے دل ساتھ ہی محمل کے لٹکتے آئے

کون کہتا ہے گئے شاد گلی سے تیری
ہم تو ہر گام پہ واں سر کو پٹکتے آئے

نہ ملی کوے بتاں کی ہمیں اک سیدھی راہ
مصحفی ! یاں جو ہم آئے تو بھٹکتے آئے

۳۵۸

کب اس طرف وہ بتِ کج کلاہ آتا ہے
گدا کے گھر بھی کہیں بادشاہ آتا ہے ؟

دو چند ہوتی ہے پھر چاندنی شبِ مہ میں
جو بے نقاب ہو وہ رشکِ ماہ آتا ہے ؟

اچھل پڑیں ہیں وہیں ساکنانِ وادیِ عشق
جب اس طرف کوئی گم کردہ راہ آتا ہے

کٹے گی کیونکہ شب اس کی، مریضِ غم کو ترے
نہ نالہ آتا ہے ، اور نے کراہ آتا ہے

سنا ہے میں نے کہ پھر آج کل گلی میں تری
بہ زیرِ تیغ کوئی بے گناہ آتا ہے

مرے بھی دیدۂ خوں بار کیا ہی برسیں ہیں
مقابل ان کے جب ابرِ سیاہ آتا ہے

وہ آوے اس کا تو مذکور کیا ہے ، ہاں مجھ تک
خیال اُس کا مگر گاہ گاہ آتا ہے
مری تو آنکھیں بھر[1] آویں ہیں مصحفی کو دیکھ
جب اُس گلی سے بہ حالِ تباہ آتا ہے

۳۵۹

نہیں بندگی میں تو کچھ راہ اُس کی
نکلتی نہیں دل سے کیوں چاہ اس کی
بھلا بام پر چڑھ تو آیا تُو لیکن
ہوئی روکشی تجھ سے اے ماہ ! اس کی
دل اپنا میں کیوں دوں ترے غم کے ہاتھوں
نہ ہو اس کو[2] خواہش ہی ہرگاہ اس کی
گدا کو کرے شاہ چاہے تو پل میں
عجب لا ابالی ہے درگاہ اس کی
رہے آرسی سامنے ہی نظر کے
میں صورت بھی دیکھوں نہ اے آہ! اس کی

ق

کہو جو ہو تم مصحفی سے تو مل جا
اطاعت کروں گا میں اے واہ اس کی
وہ اتنا برا ہے کہ دونوں جہاں میں
نہ دکھلائے صورت بھی اللہ اس کی

۳۶۰

ق

میر کیا چیز ہے سودا کیا ہے
مجھ کو ان لوگوں کی پروا کیا ہے

۱ - بھر آتی ہیں : ح - ۲ - کی : ح -

یہ اگر عرصے میں آئے زیں پیش
دیکھ تو میرا بھی شہرا کیا ہے
اے صبا ! شمع سحر کو نہ ستا
اب بجھی جائے ہے، عرصا کیا ہے
گر کیا قتل کسی کو تو کیا
چلو اس بات کا چرچا کیا ہے

ق

ایک دن اُس کے میں در تک جو گیا
یہ سمجھ ، دیکھوں تو ہوتا کیا ہے
تھے کئی شخص بہم حرف زناں
میں کہا اُن سے یہ غوغا کیا ہے
سن کے واں سے جو نکل آیا ایک
وہ مجھے دیکھ کے کہتا کیا ہے
آپ جو دیر سے اس جا ہیں کھڑے
یہ کہیں آپ نے بیچا کیا ہے
مل گئے خاک میں ہم ، اب تو کہہ
مصحفی ! تیری تمنا کیا ہے ؟

۳٦۱

گر ابر گھرا ہوا کھڑا ہے
آنسو بھی تُلا ہوا کھڑا ہے
حیران ہے کس کا ، جو سمندر
مدت سے رکا ہوا کھڑا ہے
ہے موسم گل ، چمن میں ہر نخل
پھولوں سے لدا ہوا کھڑا ہے

شمشاد برابر اُس کے قد کے
دہشت سے بچا ہوا کھڑا ہے

ق

ہے چاک کسی کا جیب و داماں
کوئی[1] خستہ لٹا ہوا کھڑا ہے

تو آ کے نو دیکھ در پہ تیرے
کیا سوانگ بنا ہوا کھڑا ہے

ق

خلوت ہو کبھو تو یوں کہے وہ
کوئی[2] در سے لگا ہوا کھڑا ہے

میں ''خیر ہے'' گر کہوں تو بولے
''وہ دیکھ چھپا ہوا کھڑا ہے''

ق

تیرا ہی ہے انتظار اُس کو
ناقہ تو کسا ہوا کھڑا ہے

اے جاں نکل، کہ **مصحفی** کا
اسباب لدا ہوا کھڑا ہے

۳۶۲

منہ خنجر قاتل پہ رکھوں، بے ادبی ہے
ہر چند کہ پانی کی مجھے تشنہ لبی ہے

شیریں تو ذرا جانب فرہاد گزر کر
کہتے ہیں کہ پتھر تلے واں لوتھ[3] دبی ہے

۱، ۲ - بر وزن فع -
۳ - لوتھ: (ہ) لاش -

جس روز سے دیکھا ہے تری مانگ کا جلوہ
اُس روز سے عاشق کی دعا نیم شبی ہے
پہنچا[1] نہ ملک رتبۂ انساں کو کہ اب تک
اس دودۂ[2] آدم کی شرافت نسبی ہے
نکلے ہے مری خاک سے نت دستِ تمنا
یاں خاک ہوئے پر بھی یہ ساغر طلبی ہے
عالم نہیں جاتا ہے ہنوز[3] اس کی صفا کا
آئینۂ دل یا کہ یہ شیشہ حلبی ہے
اے مصحفی! جس دم کہ لیا بنگ کا پیالہ
پھر کام میں اپنے وہ شرابِ عنبی ہے

۳۶۳

گو کہ مخلِ ہمدمی ، چرخِ جفا طراز ہے
ہم کو تو اب تلک وہی بندگی و نیاز ہے
کیونکہ شبِ فراق سے ہووے گی میری جاں بری
داغ یہ سینہ سوز ہے ، درد یہ جاں گداز ہے
بےخود و مست کون ہے ، ہوش و تمیز ہے کسے
بزمِ شراب ہے یہاں ، کس کو یہ امتیاز ہے
وقتِ تکلم اس کا منھ دیکھ رہوں نہ کیا کروں
حرف ہے سو وہ ہے ادا ، بات ہے سو وہ ناز ہے
آوے شبِ وصال اگر بعد ہزار جستجو
تو بھی نہ لب کو وا کرے تو وہ بہانہ ساز ہے

---

۱ - ن ، ح میں یہ شعر نہیں -
۲ - دودہ ؛ (ف) خاندان - ۳ - کبھو : ح -

سمجھے تھے ہم کہ جائے گی جیسے گیا ہے روزِ وصل
کب ہمیں اس کی تھی خبر، ہجر کی شب دراز ہے

دامن اٹھا کے چلتے ہو ، میرے مزار پر عبث
خاک میں تو میں مل گیا کس سے اب احتراز ہے

صدقے کیا تھا جان[1] کو ہم کو ہے تجھ سے کیا عزیز
جان بھی تیری نذر ہے ، دل بھی تری نیاز ہے

دور فلک نے مصحفی ہم پہ کیا ہے عرصہ تنگ
سجدہ کہاں کرے کوئی ، جا[2] ہے نہ جانماز ہے

۳٦۴

موسمِ گل باغباں ، باغ کا در کھول دے
یا نہیں صیاد ہی[3] یہ مرے پر کھول دے

کون کہے ہے کہ کر غرفہ میرے منہ پہ وا
جالی سے لے ہاتھ اٹھا راہِ نظر کھول دے

خندۂ لب سے ترے لے جو اجازت وہیں
غنچۂ تصویر کو بادِ سحر کھول دے

اس کی درازی بھلا[4] میں بھی تو دیکھوں ذرا[5]
زلفِ مسلسل صنم تا بہ کمر کھول دے

ہوں میں دیارِ سحر ، ہے مری حرمت ضرور
منہ پہ مرے اے فلک بابِ اثر کھول دے

غمزۂ رہزن ترا کہتا ہے سورج سے یوں
خیر جو چاہے ہے تو تیغ و سپر کھول دے

---

۱ - جان و دل : ح -
۲ - چاہیے جا نماز ہے : ح -
۳ - سے کہہ : ح -
۴ - ذرا : ل، ح -
۵ - بھلا : ل ، ح -

ہم پہ تو کھلتا نہیں بھید دہن کا ترے
ہے یہ معما اسے تو ہی مگر کھول دے
گر نہ اتارے مجھے گھر میں تو اپنے صنم
رہنے کو میرے لیے اور ہی گھر کھول دے
آج تو کچھ مصحفی غش میں ہے کب کا پڑا
بچنے کی امید ہو آنکھیں اگر کھول دے

۳٦۵

آب ہو حسرتِ دل تُو تو بہی جاتی ہے
آرزو دل کی مرے دل میں رہی جاتی ہے
ہم نشیں گو کہ انھیں لاکھ طرح سمجھاویں
کم نگاہوں کی کوئی کم نگہی جاتی ہے
مجھ کو حیرت ہے کہ جب خاک میں ملتے ہیں یہ لوگ
کیوں کہ ان سے ہوسِ تختِ شہی جاتی ہے
ہم تری بزم میں رہنے کے نہیں ہو کے ذلیل
ہم سے ہر اک کی کوئی بات سہی جاتی ہے
گو طمانچے بھی لگاوے تجھے[1] یہ بادِ صبا
شاخِ گل تیری کوئی کج کلہی جاتی ہے
سجدہ کرنے سے صفا وہ نہیں حاصل تو نہ ہو
کچھ تو مانندِ نگیں روسیہی جاتی ہے
مصحفی فکرِ سخن ایسا کچھ آسان نہیں
جو غزل ہے سو وہ دقت سے کہی جاتی ہے

---

۱ - یہ تجھے : ح -

۳٦٦

پاؤں کا رنگ لب سے ترے آشکار ہے
اس رنگِ آتشیں پہ قیامت بہار ہے

ہاں اے فلک! خدا سے تو ڈر ، یہ ستم نہ کر
گردن مری بہ تیغِ تغافل دو چار ہے

حیراں ہوں اس قدر کہ شبِ وصل بھی مجھے
تو سامنے ہے اور ترا انتظار ہے

تم اور ہوگئے ہو میاں ورنہ اب تلک
دیکھو جو غور سے وہی لیل و نہار ہے

حیراں کھڑا رہے ہے اسے ہو گیا ہے کیا
آئینہ کس کے حسن کا آئینہ دار ہے

لالے کا پھول دیکھ کے کہنے لگا وہ شوخ
شاید کسی کا یہ جگرِ داغ دار ہے

بلبل کہے ہے گل سے کہ اے گل ذرا ٹھہر
جلدی پہ تیری اپنا تو جی بھی نثار ہے

ہوتا ہے بادِ صبح کا تیّار قافلہ
ہم بھی تو چلنے والے ہیں کیا اضطرار ہے

تو سادگی تو دیکھ کہ تربت پہ میری آ
پوچھے ہے **مصحفی** سے یہ کس کا مزار ہے

۳٦۷

شب نالہ ہائے گرم جو سوے فلک چلے
یک بار میری چشم سے آنسو ڈھلک چلے

وقفہ ہو اس قدر کہ رخِ مرگ دیکھ لوں
آخر تو تم دکھا کے مجھے اک جھلک چلے

بارش ہوئی یہ دیدۂ گریاں کی اب کے سال
چشموں کا ذکر کیا ہے کہ دریا چھلک چلے

وہ حور چہرہ سیر چمن کو ہو گر سوار
باندھے پرا رکاب میں حور و ملک چلے

عزم سفر ہے ہم کو بھی مدت سے **مصحفی**
پر دیکھیں ہم کہ قافلہ یہ کب تلک چلے

۳٦٨

زلفِ مشکیں ہو جہاں ، سنبل کی بو کیا چیز ہے
گل کو کہتا ہے ترا عارض کہ 'تو کیا چیز ہے

ہم[1] وہ وارفتہ ہیں یارو جو سمجھتے ہی نہیں
شوق کہتے ہیں کسے اور جستجو کیا چیز ہے

تیغ کو لا، جی کی حسرت دے مرے جی سے نکل
پوچھ لیجو اس گھڑی پھر آرزو کیا چیز ہے

اور کیا تعریف کیجے اس بتِ یک چشم کی
آگے یک چشمی کے تصویرِ دو رو کیا چیز ہے

جان تک ہوتا ہے پاسِ آبرو دانا[2] کے تئیں
جان پر جب آبنی تو آبرو کیا چیز ہے

آنکھ کے کھلتے ہی دیکھا اس نے روئے تیغ تیز[3]
زخمِ دل کیا جانتا ہے ، یہ رفو کیا چیز ہے

اس کے جھنجلانے میں نکلیں ہیں ہزاروں لطف ہائے
مصحفی میں کیا کہوں وہ تند خو کیا چیز ہے

---

۱ - یہ شعر ل - ح میں نہیں -
۲ - انساں کے تئیں : ح -   ۳ - تیغ و تیر : ح -

۳٦۹

نے تیر ، نہ تلوار ، نہ خنجر ، نہ چھرا ہے
اک جنبشِ مژگاں ہی میں یاں کام ادا ہے

سجدہ طرفِ کعبہ کروں یا طرفِ دل
کعبے میں جو قبلہ ہے تو دل قبلہ نما ہے

کیا تجھ کو خوش آیا ہے قفس ، مرغِ قفس کو
اب گل کی طرف سے یہی پیغامِ صبا ہے

رنگینیِ دست اس کی جو مہندی میں ملی ہے
ہوتا نہیں معلوم یہ خوں ہے کہ حنا ہے

جز نالہ و فریاد و فغاں کوے بتاں میں
کوئی[1] اور بھی اس دردِ محبت کی دوا ہے ؟

اک بار بھی آیا نہ ادھر ملکِ عدم کا
کیا قافلہ رستے میں کہیں بیٹھ رہا ہے ؟

اس دل پہ چھڑک لا کے گلاب اپنے ہی ہاتھوں
یہ دیکھ کے صورت تری بے ہوش ہوا ہے

اے **مصحفی!** اک اور بھی لکھ ریختہ یعنی
تو شاعرِ غرّا ہے، تری فکر رسا ہے

۳۷۰

سنتے تو ہیں اکسیر ہے ، عنقا ہے ، ہُما ہے
کیا جانوں میں کیا چیز زمانے میں وفا ہے

اے نکہتِ گل تو نہ کہیں ہو جو مکدّر
اک میری کفِ خاک بھی ہمراہِ صبا ہے

---

[1] - بر وزن فع -

کیا جانیے کیا صبح کو احوال ہو میرا
پھر رات سے سودا تری زلفوں کا بندھا ہے

اک دردِ محبت ہے کہ جاتا نہیں، ورنہ
جس درد کی ڈھونڈے کوئی دنیا میں دوا ہے

مضمون مرے[1] خط کا وہ سفاک سمجھ کر
قاصد سے کہے ہے کہ یہ خط کس نے لکھا ہے

بکتا ہے تو کیا مرغِ چمن سامنے گل کے
کچھ سوچ بھی ہے تجھ کو، ترا ہوش گیا ہے

وارفتہ ہے اتنا ترے نظارے میں اس دم
نے شرم کسی کی ہے، نہ[2] اب اس کو حیا ہے

ٹک دیکھ تو تُو **مصحفی** خستہ کی جانب
کیا پیار کی نظروں سے تجھے دیکھ رہا ہے

۳۷۱

زبس نظروں میں تھے ڈھنگ اس بلائے ناگہانی کے
نہ سوئے تا سحر ہم رات مارے بدگمانی کے

کریں گے یاد کیا اُس بے وفا کو اتنی چاہت پر
نہیں قاصد سے ہم شرمندہ پیغامِ زبانی کے

خدا لکھّے نہ عشقِ ناگہاں دشمن کے طالع میں
کہ ہم مارے ہوئے ہیں اس بلائے ناگہانی کے

خبر آنے کی سن کر اس کے اٹھ بیٹھے وہ بستر پر
اٹھا سکتے نہ تھے سر بھی جو مارے ناتوانی کے

---

۱ - مرا : ح -   ۲ - اب اس کو نہ حیا ہے : ح -

ادائے لغزش پا اس کی جب لکھنے کو بیٹھے ہیں
قلم گر گر پڑے ہیں ہاتھ سے بہزاد و مانی کے
مجھے کہتے ہو ''چاہے ہے کسی کو پھر تو اِن روزوں
ترا دل وہ نہیں'' صدقے گیا اس بدگمانی کے
پڑا رہنے لگا جوں نقش پا اب خاک پر یہ دل
اٹھائے اس نے بھی نقشے ہماری ناتوانی کے
اخیر عمر ہے ، اب آرزوئے عشق کیا کیجے
ہوئی پیری نمودار اور گئے وہ دن جوانی کے
انھیں بھی مصحفی جس طرح ہو کر ڈالیے آخر
کچھ اک ایام باقی رہ گئے ہیں زندگانی کے

۳۷۲

ڈرتا ہوں صبا تجھ سے جو وہ زلف اکڑ جائے
قسمت سے ہماری کہیں کچھ پیچ نہ پڑ جائے
کرتا ہوں میں نالے تو وہ یوں کوسے ہے مجھ کو
نالوں کو ترے آگ لگے اور تو اُجڑ جائے!
کیا پاؤں کرے بند وہ پھر کوئے بتاں میں
اُس کو میں قدم رکھتے ہی دم جس کا اُکھڑ جائے
خمیازے پہ خمیازہ تو لیتا ہے یہ مجھ کو
یہ ڈر ہے کوئی چین کا ٹانکا نہ اُدھڑ جائے
دیکھوں ہوں میں ہر چار طرف کوے[۱] بتاں میں
شاید کسی بےدرد سے آنکھ اپنی بھی لڑ جائے
ہو کر کے گہر پوش تو آیا ہے چمن میں
جی دھڑکے ہے پھولوں پہ کہیں اوس نہ پڑ جائے

۱ - بزم بتاں میں : ح -

دیکھے جو تری قدکشی اے سروِ خراماں !
شمشاد خجل ہو کے زمیں میں وہیں گڑ جائے

اے مصحفی ! کاغذ پہ تری نوکِ قلم سے
ہے لطف جو ایسے میں غزل اور بھی جھڑ جائے

۳۷۳

اینٹھے کبھو خط اور کبھو وہ زلف اکڑ جائے
ڈرتا ہوں کہ آپس میں یہ صحبت نہ بگڑ جائے

صبحِ طرب انگیز ہے وہ ساعدِ سیمیں
روشن ہو ابھی گوس[1] کی سیون جو اُدھڑ جائے

دیکھے ہے تو بے طرح کچھ آئینے میں ظالم
ڈرتا ہوں کہ تجھ سے ہی تری آنکھ نہ لڑ جائے

وارفتہ ہوں ایسا میں کہ کوچے میں بتاں کے
ٹھہراؤں جو ٹک دم کو تو پھر پاؤں اُکھڑ جائے

گر برق گرے آن کے معمورۂ دل پر
کیا کام ہے اس سے ہمیں جل جائے اُجڑ جائے

ہے جنسِ ملاحت سے گراں محمل لیلیٰ
ڈرتا ہوں کہ ناقہ نہ کہیں ریت میں گڑ جائے

---

۱ - ''گوس'' کاتب کی غلطی ہے، صحیح لفظ ''کوس'' ہے -(فائق)
کوس: ف - واو مجہول سے، بڑا نقارہ اور بہ معنی کوفتن، یعنی کوٹنا— اور کنارہ جامے کا ، ایما ، اشارہ -
(لغات کشوری ، صفحہ ۳۹۲ - غیاث اللغات ، صفحہ ۳۶۸)
مؤلف 'فرہنگ آصفیہ' کا بیان ہے :
''آستین کا وہ بڑھا ہوا حصہ جو اُس کے اوچھا ہو جانے کے سبب لگا دیتے ہیں - آستین کا کف - آستین کی موری کا جوڑ -''
(فرہنگ آصفیہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۵۹۰)

لے کر ہی ٹلے بوسہ میاں تیرے لبوں کا
بوسے کی گدائی کو اگر مصحفی اڑ جائے

۳۷۴

اُس کی رفتار کا مذکور جب آ جاتا ہے
جی کی ہوتی ہے یہ حالت کہ رندھا جاتا ہے
پوچھ مت صفحۂ ہستی پہ مثالِ انساں
ہے یہ وہ نقش کہ بِن میٹے مٹا جاتا ہے
ہے جو کاغذ پہ لکھا مطلبِ بےتابیِ شوق
خود بہ خود نامہ ہوا بیچ اُڑا جاتا ہے
دیکھ کر جامہ کتاں کا ترے بر میں اے ماہ!
جوں کتاں یہ مرا دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے
ہے تمھیں روز سیہ کس کو دکھانا منظور
کاجل انکھوں میں دو وقتی جو دیا جاتا ہے
شب مہتاب میں دیتا ہے جو تو مکھڑا کھول
آگے چہرے کے ترے چاند چھپا جاتا ہے
اب اگر دل کے تئیں لاکھ طرح سمجھاویں چھپا جاتا
اس کے بِن دیکھے کوئی ہم سے رہا جاتا ہے؟
دل سے اٹھتا ہے دھواں آہ کا جب یک باری
آگے آنکھوں کے مری ابر سا چھا جاتا ہے
مصحفی سنیو کہ اس بحر میں اک مطلع اور
بہتر از مطلعِ خورشید لکھا جاتا ہے

۳۷۵

کون اِس باغ سے اے بادِ صبا ! جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اُڑا جاتا ہے

شعلۂ شمع میں گرمی یہ کہاں سے آئی
اس کی گرمی سے تو فانوس جلا جاتا ہے
دل کے دھڑکوں کا یہ حالم ہے کہ بے منت دست
پرزے ہو ہو کے گریبان اُڑا جاتا ہے
ربط پہلے جو ترے یاد کبھی کرتا ہوں
بیٹھے بیٹھے مجھے افسوس سا آ جاتا ہے
پوچھتا کوئی نہیں کب سے ترے کوچے میں
دل کسی کا ہے کہ پامال ہوا جاتا ہے
گئے وے دن کہ تمنا ہمیں ک اشک کی تھی
اب تو ان آنکھوں سے دریا سا بہا جاتا ہے
شام کے وقت تُو کوٹھے پہ جو آتا ہے کبھی
دیکھ کر تجھ کو یہ خورشید چھپا جاتا ہے
بےادب کے تئیں مطلق نہیں صحبت کا شعور
شانہ کتنا تری زلفوں سے لگا جاتا ہے
یوں قدم رکھ نہ زمیں پر، تری رفتار سے آہ
دل کسی کا ہے کہ ماٹی میں ملا جاتا ہے
مصحفی عشق کی وادی میں گزر ہے کس کا
بھولا بھٹکا کوئی ایدھر کو بھی آ جاتا ہے

۳۷٦

کس منہ سے کریں ہم ہوس محمل لیلیٰ
فریاد میں ہے خود جرس محمل لیلیٰ
مرغ دل مجنوں کا نشاں ہم سے نہ پوچھو
ہووے گا اسیر قفس محمل لیلیٰ

ناقے کا قدم نجد میں پڑتا تھا جہاں تک
تھی نکہتِ گل ہم نفسِ محملِ لیلی
مجنوں ہے جہاں تو مجھے ادھر ہی کو لے چل
لیلی سے یہ ہے ملتمسِ محملِ لیلی
کیا قافلہ اک راہ سے جاتا ہے عرب کا
محمل یہ ہے محمل جو پسِ محملِ لیلی
فریاد کو مجنوں کی سنے کون ، جہاں ہوں
لاکھوں دلِ نالاں جرسِ محملِ لیلی
اے مصحفی! اس وادیِ پرخوف میں ہم نے
ہر خار کو پایا عسسِ محملِ لیلی

۳۷۷

لاف گرمی ترے عارض سے جو گلشن مارے
آتشِ گل پہ صبا طیش سے دامن مارے
کیا ستم ہے کہ تو غرفے میں پھرے بال کھلے
اور نظّارہ ترا[1] دیدۂ روزن مارے
دشمن و دوست کو آفت نے تری ایک کیا
ہاتھ پر ہاتھ نہ کیوں شیخ و برہمن مارے
تیری آنکھیں ہیں وہ رہزن کہ جنھوں نے کافر
قافلے لوٹ لیے ، سیکڑوں رہزن مارے
سر کو اپنے میں کیا خاک رہ سرو قداں
اس پہ شاید کوئی ٹھوکر دمِ رفتن مارے
پان و مسّی کی دھڑی دیکھی جو ہونٹوں پہ ترے
لافِ خوبی نہ لبِ جو گل و سوسن مارے

۱ - ترے : ح ، کال -

کشتنی اور بھی زنداں میں بہت ہیں لیکن
میں یہ چاہوں ہوں وہ پہلے مجھے گردن مارے
مصحفی چاہے تو اس سے بھی غزل گرم کہے
اس زمیں میں جو کوئی میری طرح گھن[1] مارے

۳۷۸

غیر سے آنکھ نہ ہوں وہ بت پُر فن مارے
اور جو مارے تو مجھے تیغ سے گردن مارے
کیا ستم[2] ہے کہ جو گزرے ترے کوچے سے، اسے
چشمک اپنی ہی طرف دیدۂ روزن مارے
اُس کی تربت پہ بنانا ہے چمن اے صیاد!
جس کو یاں حسرتِ نظارۂ گلشن مارے
سختیٔ عشق سے ہاتھ اپنا ہے پتھر کے تلے
اس کو سینے پہ کوئی کیا دم شیون مارے
سینے آوے جو گریباں ترے دیوانے کا
سر سے عیسیٰ کے وہ لے رشتہ و سوزن مارے

ق

اے خوشا حال انھوں کا جو ترے کوچے میں
خاک کے پنڈے سے ملے بیٹھے ہیں آسن مارے
ہم تو اے غیرتِ لیلیٰ! تری خاطر اب تک
قیس کی طرح پڑے پھرتے ہیں بن بن مارے
مصحفی کام مرا ضبط سے اب در گزرا
کب تلک غم میں کسی کے کوئی تن من مارے

۱- گھن: لوہا کوٹنے کا بھاری ہتھوڑا۔ ۲- غضب: ح۔

۳۷۹

اس ظلم کی آفت کسی ہم فن پہ نہ ہووے
ہم پر جو مصیبت ہے وہ دشمن پہ نہ ہووے
اس ڈر سے میں تکتا نہیں روزن کی طرف بھی
واں آنکھ تری بھی کہیں روزن پہ نہ ہووے
کیا لطف سے دیکھوں میں ترے حسن کا عالم
سورج کی نظر گر تری چلمن پہ نہ ہووے
منظور ہے گر عرس مرا، کیجیے، لیکن
انبوہِ رقیباں مرے مدفن پہ نہ ہووے
جاتا نہیں اس ڈر سے میں شمشیر تلے بھی
احسان کسی کا مری گردن پہ نہ ہووے
دیکھے جو مرے داغِ جگر بلبلِ بستاں
تو شیفتہ رعنائیِ گلشن پہ نہ ہووے
صد چاک ہے کیوں **مصحفیِ** خستہ کا سینہ
پوچھو تو وہ عاشق کسی درزن پہ نہ ہووے

۳۸۰

نہ تو یہ آہ ہی ہم دوشِ اثر ہوتی ہے
نہ شبِ ہجر ہی کم بخت سحر ہوتی ہے
ذبح کے وقت بھی قاتل سے میں کہہ دیتا ہوں
آستیں تیری مرے خون سے تر ہوتی ہے
تو جو بالیں سے مری اٹھ کے لگے ہے چلنے
تیرے اٹھتے ہی قیامت مرے گھر ہوتی ہے
ہے شبِ ہجر، میں اٹھ اٹھ کے قلق کے مارے
دل کو دیتا ہوں تسلی کہ سحر ہوتی ہے

سیکڑوں معنی باریک نظر آتے ہیں
جب کبھی پیش نظر اُس کی کمر ہوتی ہے
ہم کو در پیش ہے یاں تیغ تلے سر رکھنا
یہ مہم دیکھیے کس طرح سے سر ہوتی ہے
یہ بگولا نہیں اُٹھتا ہے ترے کوچے سے
حسرت دل ہے کہ واں خاک بہ سر ہوتی ہے

ق

مصحفی ربط یہ پہنچا ہے ہم اُس سے مجھے
کہ بہ یک خانہ ہی اوقات بسر ہوتی ہے
لیک آنکھوں ہی میں رہتا ہے تصور اُس کا
کسی دن اُس سے جدائی بھی اگر ہوتی ہے

۳۸۱

میں وہ نہیں ہوں کہ اُس بت سے دل مرا پھر جاے
پھروں میں اُس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جاے
نہ چھیڑ زلف کو اے شانہ! کیا کرے تو بھلا
یہ ناگنی جو تجھے کاٹ کر ذرا پھر جاے
خدا کرے نہ ملے اس کو آشنا کوئی
اگر کسی سے کوئی ہو کے آشنا پھر جاے
ذرا جواب تو دے اٹھ کے اپنے سائل کو
یہ بے نصیب ترے آستاں سے کیا پھر جاے؟
روا ہے یہ کہ نہ آوے تو در تلک اپنے
دل ستم زدہ دے کر تجھے دعا پھر جاے
عجب تو کیا ہے جو دیکھے وہ گھور کر مجھ کو
لبوں پہ آ کے مرے نالہ نارسا پھر جاے

ہوا ہے دل مرا گم ، پاوے سو بٹھا رکھے
فغان و نالہ منادی یہ جا بہ جا پھر جاے

وہ آفتاب جدھر رُو کرے عجب کیا ہے
منہ اس طرف کو گلِ آفتاب کا پھر جاے

کرے اشارہ جو مژگانِ سرمہ سا کو وہ شوخ
تو دل کے گرد مرے لشکرِ بلا پھر جاے

پھرا جو واں سے سو وہ زینہار پھر نہ گیا
گلی میں اس کی کوئی ہم سا بے حیا پھر جاے

ہواے ابر ہے بھر ساقیا گلابی مے
نہ کر درنگ مبادا کہ یہ ہوا پھر جاے

میں تلخ کام ہوں زہرِ فراق سے ایسا
کہ جیسے مردمِ بیمار کا مزا پھر جاے

نہ پلٹے تیغ تری سر سے تیرے عاشق کے
یہ بات اور ہے آئی ہوئی قضا پھر جاے

سناؤں[۱] اب کے غزل مصحفی اک ایسی ہی
کہ جس سے سب کی زبانوں پہ مرحبا پھر جاے

۳۸۲

دکھا کے در سے وہ مڑنے کی گر ادا پھر جاے
تو پارسائی سے پھر اپنی پارسا پھر جاے

بہ رنگِ مارگزیدہ رہے وہ سویا ہی
کسو کے سر پہ جو وہ کاکلِ رسا پھر جاے

۱ - سناؤں : ح -

وہ اضطراب ہے اس کے تئیں ، جو آوے بھی
تو دے کے خط مجھے قاصد برہنہ پا پھر جاے
پیالے دیتے ہو بھر بھر کے سب کو تم ، کیا ہو
مری طرف بھی اگر ہاتھ آپ کا پھر جاے
کریں ہیں غیر خبر اس کو میرے مرنے کی
کہ رستے ہی میں سے سن کر یہ ماجرا پھر جاے
وہ آفتاب جو آوے نکل تو اس کی طرف
خود آفتاب گل آفتاب سا پھر جاے
جو دے سکے نہ رہ عشق میں ہمارا ساتھ
ہمارے ساتھ نہ آوے وہ آشنا پھر جاے
دیا ہے مجھ کو یہ برگشتہ طالعی نے اثر
کہ آ کے سر پہ مرے سایۂ ہما پھر جاے
ستم ہے یہ کہ پھریں اک تو ہم سے وے زلفیں
اور اُن کے ساتھ میاں رخ ترا جدا پھر جاے
ہوا کچھ اور وہاں[1] بندھ رہی ہے ، دور نہیں
جو پچھلے پاؤں گلی سے تری صبا پھر جاے
ترے شہید کا کوئی نہیں ، اسی کا خوں
تری گلی میں مگر بہر خوں بہا پھر جاے
پھروں میں آپ سے ممکن نہیں یہ بے توقیر
مزاج آپ کا مجھ سے اگر پھرا ، پھر جاے
بکھیر دے جو وہ زلفوں کو اپنے مکھڑے پر
تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جاے

---

۱ - اور ہی واں : ح -

بدل کے قافیہ کہہ اک غزل اب ایسی اور
کہ جس کے پڑھتے ہی اے **مصحفی** ہوا پھر جاے

۳۸۳

غم اس کا کچھ نہیں گو مجھ سے اک جہان پھر جاے
پہ یہ نہ ہو کہ مرا یار مہربان پھر جاے
بیان کروں خطرِ وادیِ محبت اگر
تو راہ ہی میں سے یاروں کا کاروان پھر جاے
نقاب منہ سے نہ کھول اپنے، میری آنکھوں میں
خدا ہی جانے کہ اس وقت کیا سماں پھر جاے
برس تو ابرِ مژہ اس قدر کہ جس سے ذرا
گلوں کی تازگی ہو ، رنگِ گلستان پھر جاے
روا ہے یہ کہ ترے آستاں پہ جو آوے
لگا کے منہ سے تری خاکِ آستان پھر جاے
اگر مقابلِ ابروے یار ہو **ارجن**
تو ہاتھ اس کے لگیں کانپنے کمان پھر جاے
بعید کیا ہے جو قبلے سے تیرے منہ کی طرف
بہ رنگِ قبلہ نما روے زاہدان پھر جاے
ہے جاے رحم یہاں اس اسیرِ بے بس پر
قفس کو دیکھ کے جو اپنا آشیان پھر جاے
زمیں شگفتہ ہے اب دوسری غزل کی طرف
کمیت[۱] خامہ کی اے **مصحفی** ! عناں پھر جاے

---

۱ - کمیت : (ف) سیاہی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا ۔

۳۸۴

جہاں سے جائے وہ جو تم سے اے بتاں! پھر جائے
ستارے پھیر لیں منہ ، آس سے آسماں پھر جائے
سموم آہ مری رُو کرے ادھر تو وہیں
گلوں کے چہرے پہ اک زردیِ خزاں پھر جائے
تو در کو شوق سے رکھ بند ، پر نہ اتنا بھی
کہ آوے جو کوئی وہ ہو کے بدگماں پھر جائے
سنہری حسن کی اس کے پڑے جو اس پہ جھلک
تو کچھ عجب نہیں گر رنگِ زعفراں پھر جائے
جو تیرے حفظ میں ہو اس کے قصد پر دشمن
کہاں جو ہاتھ میں لے تو رخِ کماں پھر جائے
گلی میں اس کی مجھے سب کہیں ہیں آتا دیکھ
''نہ اپنی جان پہ کھیلے ، یہ نوجواں پھر جائے''

ق

گماں غلط ہے یہ ایک آدھ کا ، خدا نہ کرے
کہ اپنی طرز سخن سے مری زباں پھر جائے
ہزار بار میں چورنگ اس سے کاٹے ہیں
یہ تیغ وہ نہیں جو وقتِ امتحاں پھر جائے
پھریں نہ مصحفی ہم اس سے ، شرطِ عشق ہے یہ
ہزار اپنی طرف سے وہ دل ستاں پھر جائے

۳۸۵

جب جاتے جاتے اس نے پردہ اٹھا دیا ہے
عالم کو رہ گزر میں عالم دکھا دیا ہے

ہر لحظہ جعد اُس کی دل مانگتی ہے مجھ سے
کافر نے کس بلا کو پیچھے لگا دیا ہے
مذکور میں دہن کے ، لایا ہوں زلف کا ذکر
تھوڑی سی بات کو میں کتنا بڑھا دیا ہے
آیا ہے جب چمن میں نازک نہال میرا
ہر شاخِ گل نے اپنے سر کو جھکا دیا ہے
نے خط و نے کتابت ، یارانِ رفتہ نے تو
یک بار اپنے جی سے ہم کو بھلا دیا ہے
اٹھے ہیں سرگراں ہم ، خوابِ عدم سے ہم کو
یہ کچّی نیند میں سے کس[1] نے جگا دیا ہے
گھڑیوں پر آ رہی ہے اب اپنی زندگانی
جوں شمع داغِ غم نے از بس جلا دیا ہے
بادِ صبا چمن میں آتی ہے گر کبھی تو
غنچوں نے چٹکیوں میں اُس کو اُڑا دیا ہے
گر مصحفی میں اس سے مانگا ہے کوئی ساغر
ساقی نے میری ضد سے شیشہ لڑھا[2] دیا ہے

۳۸۶

نہ قاصد ہے ، نہ نامہ ہے ، نہ پیغامِ زبانی ہے
کئی دن سے ہمارے حال پر نامہربانی ہے

۱ - کسی نے : ح -
۲ - لڑھانا : گرانا ، اوندھانا -

اگرچہ اوٹ[1] تو دل لوٹ ہونے کی نشانی ہے
ادا چتون کی اُس کی پر بعینہ حصم ِ جانی ہے
خلل سا آ گیا ہے جلوۂ دامن درازوں میں
ز بس رونے سے میرے تا کمر گلیوں میں پانی ہے
خرام اُس کے میں ہے انداز آشوب قیامت کا
قیام اُس کے میں اک ترکیب ِ سرو ِ بوستانی ہے
سر شب سے ہی سو رہتے ہو کیا تم ڈھانپ کر منھ کو
میاں کچھ شغل بھی لازم ہے قصہ ہے کہانی ہے
دے آیا ہوں میں اپنا چاک ِ جیب اس گل کو یہ کہہ کر
کہ لے، جاتا ہوں میں، یہ مجھ ِ دوانے کی نشانی ہے
قفس میں ہوں میں اُس کے تو بھی اُس صیاد کافر کو
مرا[2] ہی فکر ہے ہر دم ، مری ہی پاسبانی ہے
اگر میں مر گیا ، تیری بلا سے ، تو نہ ہو غمگیں
بلا سر سے ٹلی تیرے ، پھر اب کیا سرگرانی ہے
خدا کے واسطے اے شب ! نہ جا اتنی[3] شتابی سے
کہ اُس نے بعد مدت کے مری اک بات مانی ہے
کناری گرد ِ دامن برق سی چمکے ہے اے ظالم
یہ جوڑا آسمانی بھی بلائے آسمانی ہے
قدم آگے اٹھا سکتے نہیں ہم اُس کے کوچے سے
کہ پاؤں پر ہمارے سر جھکا ہے ناتوانی ہے

---

۱ - اوٹ : (ہ) حجاب ، آڑ ، اوجھل :
کی جو شرما کے اوٹ تکیے کی
لگ گئی ان کو چوٹ تکیے کی
۲ - مری ہی : ح - ۳ - ان سے : ح -

لیا ہے چلتے چلتے جو اٹھا ہاتھوں میں دامن کو
خدا جانے اسے منظور کیا آفت اٹھانی ہے
جو نقش اول غزل کا تھا سو تو نے **مصحفی** دیکھا
غزل اب دوسری لکھتا ہوں، سو یہ نقشِ ثانی ہے

۳۸۷

نہ وہ راتیں، نہ وہ باتیں، نہ وہ قصہ کہانی ہے
فقط اک ہم ہیں بستر پر پڑے اور ناتوانی ہے
بھلا میں ہاتھ دھو بیٹھوں نہ اپنی جان سے کیونکر
خرام اس کے میں اک آبِ رواں کی سی روانی ہے
تو یوں بے پردہ ہو جایا نہ کر ہر ایک کے آگے
نیا عالم ہے تیرا اور نئی کافر جوانی ہے
نہ تنہا میں ہی اپنے دل کو اس کو چے میں ڈھونڈوں ہوں
کہ یاں خضر و مسیحا نے بھی اکثر خاک چھانی ہے
بسانِ صورتِ شب باز[۱] ہم جیتے تو ہیں لیکن
جو سچ پوچھو بہ دستِ غیر اپنی زندگانی ہے
کسی نے کچھ کہا ہرگز نہیں تم ناز تو دیکھو
نزاکت کے سبب سے اس کو اپنی سرگرانی ہے
نہ تنہا گل گریباں پھاڑتے ہیں دیکھ اس سج کو
چمن میں آبِ جو بھی چال پر اس کی دوانی ہے
طبیعت ناگہاں آوے نہ روے خوش پہ، دشمن کی
کہ اس کا ناگہاں آنا بلاے ناگہانی ہے
مجھے وحشت سی اک ہوتی ہے پیدا آہ کیا کہیے
کہ اس بِن کیا اندھیری رات ساون کی ڈرانی ہے

۱ - شب باز : (ف) کٹھ پتلی -

تری باتوں نے تو اے **مصحفی**! جی کو جلا ڈالا
خدا کے واسطے چپ رہ ، یہ کیا آتش زبانی ہے

۳۸۸

نصیب اپنے میں غم، اوروں کو عیش[1] و شادمانی ہے
ہم اس جینے سے درگزرے ، یہی گر زندگانی ہے
اگر ہے دشمنِ جاں تو بھی اپنا یارِ جانی ہے
تغافل میں بھی اُس کے اک طرح کی مہربانی ہے
اٹھیں کیونکر نہ مردے گور کے وقتِ خرام اُس کے
کہ یہ بوٹا سا قد اُس کا ، قیامت کی نشانی ہے
سنجافِ سرخ یوں لگتی ہے[2] اُس کے سبز جامے پر
کہ گویا برق دامن گیرِ سروِ بوستانی ہے
کوئی کس وقت دردِ دل کہے جب جائیے واں تو
تغافل[3] ہے ، تجاہل ہے ، ادا ہے ، سرگرانی ہے
سر اپنا کاٹ کر رکھ دیں گے اک دن روبرو اُس کے
کریں کیا آہ ہم نے **مصحفی**[4] اب جی میں ٹھانی ہے

۳۸۹

مہندی[5] نے ترے ہاتھوں پہ یہ رنگ دیا ہے
یا لالہ کی پتی کو بہم کر کے سیا ہے

---

۱ - عیش جاودانی : ل ، ح -
۲ - "لگتے ہیں" : اصل متن میں تھا - یہاں فعل واحد آنا چاہیے - غالباً سہو کتابت ہو اس لیے "لگتی ہے" تصحیح قیاسی ہے۔ (فائق)
۳ - تغافل میں تجاہل ہے : ح -
۴ - بھی یہی : ح -
۵ - نسخۂ لاہور میں نہیں - غزلیات ۳۸۹ تا ۱۳۴ ن ، ح میں نہیں -

ٹک تو بھی تو جا اس کی عیادت کو، کہیں ہیں
بیمار تری چشم کا مر مر کے جیا ہے
آتا ہے بھبوکا سا نظر وہ گلِ عارض
کافر نے جو جامِ مئے گلرنگ پیا ہے
معلوم نہیں مجھ سے غرض کیا ہے، صبا نے
کیوں میری کفِ خاک کو برباد کیا ہے
اے مصحفی! سنیو کہ انھیں قافیوں کے بیچ
اک ریختہ میں اور قلم بند کیا ہے

۳۹۰

کاجل تری آنکھوں میں میاں کس نے دیا ہے
اس روپ نے کاجل کے تو ستھراؤ کیا ہے
اے دستِ جنوں! کیجیو ٹک تُو تو توقف
ناصح نے ابھی میرے گریباں کو سیا ہے
نکھرا ہے جو ٹک رنگ پھر اُس رشکِ پری کا
کیا خونِ جگر سے میرے تنبول[1] پیا ہے
اس دستِ حنائی میں جو میں دیکھیں ہیں پانسے
بن پھینکے ہی اپنا دل و دیں ہار دیا ہے
مارے ہیں پشیماں ہو منھ اپنے طمانچے
اس منھ سے اگر ہم نے ترا نام لیا ہے
کہتے ہو غلام اپنا جو ہر ایک کے آگے
کیا مصحفی کو تم نے میاں مول لیا ہے

۱ - تنبول: (ف) پان -

۳۹۱

غصے کو جانے دیجے نہ تیوری چڑھائیے
میں گالیاں بھی آپ کی کھائیں ، اب آئیے
رفتار کا جو فتنہ اٹھا تھا سو ہو چکا
اب بیٹھے بیٹھے اور کوئی فتنہ اٹھائیے
میرا تو کیا دہن ہے جو بوسے کا لوں میں نام
گالی بھی مجھ کو دیجے تو گویا جلائیے
بولا کسی سے میں بھی تو کچھ کیا غضب ہوا
اتنی سی بات کا نہ بتنگڑ بنائیے
ایسا نہ ہو کہ جائے شتابی سے دم نکل
چاکِ جگر سے پہلے مرا منھ سلائیے
رکھا جو اک شہید کی تربت پہ اس نے پاؤں
آئی صدا یہ واں سے کہ ''دامن اٹھائیے''
بکتے ہیں تیرے نام سے ہم اے کمند زلف !
تجھ کو بھی چھوڑ دیجے تو کس کے کہائیے
اس کی گلی نہ مکتبِ طفلاں ہے **مصحفی**
تا چند جائیے سحر اور شام آئیے

۳۹۲

دیں تو کیا چیز ہے ، ایمان بھی صدقے کیجے
ایسے معشوق پہ جی جان بھی صدقے کیجے
اب کے گر فصل گل آوے تو گلوں کے اوپر
پھاڑ کر اپنا گریبان بھی صدقے کیجے
گل فروش اس کی تمنا میں یہی کہتے ہیں سب
ادھر آ جائے تو دوکان بھی صدقے کیجے

گرچہ انسان میں ہوتا ہے عجب حسن و نمک
اے پری! تجھ پہ تو انسان بھی صدقے کیجے
عارضِ گل سے نہیں کم ترے تلووں کی صفا
اس صفا پر مہِ تاباں بھی صدقے کیجے
وقت بوسے کے حلاوت ہے وہ ان میں کہ میاں
تیرے دنداں پہ دنداں بھی صدقے کیجے
فصلِ گل کہتی ہے اے مصحفی! داغوں پہ ترے
گل تو کیا لالۂ نعماں بھی صدقے کیجے

۳۹۳

یہ لوگ میاں جی سے گزر جاتے ہیں کیسے
عاشق جو ترے ہوتے ہیں مر جاتے ہیں کیسے
جی جھوک[1] کے آتے ہیں جو مژگاں کے مقابل
کام اپنا وہ اک آن میں کر جاتے ہیں کیسے
جا کر کے گھر اپنے میں بتاں بیٹھ رہے ہیں
یہ اٹھ کے مرے پاس سے گھر جاتے ہیں کیسے
ہے سیر کو اکب میں تجھے دخل تو کہہ دے
مجھ پر یہ دن اے رشک قمر! جاتے ہیں کیسے
یا شانے تک ان بالوں کے تئیں تھی نہ رسائی
یا دوڑے ہوئے تا بہ کمر جاتے ہیں کیسے
صدقے ہیں گیا ان کے، ترے موے پریشاں
اک باؤ کے جھونکے میں بکھر جاتے ہیں کیسے
آ نکلے ہے وہ شوخ جو ٹک منہ کو بنائے
ہم دیکھتے ہی بس اسے ڈر جاتے ہیں کیسے

۱ - جھوکنا : (ہ) برباد کرنا -

پر توڑ کے صیاد مرے پھینک دے اور دیکھ
اڑتے ہوئے گلزار کو پر جاتے ہیں کیسے

میں طالعِ عشاق کا بندہ ہوں کہ ہے ہے
کام ان کے بگڑنے میں سنور جاتے ہیں کیسے

پاسِ سخن از بس نہیں پیماں شکنوں کو
یہ سر کی قسم کھا کے مُکر جاتے ہیں کیسے

جانے سے جدھر کے مجھے کرتے تھے سدا منع
ہمدم مرے اب آپ اُدھر جاتے ہیں کیسے

ناسور جو سینے میں نہیں ، داغِ محبت
آنسو ترے اے دیدۂ تر! جاتے ہیں کیسے

اے مصحفی! پھرتے نہیں جو ملکِ عدم سے
ہستی کے سفر والے سفر جاتے ہیں کیسے

۳۹۴

یہ دل کہ آتشِ غم پر سپند رہتا ہے
نت اس کی آگ سے شعلہ بلند رہتا ہے

کراہنے کی سی آواز شب کو آتی ہے
تری گلی میں کوئی درد مند رہتا ہے

جو غیر سے اسے رہتی نہیں ہم خلوت
تو کیوں در اس کا شب و روز بند رہتا ہے

دل رمیدہ ترے دامِ زلف میں پابند
بسانِ آہوے سر در کمند رہتا ہے

ہیں مصحفی کی وہی شورشیں جو تھیں آگے
لونڈیوں سے کوئی یہ لونڈ[1] رہتا ہے

۳۹۵

دیکھے جو تری فندق سفاک کے ڈورے
بس گھل گئے اپنے تو دل چاک کے ڈورے
یارب نہ لگے چشم بد اُن کو کہ غضب ہیں
نیلے وہ ترے ساعد چالاک کے ڈورے
تسبیحیں بناوے جو کوئی خاک شفا کی
لازم ہے رگ جاں کرے اس خاک کے ڈورے
انگور کے دانوں کو شب مہ نے صفا دی
یاں تک کہ ہے عقد گہر تاک کے ڈورے
برساتیں بہت کھائیاں گریے کی ہمارے
تو بھی نہ گلے، خیمۂ افلاک کے ڈورے
گر خوں نہیں نظروں سے کیا تو نے کسی کا
کیوں لال ہیں اس چشم غضب‌ناک کے ڈورے
آیا جو نہانے کو وہ حمام میں ہو گئے
رشک رگ گل کیسہ و دلاک[2] کے ڈورے
زیبی سازی اگر آتی مجھے، میں تو مری جاں
پلکوں سے بناتا تری فتراک کے ڈورے
اے مصحفی! کیا کہیے کہ شب فرط الم میں
خنجر سے میں کاٹے جگر چاک کے ڈورے

---

۱ - لونڈ: ص - (بہ فتح لام و واو) عشوہ‌گر، طناز، زن ہرجائی -
(فرہنگ عمید، صفحہ ۱۰۲۲)

۲ - دلاک: (ع) حمام میں بدن ملنے والا -

۳۹٦

ٹوٹے جو رفوے جگرِ چاک کے ڈورے
جا کر بنے اُس نرگسِ سفّاک کے ڈورے
عشاق ترے مل گئے سب خاک میں ظالم
یاں تک کہ بنے تار کفن خاک کے ڈورے
کیفیتِ چشم اُس کی رقم کرنے کو ہم نے
مسطر میں لگائے ہیں رگِ تاک کے ڈورے
نازک بدنی دیکھ کے ہنگام سواری
خط کھینچتے ہیں پاؤں پہ فتراک کے ڈورے
مرپینے کے دن ہوچکے، اب آنکھوں میں اس کی
رہتے ہیں چھٹے نشۂ تریاک کے ڈورے
جوں رشتہ بپا مرغ ہی جاوے گا چمن کو
دو کاٹ کوئی بلبلِ غمناک کے ڈورے
راتوں کو ستارے یہ چمکتے نہیں ناداں
آتے ہیں نظر خیمۂ افلاک کے ڈورے
اے مصحفی! پالی کا اب آ دیکھ تماشا
بندھتے ہیں خروس بتِ چالاک کے ڈورے

۳۹۷

گئے ہیں یار اپنے اپنے گھر، دالان خالی ہے
اگر تم آ ملو ایسے میں تو میدان خالی ہے
کوئی یوسف سے جا کر مصر میں اتنا تو کہہ دیتا
گیا ہے جب سے تو اے ماہ رو! کنعان خالی ہے
خدا جانے کہ کیا در پیش آیا ہم صفیروں کو
بہار آئی ہے اور اب کے برس زندان خالی ہے

تماشا ہے کہ جوں آئنہ اس صورت پرستی پر
تماشا سے ہمارا ، دیدۂ حیران خالی ہے

خدا جانے کہ میں دیوانہ کس صحرا سے آیا ہوں
جو ایسی رت میں پھولوں سے مرا دامان خالی ہے

یہ رنگ شیشۂ ساعت دل اپنا گرد کلفت سے
بھرا ہے گھر فلک اک آن تو اک آن خالی ہے

ہزاروں میں کوئی اک آدھ ہاں ایسا بھی ہووےگا
تعشق سے وگرنہ، کون سا انسان خالی ہے

نہ ہو ویں اے دل آنکھیں جس کے چہرے پر سووہ چہرہ
مثال اس کی سمجھ ، نرگس سے نرگس دان خالی ہے

تڑاوے[1] کے لیے ہے خوان پوش مہر و مہ نادان
فریب چرخ مت کھائیو کہیں یہ خوان خالی ہے

اگرچہ مصحفیؔ گل بھول لاکھوں میں نے کترے ہیں
پر اب تک شعر رنگیں سے مرا دیوان خالی ہے

۳۹۸

کسی پر دل کا آجانا غضب ہے
کسی کا جی کو یوں بھانا غضب ہے

تری زلفوں کی لیتا ہے بلائیں
کٹے ہاتھوں پہ یہ شانا غضب ہے

اگرچہ قصۂ خسرو ہے شیریں
پہ مجنوں کا بھی افسانہ غضب ہے

میاں سر پر غریبوں کے تمھارا
سپر تلوار کھڑکانا غضب ہے

---

۱ - تڑاوے : (ہ) آرائش ، تزیین - (نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۵۱)

اگرچہ شمع ہے جلنے میں استاد
پر اس بت پر بھی پروانہ غضب ہے

ترا منہ پھیرنا تو ہے ہی کافر
تری زلفوں کا بل کھانا غضب ہے

شرابِ عشق کہتے ہیں جسے دوست
پس اس کا ایک پیانہ غضب ہے

کبھے تھا شانہ یوں حیران ہو کر
گھنے بالوں کا سلجھانا غضب ہے

تم اے یارو ! نہ چھیڑو **مصحفی** کو
نہیں تو پھر یہ دیوانا غضب ہے

۳۹۹

زخم کاری جگر پر آیا ہے
عشق نے اب مزہ چکھایا ہے

کیوں نہ خوش ہوں میں جی ہی جی میں دلا
میں نے معشوق خوب پایا ہے

کیوں ڈروں سایۂ پری سے میں
تیری زلفوں کا مجھ پہ سایہ ہے

کیوں کہ لوں نام اپنی ہستی کا
میرے گھٹ[۱] میں تو ُتو سمایا ہے

ق

آہ کس سے کہوں میں تیرے تئیں
ُتو نے کس کس طرح ستایا ہے

---

۱ - گھٹ : (ہ) ۱ - دل ، من ، جی -
(نوراللغات ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۰۸)

گر ہنسایا ہے مثلِ گل اک دم
مثلِ شبنم وہیں رلایا ہے
یار ہے مصحفی کے گھر مہماں
طالعوں نے یہ دن دکھایا ہے

۴۰۰

جب گھر سے وہ بعدِ ماہ نکلے
منہ سے مرے کیوں نہ آہ نکلے
دل وہ ہے کہ جس سے چاہ نکلے
منہ وہ ہے کہ جس سے آہ نکلے
زنداں کی تو اپنے سیر تو کر
شاید کوئی بے گناہ نکلے
مانی سے کھنچی نہ خط کی تصویر
لاکھوں ورقِ سیاہ نکلے
خجلت یہ ہوئی کہ محکمے سے
شرمندہ مرے گواہ نکلے
رستے محدود ہو گئے ہیں
اب دیکھیے کیوں کہ راہ نکلے
پلکیں نہیں چھوڑتیں کہ اک دم
آنکھوں سے تری نگاہ نکلے
اے آہ! تو لے تو چل علم کو
تا آنسوؤں کی سپاہ نکلے
نکلا میں گلی سے اس کی اس طرح
جیسے کوئی داد خواہ نکلے

وہ سوختہ میں نہیں کہ جس کی
تربت سے گل و گیاہ نکلے

شعر اپنے جو مصحفی پڑھوں میں
منہ سے ترے واہ واہ نکلے

۴۰۱

شام جلتا ہے دل خستہ ، سحر جلتا ہے
ہر تو کیا جانے وہ کم بخت کدھر جلتا ہے

جس طرح سوز دو ہیزم کو بہم ہو ، اس طرح
آتش عشق میں دل اور جگر جلتا ہے

بزم اکسیر گراں ہے ، پہ طرب خانۂ آز
واسطے زر کے یہاں آگ میں زر جلتا ہے

سرکشی خوب نہیں بزم شہاں میں اے چرخ !
انھی باتوں میں تو یاں شمع کا سر جلتا ہے

کاش لے جا کے مرا دل بھی رکھیں آتش پر
عود سوزوں میں جہاں عود و اگر جلتا ہے

عشق کی آگ لگی ہے مرے دل میں ہے ہے
دوڑیو لوگو ! محبت کا نگر جلتا ہے

استخوانوں سے مرے نکلے ہے جلنے میں فغاں
آتش تیز سے جوں خشک شجر جلتا ہے

جی نکل جاے ہے میرا وہیں ، پروانے کا
شعلۂ شمع پہ گر ایک بھی پر جلتا ہے

آسماں سے مجھے آج آتی ہے کچھ بوے کباب
نالۂ نیم شبی تیرا اثر جلتا ہے

کیا کہیں سایۂ خورشید میں آیا ، سچ کہہ
آج پنڈا ترا اے رشکِ قمر ! جلتا ہے

ق

ایک نے اس سے کہا مصحفی تیری خاطر
تپ کی شدت میں پڑا آٹھ پہر جلتا ہے
تب کہا اس سے یہ ان نے کہ اگر سچ ہے یہ بات
میں بھی دیکھوں تو کہاں ہے وہ ، کدھر جلتا ہے
جوں ہی وہ ساتھ لے آیا اسے باتوں میں لگا
دیکھتا کیا ہے کہ اک شخص کا گھر جلتا ہے

۴۰۲

نہ فقط مال کا عاشق کے ضرر ہوتا ہے
عشق میں جی کا بھی البتہ خطر ہوتا ہے
تاب لاوے نہ ترے تیرِ نگہ کی رستم
دل ہے میرا ہی کہ یوں سینہ سپر ہوتا ہے
کوچۂ یار ہے وہ قتل گہِ بے گنہاں
رقصِ بسمل ہی جہاں آٹھ پہر ہوتا ہے
ہے دلا جوہرِ قابل کو قبولیت شرط
ابرِ نیساں کا نہ ہر قطرہ گہر ہوتا ہے
کس کی رفتار سے پہنچے ہے یہ صدمہ اس کو
دل جو سینے میں پڑا زیر و زبر ہوتا ہے
آپ کو میں ترے ہاتھوں سے لٹایا جس طرح
یوں بھی تاراج کسی شخص کا گھر ہوتا ہے
ہے وہ آغشتہ بہ خوں خاک ترے عاشق کی
سبز جس خاک سے لالے کا شجر ہوتا ہے

دیکھ آتا ہوں میں جا کر اسے اس کوچے میں
گر نصیبوں سے کھلا روزن در ہوتا ہے
مصحفی ریختہ اک اور بھی ٹانک اے بےدرد
کہ ترا شعر بہ از سلکِ گہر ہوتا ہے

۲۰۳

ٹکڑے ٹکڑے جو کسی گل کا جگر ہوتا ہے
اس کے صدمے کا مرے دل میں اثر ہوتا ہے
ہے ترے کو میں خبر حشر کے ہنگامے کی
پر میں کیا جانوں یہ ہنگامہ کدھر ہوتا ہے
کیا کہوں ہائے مری جان نکل جاتی ہے
جب شبِ وصل کا آغاز سحر ہوتا ہے
میری تربت پہ جو تم آؤ تو کچھ دور نہیں
ایک عالم کا ادھر سے بھی گزر ہوتا ہے
کتنے گردن زدنی سر سے گزر جاتے ہیں
نیمچہ جب کبھی واں زیبِ کمر ہوتا ہے
وہ جو اٹھتا ہے بگولا ترے کوچے سے کبھو
اس کے پردے میں کوئی خاک بہ سر ہوتا ہے
کب قمر کو ترے رخسار سے تشبیہ میں دی
عبث آزردہ تو اے رشکِ قمر! ہوتا ہے
کن نے دیکھا، جو میاں پھول سا مکھڑا تیرا
دیکھتا ہوں عرقِ شرم سے تر ہوتا ہے
میں یہ حیران ہوں کہ اس اجڑے نگر میں یا رب
کیوں کہ آباد کسی شخص کا گھر ہوتا ہے

دل کو اپنے تو میں دیکھوں ہوں کہ یہ مثلِ صبا
خوار پھرتا ہے پڑا ، خاک بہ سر ہوتا ہے
مصحفی عزمِ سفر ہی تجھے رہتا ہے میاں
تُو تو چلتا نہیں جب وقتِ سفر ہوتا ہے

۴۰۴

آگے ہستی کے تری ، ہستیِ عالم کیا ہے
گل جہاں جلوہ کرے ، قطرۂ شبنم کیا ہے
میں اُسی کشتے کا کشتہ ہوں کہ وہ ذبح کے وقت
کھول کر آنکھیں کہے خنجر بے دَم کیا ہے
وقتِ رخصت مرے یاروں نے مرے قاتل سے
یہ نہ پوچھا کہ مرے زخم کا مرہم کیا ہے
معنی محرم کے نہ ہر ایک سے تو پوچھا کر
ابھی لڑکا ہے تو ان باتوں سے محرم کیا ہے
جو مرے جی پہ گزرتی ہے سو جی جانے ہے
تجھ کو اس بات کا غم اے دل بے غم! کیا ہے
اس نے چھیڑا نہیں کچھ تجھ کو مری آہ کے ساتھ
کیوں اُلجھتا ہے عبث طرۂ پُر خم کیا ہے
مصحفی اس کی رکھائی ہی سے جی ڈرتا ہے
مہرباں ہووے جو وہ ہم پہ تو پھر غم کیا ہے

۴۰۵

تصور تیری صورت کا مجھے ہر دم ستاتا ہے
کبھو پاس آئے ہے میرے کبھو پھر بھاگ جاتا ہے
خدا جانے تجھے اس کی خبر ہے یا نہیں ظالم
کہ وہ اک آن میں کیا کیا سمیں مجھ کو دکھاتا ہے

بلائیں اس کی میں لیتا ہوں چٹ چٹ اٹھ کے جس ساعت
مری چالاکیوں کو دیکھے ہے اور مسکراتا ہے
جو اُٹھتا ہوں تو کہتا ہے کدھر جاتا ہے ؟ ایدھر آ
جو بیٹھوں ہوں تو کہتا ہے کہ میں جاتا ہوں ، آتا ہے
جو روتا ہوں تو کہتا ہے تو کیوں روتا ہے دیوانے
جو سر زانو پہ رکھتا ہوں تو ہاتھوں سے اٹھاتا ہے
جو جاگوں ہوں توکہتا ہے کہیں اب سو بھی رہ ناداں
جو سوتا ہوں تو چٹکی لے کے اک دل میں جگاتا ہے
کبھی ہو جائے ہے غائب نظر سے بات کے کہتے
کبھی پھر سامنے ہو کر کھڑا باتیں بناتا ہے
کبھی دکھلائے ہے پنڈے کا لطف اور گات کا عالم
کبھی نزدیک آ ، بالوں کی اپنے بو سنگھاتا ہے
غرض اے **مصحفی** ! میں کیا کہوں شب تا سحر یوں ہی
نہ اُس کو چین آتا ہے ، نہ مجھ کو چین آتا ہے

۴۰۶

قاصد نویدِ وصل زبانی ہے یار کی
یا تو کہے ہے بات بنا اُس کے پیار کی ؟
تقریب طرفہ ہے یہ ملاقات کے لیے
کم بخت آ کے سیر تو کر لالہزار کی
بس تو نے اپنے منہ سے جو پردہ اٹھا دیا
حسرت نکل گئی دل امید وار کی
اُٹھا ، گیا فلک پہ ، گرا ، خاک میں ملا
آخر ہوئی یہ شکل ہمارے غبار کی

گر دیکھیے تو آئنہ قد نما کی شکل
صورت میں بن رہا ہوں تمام انتظار کی
یہ اضطراب اس کو دلا ہے سبب نہیں
مرغِ قفس کو کچھ تو خبر ہے بہار کی
دلّی سے ہم ہوا نکلے تو آوارہ ہو گئے
صورت نہ دیکھی پھر کے اس اجڑے دیار کی
گو سرخی ہر طرف ہوئی ، پردے ہوئے سفید
آنکھوں سے تہہ سی نکلے ہے اب تک خمار کی
افسوس اک یہی ہے کہ یاروں سے بعدِ مرگ
تعمیر ہو سکی نہ ہمارے مزار کی
مجنوں ادھر تو دیکھ کہ یہ آہوانِ دشت
تکتے ہیں راہ تیرے ہی محمل سوار کی
پہنچا نہ اک ستارہ بھی فریاد کو مری
میں نے شبِ فراق میں کتنی پکار کی
تو خاکِ راہ کو بھی نہ ٹھکرا کے چل دلا
شاید کہ خاک ہو نہ کسی کے مزار کی
ساقی تو چل چمن میں کہ پُر دلفریب ہے
آواز باغباں کی ، صدا آبشار کی
آتا ہے جی میں دیدۂ انجم پہ پھینک دوں
اک مشتِ خاک لے کے تری رہ گزار کی
درِ یتیمِ اشک کو دکھلاؤں تو ابھی
شیخی ہو کرکری گہرِ آبدار کی
سینے میں میرے حشر بپا تھا تمام رات
کیا شوخیاں کہوں دلِ پُر اضطرار کی

ق

سارے حصولِ زر کے جب اسباب جل گئے
ناچار ہم نے شاعری ہی اختیار کی

اس پر بھی دیکھتے ہیں تو ہم ساتھ ہے وہی
ہر اک سخن پہ کج روشی روزگار کی

کرتا ہوں دید گلشنِ گیتی کی مصحفی
مجھ کو تو آرزو ہے نہ گل کی ، نہ خار کی

۴۰۷

رکھ کے ہم زانو پہ جس وقت کہ سر بیٹھ گئے
یہ سمجھ لیجو کہ ہمسایوں کے گھر بیٹھ گئے

مجلسِ غیر میں گزرے جو کبھو تو ہٹ کر
وہ اُدھر بیٹھ گئے اور[۱] ہم ادھر بیٹھ گئے

منہ پہ چڑھنے کا نہیں پھر کوئی اس محفل میں
ہو کے جس وقت کہ ہم سینہ سپر بیٹھ گئے

بس کہ گل برگ سے رکھتے تھے ٹک اک سنگینی
رات پانی میں مرے لختِ جگر بیٹھ گئے

خبر ان منتظروں کی بھی تجھے پہنچی ہے کچھ
جو سرِ کوچہ ترے دو دو پہر بیٹھ گئے

چرخ آنی نے کی ان ساتھ یہاں تک خنکی
کہ بتاشے کی طرح اہلِ ہنر بیٹھ گئے

ق

ہم تو اس پر بھی خوشی تھے کہ جو آنے گا ہے
پیشِ درتم ہوے اور ہم پسِ در بیٹھ گئے

---
۱ - بروزن فع -

سو تو وہ ربط بھی مطلق نہ رہا کیا کہیے
گھر میں تم جا کے میاں ایسے کدھر بیٹھ گئے
مصحفی گر نہ دبے شان سے اس کی تو بھلا
کیوں اسے دیکھتے ہی شمس و قمر بیٹھ گئے

۴۰۸

آنکھ لڑتے ہی یہ حالت ہم پہ کچھ طاری ہوئی
جس سے گھر آتے ہی آتے زندگی بھاری ہوئی
گر نہ کرتے تم وفا تو ہوتے کیوں اتنا خراب
جان کی دشمن ہماری یہ وفا داری ہوئی
گو کہ میں مارا گیا اے شوخ! تیرے ہاتھ سے
بارے خوں ریزوں میں تیری تو نموداری ہوئی
دل کہیں کھویا کہیں دی جان ناحق عشق میں
جو ہوئی ہم سے سو ایسی ہی زیاں کاری ہوئی
فائدہ کیا ہے جو کیجے یاد اب وہ اختلاط
شک دلوں میں آ پڑے جانوں سے بیزاری ہوئی
آخر عمر آہ دام عشق میں ہم پھنس گئے
وقتِ آزادی ہمیں حاصل گرفتاری ہوئی
در سے اپنے **مصحفی** اس نے ہمیں اٹھوا دیا
آخر آخر عشق کی یہ ذلت و خواری ہوئی

۴۰۹

اس نے کتنوں کو مار آتارا ہے
تیغ کے گھاٹ پار آتارا ہے
اشک نے میرے نخل مژگاں سے
ثمرِ آب دار آتارا ہے

نذر کرنے کو تیرے میں نے جنوں
جامۂ تار تار آتارا ہے
بیٹھ قاتل کہ اپنے ہاتھوں سے
ہم نے سر لاکھ بار آتارا ہے
چت چڑھا ہی رہے ہے پھر بھی وہ حسن
جی سے ہم نے ہزار آتارا ہے
ہم ہوئے ہیں گلے کا ہار وہیں
اُس نے جب اپنا ہار آتارا ہے
تیری اقلیم حسن میں خط نے
لشکرِ زنگبار آتارا ہے
مصحفی دل نہیں یہ سینے میں
یاں کوئی بے قرار آتارا ہے

۴۱۰

بازوے کوہ کن کی تلاشی زمین ہے
تیشے سے بے ستوں کے تراشی زمین ہے
صحرا میں جا کے دیکھ تو تُو چاندنی کا لطف
ہے بادلے[1] کا چرخ تو طاشی زمین ہے
پیدا کیا ہے بہرِ فراخی زمین کو
یا از براے تنگ معاشی زمین ہے
کانٹوں پہ لوٹتے ہیں جہاں تیرے درد مند
سب واں کی وقفِ سینہ خراشی زمین ہے

۱ - بادلہ : (ف) ایک قیمتی کپڑا -

گر بیٹھنے لگوں ہوں میں اس فرش خاک پر
کہتے ہیں یوں ادب سے حواشی زمین ہے
جاڑوں میں ہے یہ رنگ کہ اپنے لحاف کے
بوٹے جو مونگیا ہیں تو ماشی زمین ہے
سن اس نئی غزل کو مری مجھ سے مصحفی
جاہل[1] بھی خوش ہو کہتے ہیں خاشی زمین ہے

۴۱۱

آئی پسند کوے بتاں کی زمیں مجھے
اے کاش بعد مرگ بھی رکھیں یہیں مجھے
چھوٹا ہوں ایک بار تو پھنس کر ابھی، یہ چشم
ڈرتا ہوں میں کہ پھر نہ پھنساوے کہیں مجھے
کل سیر باغ کو میں گیا تھا، سو کیا کہوں
کتنا کیا ہے خندۂ گل نے حزیں مجھے
مضمون یاس و معنی حسرت کو مجھ سے پوچھ
صحبت رہی ہے با دل اندوہ گیں مجھے
دن وہ ہی خوب تھے جو کیا تھا بہار میں
با ساکنان کنج قفس ہم نشیں مجھے
تلوار میرے قتل کو مت لا کہ جوں چراغ
ہے درد بس ہے جنبش یک آستیں مجھے
کھاتا ہے تاب شمع کا شعلہ جو باد سے
آتی ہے یاد یار کی چین جبیں مجھے
اس گلستاں میں صحبت بلبل کے رشک نے
جانے دیا نہ سایۂ گل کے قریں مجھے

---
۱ - پاجی : پ (حاشیہ) -

معشوق یوں جو چاہے کہے مجھ کو مصحفی
عاشق تو جانتے ہیں سبھی پاک ہیں مجھے

۴۱۲

اُٹھ گیا زیست کے کرنے کا مزہ دنیا سے
کیا کہیں اپنا بھی اب دل ہے خفا دنیا سے
نامہ بر میں تو چلا پر تُو آسے کہہ دیجو
آرزو مند ترا آج گیا دنیا سے
ہم بڑا مرد سمجھتے ہیں اسی کو واللہ
بیچ دنیا کے جو آزاد رہا دنیا سے
جائے یک لحظہ اقامت نہیں یہ خاک سیاہ
کون آیا نہ کہ جوں سیل چلا دنیا سے
گرچہ اربابِ تمنا کی طرح میرے تئیں
بیش و کم مشغلہ اک عمر رہا دنیا سے
لیکن آخر کو جو دیکھا کفِ افسوس سوا
مصحفی اپنے نہ کچھ ہاتھ لگا دنیا سے

۴۱۳

کس چاؤ سے دل کا مرے ارمان نکل جائے
سر قدموں پہ رکھتے ہی اگر جان نکل جائے
ہے جائے تعجب کہ خبر دل کو نہ ہو اور[۱]
پہلو سے ترے تیر کا پیکان نکل جائے
اس کوچے سے آوارہ ہوا یوں میں سفر کو
جس طرح کوئی بے سرو سامان نکل جائے

۱ - بر وزن فع -

ہووے نہ خبر قیس کو اس دشت میں ہے ہے
اور ناقۂ لیلٰی کئی میدان نکل جاے
خمیازہ نہ اس طرح سے لے ، مجھ کو یہ ڈر ہے
کُھنی نہ تری اے بتِ نادان ! نکل جاے
جب تجھ سے پری جلوہ سے ہو چشم مقابل
صحرا کو نہ کس طرح سے انسان نکل جاے
اس کُو سے نکلنے کا نہیں مصحفی جیتا
خاک اس کی مگر ہو کے پریشان نکل جاے

۴۱۲

منھ سے ترے 'مرہبی' جو مری جان نکل جاے
مرتے ہوئے جی کا مرے ارمان نکل جاے
دیکھے جو ترے جامۂ چسپاں کو چمن میں
گل کر کے ابھی چاک گریبان نکل جاے
تیر اس کا مرے دل سے نہ نکلے تو نہ نکلے
لیکن یہ کسو طرح سے پیکان نکل جاے
اے آئنہ کر اس کو ٹک اک چشم نمائی
شاید کجیِ زلفِ پریشان نکل جاے
ہر چند کہ ہے ہوش ربا صورتِ شیریں
دیکھے تری صورت کو اگر ، جان نکل جاے
مجنوں کو خبر عشق سے لیلٰی کے کہاں ہے
دیوانہ مگر سوے بیابان نکل جاے
کیا مصحفی خستہ کے طالع ہیں صد افسوس
یوں ہاتھ سے اس کے ترا دامان نکل جاے

۴۱۵

کل اُٹھ گیا وہ ہاتھ چھڑا میرے ہاتھ سے
آیا ہوا شکار گیا میرے ہاتھ سے
مہندی کو اپنی دیکھ کے کہنے لگا وہ شوخ
ہے ہے کسی کا خون ہوا میرے ہاتھ سے
دیتا تھا نامہ اس کو میں، نامے کے سہو میں
دل لے گئی اُڑا کے صبا میرے ہاتھ سے
ظالم خدا کے واسطے بیٹھا تو رہ ذرا
ہاتھ اپنے کو نہ کر تو جدا میرے ہاتھ سے
دیں آن نے گالیاں مجھے جس وقت اس گھڑی
کچھ ہو سکا نہ غیر دعا میرے ہاتھ سے
تلواریں تیرے ہاتھ سے کھائی ہیں میں بھلا
ظالم کبھی تو پان تو کھا میرے ہاتھ سے
یارب کبھی وہ دن ہو کہ حلوت میں وہ صنم
کھلوائے اپنے بندِ قبا میرے ہاتھ سے
اس سنگ دل کو جا کے دکھاؤں گا مصحفی
ٹوٹا ہوا جو شیشہ گیا[1] میرے ہاتھ سے

۴۱۶

لت اُس بتِ کافر کی ملاقات نئی ہے
ہر وقت میں ہر آن میں یاں[2] بات نئی ہے
پانی کی جگہ برسے ہے خوں آنکھوں سے میری
سچ پوچھو جو مجھ سے تو یہ برسات نئی ہے

۱ - بنا : ح -
۲ - ہر آن یہاں : ح -

سو ٹکڑے ترق کر کے ہوا صبح کا سینہ
میں تم سے نہ کہتا تھا کہ یہ گت نئی ہے
ہے شوق ز بس اس کے تئیں معنیِ نو سے
جب دیکھو طبیعت مری دن رات نئی ہے
اے مصحفی! رک مت تو الگ رہنے سے اس کے
کیوں تجھ سے ابھی اس کی ملاقات نئی ہے

۴۱۷

کوچے میں اس کے جو کوئی جی کھو کے جا سکے
دل کے مرے خبر وہی جاں باز لا سکے
ہر چند گل ہو دست زلیخا سے شوخ تر
دامن کو اس کے ہاتھ تو اپنا لگا سکے
قدرت یہ کس مصورِ جادو رقم میں ہے
یہ خال و خط یہ چہرہ یہ نقشہ[1] بنا سکے
ہے اس کے آبِ تیغ میں اعجاز عیسوی
لاکھوں کو ایک دم میں جو چاہے جلا سکے
گر رنگ و بو سے اپنے[2] ہو ٹک اس کو آگہی
گل اپنے پیرہن میں نہ پھولا سما سکے
مجھ سے تو سوزِ آہ کا اخفا نہ ہو سکا
اے دل! تو داغِ غم کو چھپا، گر چھپا سکے
بلبل اڑے تو مجھ سے جب اس گلستاں کے بیچ
نالے کے میرے طرز تو پہلے اڑا سکے
آتا ہے سامنے سے وہ بنیے کا مصحفی
سودا ہے مفت ایسے میں گر جی چلا سکے

---

۱ - یہ زلفیں : ح -	۲ - اتنی ہو : ح -

۴۱۸

جس سے امید وفا تھی بے وفائی اُس نے کی
آشنائی کر کے پھر نا آشنائی اُس نے کی

شوق فندق باندھنے کا جب تجاوز کر گیا
رفتہ رفتہ پور پور اپنی حنائی اُس نے کی

ہاتھ گر آوے تو میں شانے کے سو ٹکڑے کروں
پھر تری زلفوں میں سنتا ہوں رسائی اُس نے کی

بت بنایا تھا خدا نے اُس کو پھر اس پر بھی ہائے
کبریائی پر جو وہ آیا ، خدائی اُس نے کی

یہ کہا تھا ہم نے اُس کو بیٹھ غیروں سے جدا
ہم سے اتنی بات پر یارو جدائی اُس نے کی

جب ہوا فرقت کے مارے حال مجنوں کا تباہ
کاسہ لے کر کوے لیلیٰ میں گدائی اُس نے کی

نالہ و فریاد سے اس شب جو چپ ہے مصحفیؔ
درد دل کی کچھ نہ کچھ شاید دوائی اُس نے کی

۴۱۹

کچھ حیا آنکھوں میں ہے اُس کی تو کچھ پیار بھی ہے
کچھ تغافل ہے تو کچھ لطف کا آثار بھی ہے

وعدۂ قتل پہ رکھتا ہوں دل اپنے کو میں شاد
کہ اسی وعدے میں اک وعدۂ دیدار بھی ہے

یوں جو پھرتا ہے تو گلیوں میں پڑا ہوتا خوار
دل بد بخت کوئی تیرا خریدار بھی ہے ؟

ہے غضب ایک تو کھائے ہیں تری تیغ کے زخم
تس پہ اس سر کو ہوائے گل و گلزار بھی ہے

شمع کی طرح سے حسن آس بت ہرجائی کا
رونق خانہ ہے اور[1] رونق بازار بھی ہے
کفر اور دیں میں تغایر نہیں گر دیکھے خوب
ساتھ تسبیح کے دانوں کے تو زنّار بھی ہے
داغ غم ایسے میں دونوں کو دکھا لے اے دل!
لالہ[2] زرد ہے اور نرگس بیمار بھی ہے
باغ کی سمر کو جاتے ہو جو ہمراہ رقیب
ساتھ خدمت میں[3] تمھارا یہ گنہگار بھی ہے
مصحفی کوے بتاں ہی میں تو چل رہ کہ میاں
واں ہوا ٹھنڈی ہے اور سایۂ دیوار بھی ہے

۴۲۰

جب کبھی صید افگنی کو وہ صنم چڑھ جاے ہے
کوہ پر ہر ایک آہو کرکے رم چڑھ جاے ہے
ضعف اس تک جاتے ہم کو سو جگہ مانع ہوا
ہر قدم پر جوں دمے والے کا دم چڑھ جاے ہے
رات کالی ہجر کی کالے سے ہرگز کم نہیں
دیکھتے ہی جس کی صورت ہم کو سم چڑھ جاے ہے
کر دیے گریے نے نرم اجزاے تن اپنے تمام
موسم باراں میں جوں کاغذ پہ نم چڑھ جاے ہے
دل کے آئینے کی ہم لیتے ہیں ہے ہے تب خبر
اس پہ جب دو دو ورق یہ زنگ غم چڑھ جاے ہے
مار رکھتا ہے وہ اس کو مصحفی اک تیر میں
شست پر جب اس کی آہوے حرم چڑھ جاے ہے

۱ - بر وزن فع - ۲ - ک : ح -

۴۲۱

جب شب غم اشک سرخ اپنے کا یم چڑھ جائے ہے
تا خم نیل فلک رنگ بقم[۱] چڑھ جائے ہے

جوش پر آتی ہے جس دم اس کی سیل آب تیغ
قلزم بیداد و دریائے ستم چڑھ جائے ہے

یا وہ طاقت تھی کہ ہم جاتے تھے اُس تک دوڑ دوڑ
یا یہ حالت ہے کہ دم لینے میں دم چڑھ جائے ہے

منہ سے کف آنے لگے ہیں یوں ترے بیمار کے
سانپ کے کاٹے ہوئے کو جیسے سم چڑھ جائے ہے

[۲]قلعہ گردوں کو جس دم جا نگے[۳] ہے فوج اشک
نالہ میرا دوش پر لے کر علم چڑھ جائے ہے

یارو پابلیاں[۴] کہوں کیا اپنے طفل اشک کی
یہ تو جنتر[۵] پر فلک کے ایک دم چڑھ جائے ہے

آگ دیتا ہوں میں نالے کے قلم کو جس گھڑی
اوج[۶] گردوں پر تڑپ کر یک قلم چڑھ جائے ہے

---

۱ - بقم : (ع) مجیٹھ - فارسی میں بہ تخفیف قاف مستعمل ہے - اس لکڑی سے سرخ رنگ نکلتا ہے - (لغات کشوری ، صفحہ ۷۱ و نصیر اللغات صفحہ ۷۳ و فرہنگ عمید صفحہ ۲۷۳)

۲ - نسخہ لاہور و حیدر آباد میں نہیں -

۳ - اصل : حاکی -

۴ - پابلیاں : (پا + بل = پیر کی طاقت ؟)

۵ - جنتر - (س) مذکر - ۱ - آلہ ، اوزار ، آلہ جر ثقیل - (نوراللغات جلد ۲ صفحہ ۴۳۵)

۶ - تڑپ کر اوج فلک پر یہ قلم : ح ، ل -

کیسی گھبرائی ہے لیلیٰ راہِ صحرا بھول کر
نجد[1] پر گر ناقہ اس کا دو قدم چڑھ جاے ہے
مصحفی قائل ہوں میں معشوق کا تیرے میاں
خوب رو ایسا کسی کی نظروں کم چڑھ جاے ہے

۴۲۲

جب ترا ماتھا غضب سے اے صنم! چڑھ جاے ہے
کہیے کچھ تو اور بھی بھوں پے ستم چڑھ جاے ہے
پا نہیں سکتا وہ اپنے[2] رتبہ پرواز کو
اُڑتے اُڑتے طائرِ سدرہ کا دم چڑھ جاے ہے
آہ پر لختِ جگر کی کیا کہوں جاں بازیاں
ہر مشعبد[3] بانس پر اس طرح کم چڑھ جاے ہے
وہ سپہ سالار ہے نالہ مرا جو دم بدم
آسماں پر لے کے فوجِ درد و غم چڑھ جاے ہے
سانپ کی سی لہر جب گزرے ہے جی میں زلفِ یار
اک پھریری آ کے مجھ کو اس کا سم چڑھ جاے ہے
[4]جلد کر یوسف کا سودا اے زلیخا! جلد کر
مول لیتے لیتے ایسے ہی رقم چڑھ جاے ہے
[5]غیر کیا کیا کرتے ہیں گلیوں میں پھیرے مصحفی
اپنے ہتھے گر کسی شب وہ صنم چڑھ جاے ہے

---

۱ ۔ نجد پر ناقہ جو اس کا ۔
۲ ۔ میرے : ح ۔
۳ ۔ مشعبد : شعبدہ باز ۔
۴، ۵ ۔ ن ۔ ح میں نہیں ۔

۴۲۳

دیکھ تو ہم میں غمِ عشق نے کیا رکھّا ہے
بے وفائی نے تری جی کو جلا رکھّا ہے
تیرہ بختی کا اثر دیکھیو اُس نے ہے ہے
بالوں میں چاند سے مکھڑے کو چھپا رکھّا ہے
عید کے دن بھی تو ہم سے نہ ملا تو، ہم نے
زہر بازار سے آگو ہی منگا رکھّا ہے
میں تو ان لوگوں سے بھاگے تھا ولے کیا کیجے
اُس کی باتوں نے مرے دل کو لبھا رکھّا ہے
جس شب آیا نہیں تو دل کی تسلی کے لیے
لے کے خنجر کو میں پہلو میں سلا رکھّا ہے
پھاڑ کر اپنے گریبان کو ہم نے تجھ بن
آ کے تو دیکھے تو اک سانگ بنا رکھّا ہے
جب فسوں سازی پہ آئے ہیں وہ لعلِ شیریں
راہ جاتوں کو بھی باتوں میں لگا رکھّا ہے
قفس اور دام تو کچھ مانعِ پرواز نہ تھا
ہم کو صیاد کی الفت نے پھنسا رکھّا ہے
کس کا وعدہ ہے میاں مصحفی تم سے یہ کہو
آج دروازے کو کیوں تم نے کھلا رکھّا ہے

۴۲۴

پیری میں بھی ہم الفتِ طفلاں سے نہ چھوٹے
لکھ پڑھ چکے تس پر بھی دبستاں سے نہ چھوٹے
پہلے ہی مسی تو نے لگائی ہے، مزہ ہو
گر رنگ مسی کا ترے دنداں سے نہ چھوٹے

ہر ایک نے کھینچا ہمیں اپنی ہی طرف کو
ہم کشمکشِ گبر و مسلماں سے نہ چھوٹے

ہر چند کہ دھویا بہت اس دیدۂ تر نے
پر خون کے داغ اپنے گریباں سے نہ چھوٹے

ناداں نہ گرہ زلف کی وا کر کہ، غضب ہے
یہ سانپ لپٹ کر جو زنخداں سے نہ چھوٹے

کیا ہم سے اسیروں کو خوشی عید کے دن کی
زندانیِ اُلفت کبھی زنداں سے نہ چھوٹے

دل چھوٹے تو چھوٹے ترے پیکاں سے ہمارا
پر خون کی سرخی کبھی پیکاں سے نہ چھوٹے

کیا جانے کس الجھیڑے میں وہ پڑگئے ہوں گے
جو پھنس کے تری زلفِ پریشاں سے نہ چھوٹے

کب سیرِ چمن کو نہ گیا یار تو کس روز
فوّارۂ خوں دیدۂ گریاں سے نہ چھوٹے

کیا جانیے کیا گزری گرفتاری میں اُن پر
جو دامِ بلائے شبِ ہجراں سے نہ چھوٹے

داماں کو تو اپنے نہ جھٹک ہاتھ سے میرے
یہ ہاتھ وہ ہے جو کبھی داماں سے نہ چھوٹے

کیا دل کے کبوتر کا کروں ذکر میں ظالم
شہباز ترے چنگلِ مژگاں سے نہ چھوٹے

اے مصحفی! ہوتا ہے برا عشق کا لپکا
مشکل ہے یہ عادت اگر انساں سے نہ چھوٹے

۴۲۵

نہ دوستی ، نہ محبت ، نہ دلبری دیکھی
جو کچھ کہ دیکھی میں اُس سے ستمگری دیکھی
کٹاریاں سی لگیں میرے اس گھڑی جس وقت
میں اُس کے پاؤں میں شلوار خنجری دیکھی
اسی سبب، تو پریشاں رہا میں دنیا میں
کہ سالہا تری زلفوں کی ابتری دیکھی
کیا ہے دعوئ ہمچشمی اس سے نرگس نے
کنیز شوخ کی تم نے برابری دیکھی
اٹھا میں سوتے سے یوں صبح دم سراسیمہ
کسو نے جیسے کہ شب خواب میں پری دیکھی
رہے جہان میں جب تک کہ ہم خراب رہے
مدد فلک کی ، نہ طالع کی یاوری دیکھی
ہوا جو مصحفی گھر بار تج کے گوشہ نشیں
اسی میں اس نے مگر اپنی بہتری دیکھی

۴۲۶

نالے مرے ہر چند اثر کچھ نہیں رکھتے
لیکن جو سنو تم تو ضرر کچھ نہیں رکھتے
ہوتا ہے جو ہم پاس اٹھا دیتے ہیں ووں ہی
ہم خانہ بر انداز تو دھر کچھ نہیں رکھتے
ملتا ہے جو شام اس کو سمجھتے ہیں غنیمت
آزادہ دلاں فکر سحر کچھ نہیں رکھتے
ڈھونڈو نہ کوئی ہم سے غرض غیر تواضع
ہم بید ہیں گل اور ثمر کچھ نہیں رکھتے

[۱]ہو جاتے ہیں اس کی صفِ مژگاں کے مقابل
ہر چند کہ ہم جان و جگر کچھ نہیں رکھتے

[۲]کیا دوڑیں ہیں منہ پر ترے کافر مرے دیدے
ہے ہے تری مژگاں سے خطر کچھ نہیں رکھتے

[۳]اتنے ہیں ز خودرفتہ کہ اب یاد میں اس کی
ہم اپنے بدن کی بھی خبر کچھ نہیں رکھتے

[۴]کہہ دیتے ہو تم غیر سے گر باتیں ہماری
جاؤ جی ہم ان باتوں کا ڈر کچھ نہیں رکھتے

[۵]کس طرح سے منزل کے تئیں پہنچیں گے یارب
پاس اپنے تو ہم زادِ سفر کچھ نہیں رکھتے

[۶]عشق ان کو ہے جوہری طرح حسن بتاں سے
جز بندگی منظور نظر کچھ نہیں رکھتے

نرگس کی طرح اس چمنِ دہر میں ساقی
ہم اور بجز ساغرِ زر کچھ نہیں رکھتے

اتنا بھی حقارت سے میاں ہم کو نہ دیکھو
اک دل تو ہے ہم پاس، اگر کچھ نہیں رکھتے

اے مصحفی! ہم اب بھی ہیں دشمن پہ تو بھاری
ہر چند کہ شمشیر و سپر کچھ نہیں رکھتے

۴۲۷

جس گھڑی یاد وہ زلف و کمر آ جاتی ہے
جی میں سودے کی سی کچھ اک لہر آجاتی ہے

رتبۂ آہ نہیں داغِ جگر کو لیکن
گاہ گاہ اس سے بھی بوے اثر آ جاتی ہے

۱ تا ۶ - یہ اشعار ن - ح میں نہیں -

گرچہ بیزار ہے وہ مجھ سے پہ بیٹھے بیٹھے
کچھ ہنسی اس کو مرے نام پر آ جاتی ہے
یاد کر آن در دنداں کو جو روتا ہوں کبھو
روبرو آنکھوں کے سلکِ گہر آ جاتی ہے
اس کا منہ دیکھے ہے صیاد قفس کے نزدیک
گر کوئی بلبلِ بے بال و پر آ جاتی ہے
کس طرف جاؤں کہ افعی کی طرح زلف سیاہ
خواب میں آ کے مجھے شب کو ڈرا جاتی ہے
گرچہ وہ جست نہیں اشک میں میرے تو بھی
بوند اک آدھ برنگِ شرر آ جاتی ہے
اس قدر محوِ خور و خواب نہ رہ اے غافل!
با خبر رہ کہ اجل بے خبر آ جاتی ہے
مصحفی ایک غزل اور بھی لکھ جاتا ہوں
طبع اس وقت مدد پر اگر آ جاتی ہے

۴۲۸

تازہ ترکیب کوئی جب نظر آ جاتی ہے
آفت اک تازہ مری جان پر آ جاتی ہے
گرہِ زلف کو جس وقت کہ دیتا ہے وہ کھول
سانپ کی طرح وہیں تا کمر آ جاتی ہے
کیا اسیرانِ قفس میں بھی خوشی ہوتی ہے
جب کبھو باغ سے بادِ سحر آ جاتی ہے
جنبشِ زلف کا مکھڑے پہ کہوں کیا عالم
گہ ادھر جاتی ہے، گاہے اُدھر آ جاتی ہے

گھر سے نکلوں ہوں میں جب کرکے تصور اس کا
اس کی تصویر وہیں پیش در آ جاتی ہے
کس کی تصویر ہے یہ ، کوئی اسے سمجھاؤ
سامنے بال کھلے بے خطر آ جاتی ہے
گر دکھاتے ہیں ابھی خاک کو اکسیر کے رنگ
اس طرف اپنی طبیعت اگر آ جاتی ہے
مصحفی واسطے قاصد کے نہ اتنا گھبرا
آج کل اس کی گلی سے خبر آ جاتی ہے

۲۲۹

خط کھینچے تو نے مجھ پر تحریر کیا نکالی
زخموں سے خوں میں ابکا[1] تصویر کیا نکالی
عاشق تو کیوں ہوا تھا تقصیر کیا نکالی
خنجر سے سر کو کاٹا تعذیر کیا نکالی
وہ قتل کو جو میرے آیا تو خلق بولی
اس ناتواں پہ تم نے شمشیر کیا نکالی
دے چھوڑ کام اپنے تقدیر پر تو سارے
کم طالعی نے میری تدبیر کیا نکالی
الٹا مرے جگر کو یہ تو لگا جلانے
نالے نے ان دلوں میں تاثیر کیا نکالی
بل دے کے لیف خرما[2] مجنوں کے پاؤں باندھے
سستی نے طالعوں کی زنجیر کیا نکالی

---

۱ - ابکنا ، ابکانا : نکالنا - چرانا -
۲ - لیف خرما : (ع) پوست درخت خرما -
(عربی لغات فیروزی ، صفحہ ۲۱ ، طبع لاہور ۱۹۱۸ع)
(فرہنگ عمید، صفحہ ۱۰۲۳ ، طبع تہران)

گلیوں میں **مصحفی** کو دیوانہ کر پھرایا
اس عشقِ فتنہ گر نے تشہیر کیا نکالی

۴۳۰

رونق، بہارِ حسن تمھارا ہمیں سے ہے
جو کچھ کہ ہے بناؤ یہ سارا ہمیں سے ہے
آتی ہے دوڑی خلق ہمارے ہی رشک پر
عالم کا اس گلی میں گزارا ہمیں سے ہے
گر ہم نہ ہوں تو کون کرے سیرِ کائنات
دو دم کی زندگی کا نظارا ہمیں سے ہے
آغوشِ مدعی میں تو رہتا ہے ساری رات
اے بحرِ حسن! تجھ کو کنارا ہمیں سے ہے
دیتا نہیں وہ اٹھنے کی تکلیف غیر کو
نظروں میں ہر گھڑی یہ اشارا ہمیں سے ہے
ہم کیوں نہ اس کی گردشِ رو کا کریں گلہ
برگشتہ ان دنوں یہ ستارا ہمیں سے ہے
شب **مصحفی** کی شان میں کہتا تھا یوں وہ شوخ
برسہ[1] کی بازی آج وہ ہارا ہمیں سے ہے

۴۳۱

ملنا ترا اغیار سے منظور کسے ہے
پر تجھ سے کہے اتنا، یہ مقدور کسے ہے
وہ جی میں یہ نازاں کہ مرا رعب تو دیکھو
میں خوش کہ خیالِ گلہ دور کسے ہے

۱۔ برسہ: شطرنج کا ایک داؤ۔

پوچھا جو مرا قصہ کسی نے تو وہ ہنس کر
یوں کہنے لگا "یاد یہ مذکور کسے ہے"

کیا حور کا مذکور تو کرتا ہے ہمیشہ
چل دور ہو زاہد، ہوسِ حور کسے ہے

گو نالہ کرے شب کو پڑا گو تو کراہے
پرواہ تری اے دلِ رنجور! کسے ہے

تو مائلِ عشاق کشی ہے تو یہاں بھی
جینے کی طمع اے بتِ مغرور! کسے ہے

موسیٰ سے ہزاروں ہیں یہاں مصحفی لیکن
سودائے تجلی کدۂ طور کسے ہے

۲۳۲

صورت عرق میں ہے یہ رخِ پر حجاب کی
بھیگی ہو جیسے اوس میں پتی گلاب کی

ایسی جھمک ہے حسن میں تیرے کہ دور سے[1]
آنکھوں میں آ سماوے ہے سرخی نقاب کی

یہ کیا غضب ہے ہائے کہ بجلی کی کوند میں
نکلے ہے ٹھیک شکل مرے اضطراب کی

جاتے ہی یہ[2] تو تیرے میاں لٹ کھسٹ گیا
کیا شکل ہو گئی دلِ خانہ خراب کی

اے آہِ گرم! دل کو تو پہنچا نہ ہووے داغ
سینے سے آج بو مجھے آئی کباب کی

---

۱ - ن - ح میں یہ شعر زائد ہے:
مہ کس شمار میں ہے کہ ایسے جلال پر
جلتی ہے تیرے حسن سے نگہ آفتاب کی (کذا)

۲ - تیرے یہ تو: ح۔

آئی پسند مجھ کو بہت ، میں نے مصحفی
دیوان سے ترے یہ غزل انتخاب کی

۲۳۳

یہ نہ سمجھو کہ سحر چاک گریباں ہووے
سو قباحت ہیں جو وہ زلف پریشاں ہووے
کاش آزاد کرے مجھ کو قفس سے صیاد
خاصتہ جب موسم گلگشت گلستاں ہووے
بے طرح برق اکڑتی ہے دموں پر اپنے
کہیں ایسے میں تری تیغ بھی[1] عریاں ہووے
حسن ایسا ہی دیا ہے تجھے سبحان اللہ
آئنہ کیوں نہ تری شکل کا حیراں ہووے
اس دم تیغ پہ ہیں یوں مرے خوں کے قطرے
جیسے دریا میں لب آب چراغاں ہووے
کاش وہ دن تو دکھاوے مجھے اے جوش جنوں!
کہ میں آوارہ ہوں اور[2] کوہ و بیاباں ہووے
رنگ فندق نے ترے خون کیا ہے میرا
چاہیے تو بھی اب انگشت بہ دنداں ہووے
اے کماں دار! میں ہوں صید زبوں ، میرے پر
تیر وہ پھینکیو جو بے پر و پیکاں ہووے
ایسے جینے سے تو جی اپنا بتنگ آیا ہے
کہیں یہ محنت دشوار بھی آساں ہووے
ہے صنم رخ سے ترے نور تجلی پیدا
دیکھے کافر جو تری شکل ، مسلماں ہووے

۱ - نہ : ح -   ۲ - بر وزن فع -

جان کھایا[1] ہے مرا عشق کی بے تابی نے
یا الٰہی نہ کوئی دشمنِ انسان ہووے

خوں کی کیا قدر ہے میرے جومیں قربان کروں
رنگِ گل رنگ کفک پر ترے قربان ہووے

جرس قافلہ کہتا ہے کہ اب میرے سوا
کوئی اس قافلے میں اور نہ نالاں ہووے

موج مارے ہے مرا خوں ترے کوچے میں ہنوز
تا کسی طرح سے تیرا زہ داماں ہووے

ہمت اپنی ہے کہیں ہمتِ حاتم سے پرے
بخش دیجے ابھی گر ملکِ سلیماں ہووے

مصحفی اس کی گلی میں تو بہت جاتا ہے
میں یہ ڈرتا ہوں کہ کچھ تجھ پہ نہ بہتاں ہووے

۳۳۴

لباسِ سرخ میں کافر بھبوکا[2] بن کے آیا ہے
کسی کا گھر جلاوے گا جو لوکا[3] بن کے آیا ہے

شبیہِ مہر و مہ کو تہ کیا ہے پیرِ گردوں نے
ورق جب اس کی تصویرِ دو رُو کا بن کے آیا ہے

مقابل آج ہونے دو ہمیں کو اس کے اے یارو!
کہ تیغا اس گھڑی اس جنگجو کا بن کے آیا ہے

ورق زانو پہ رکھے اب تلک حیران ہے مانی
ز بس نقشہ درست اس ماہ رو کا بن کے آیا ہے

---

۱ - جان کھاتی ہے مری : ح -
۲ - بھبوکا : (ہ) سرخ انگارہ -
۳ - لوکا : (ہ) مذکر - آگ کا شعلہ ، آنچ -
(نوراللغات ، ج ۴ ، صفحہ ۱۲٦)

خدا کے واسطے مت مصحفیؔ کو اب تو کچھ کہنا
ترے آگے وہ پُتلا آرزو کا بن کے آیا ہے

۲۳۵

رکا سیب زنخداں تو مرے ہاتھ میں ہے
ضعف دل اپنے کا درماں تو مرے ہاتھ میں ہے

کون کہتا ہے کہ میں اس کو کیا سو ٹکڑے
اب تلک میرا گریباں تو مرے ہاتھ میں ہے

جو میں چاہا کہ چھوؤں، جلدی سے بولا شانہ
دامن زلف پریشاں تو مرے ہاتھ میں ہے

باندھ کر مہندی کی مٹھی وہ کہے ہے سب سے
ہاں دل خستہ دروناں تو مرے ہاتھ میں ہے

دست رس اس کے گریباں پہ نہیں ہے تو نہ ہو
یار کا گوشۂ داماں تو مرے ہاتھ میں ہے

اس کا کیا ڈر ہے جو میں چاہ زنخداں میں گرا
رسن گیسوے جاناں تو مرے ہاتھ میں ہے

دوستو طعنہ نہ دو مجھ کو تہی‌دستی کا
کچھ نہیں اور، گریباں تو مرے ہاتھ میں ہے

طرف ابرو کی میں دیکھوں ہوں تو کہتی ہے مژہ
ناز کا خنجر براں تو مرے ہاتھ میں ہے

آستیں تو نے چڑھالی[1] تو ہوا کیا قاتل
یہ ترا دامن افشاں تو مرے ہاتھ میں ہے

---

۱ - چڑھائی: ح -

ہاتھ اپنے دلِ نالاں پہ دھرے رہتا ہوں
شکر ہے یہ دلِ نالاں تو مرے ہاتھ میں ہے
مصحفی کیوں کہ عدو دعویٰ تسخیر کرے
خاتمِ دستِ سلیماں تو مرے ہاتھ میں ہے

۴۳۶

سو مفر ہیں اس کے ، گر کوئی بلا پیچھے پڑے
کس طرف جاوے ، جو بندے کے خدا پیچھے پڑے
ہم‌نشیں بہر خدا کا کل ہی کا کر اس کی ذکر
تیری باتوں سے مرا دل تو ذرا پیچھے پڑے
بال ان زلفوں کے عارض کے ہوے جی کے وبال
آشنا کے جیسے کوئی آشنا پیچھے پڑے
بس کہ وہ کاندھے پہ ڈالے ان کو پھرتا ہے مدام
ان دنوں رہتے ہیں وہ بندِ قبا پیچھے پڑے
میں کفِ افسوس ملتا ہوں اسی غم سے کہ ہاے
نازنیں تجھ سے کے یوں جعدِ دوتا[1] پیچھے پڑے
تم سے میں پوچھوں ہوں پھر وہ بھاگ کے جاوے کہاں
دوستو جس کے فلک کا اژدہا پیچھے پڑے
جعد سے اپنی ہو جس کو بیکلی شام و سحر
کیا غضب[2] لاوے اگر آہِ رسا پیچھے پڑے
جو سبک رو عشق کی وادی میں ہیں ان کا سراغ
خاک بھی پاوے نہ گو بادِ صبا پیچھے پڑے
اس نے پھر کر بھی نہ دیکھا سایہ ساں اے مصحفی!
اس بتِ کافر کے ہم تو بارہا پیچھے پڑے

۱ - زلف دو تا : ح - ۲ - عجب : ل -

۴۳۷

ہاتھ میں لے کے وہ جب تیغ و سپر نکلے ہے
زخمی ایک آدہ کو ہر کوچے میں کر نکلے ہے

زلف سر کی تو ہوا جلوہ‌نما یوں عارض
جس طرح ابر کے لکے سے قمر نکلے ہے

نہیں معلوم بلا کیا ہے ترے کوچے میں
جو کہ اس کوچے سے نکلے ہے وہ مر نکلے ہے

چاک پیراہنِ ساقی پہ پڑھوں کیوں نہ درود
اس کے سینے سے[1] تو اک لطفِ سحر نکلے ہے

کوچۂ عشق سے جاتے ہیں چلے پر ہم کو
نہیں معلوم کہ یہ کوچہ کدھر نکلے ہے

کون سے گل کا تو عاشق ہے ؟ بتا اے بلبل !
تیرے نالے سے جو اک بوے اثر نکلے ہے

کیا زری پوش ہی یاں دفن ہوے تھے سارے
اب تلک خاک سے دہلی کی جو زر نکلے ہے

سینہ مجروح ہے کس خنجرِ مژگاں کا ترا
ہر دم آنکھوں سے جو کٹ کٹ کے جگر نکلے ہے

جام بھر بھر کے پیالے تو مجھے دے ساقی
اک پیالے سے کوئی دل کا کدر[2] نکلے ہے

دیکھ ہوتا ہے اسے خطِ شعاعی بھی خجل
سر پہ جب طرۂ زرتار وہ دھر نکلے ہے

---

۱ - میں : ل ، ح -
۲ - کدر : حسرت ، کدورت -

ابر تر نے تو کیا کوہ و بیاباں سیراب
کام کچھ تم سے بھی اے دیدۂ تر! نکلے ہے؟
سوزشِ سینہ کی تاثیر نہ پوچھ اے ہمدم!
سنگِ تربت سے مری اب بھی شرر نکلے ہے
ہم‌سری اشک سے میرے وہ کرے کہہ توصدف
تجھ سے کوئی کبھی ایسا بھی گہر نکلے ہے
مصحفی اب کے اٹھا لیویں گے ہم سر پہ پہاڑ
ہاتھ پتھر تلے سے اپنا اگر نکلے ہے

۴۳۸

صبح کی شام ہوئی، شام کی پھر رات ہوئی
یہی وعدے ہیں تو کب اس سے ملاقات ہوئی
صبح نے حسن سے سینے کے گریباں پھاڑا
چاندنی دیکھ کے اس رخ کی صفا، مات ہوئی
یار آیا تو کیا پیشکش اس کی دل و دیں
غیر اس کے تو نہ کچھ ہم سے مدارات ہوئی
پھر لگے چھیڑ کے تم گالیاں دینے صاحب
بارے پھر آپ کی بندے پہ عنایات ہوئی
متصل دیدۂ گریاں کے دو[1] ساون برسے
غرض اس سال تو کیا خوب ہی برسات ہوئی

ق

مصحفی کے تئیں اب کچھ نہ کہو جانے دو
جب ملا اس سے یہی حرف و حکایات ہوئی

---

۱ - ہ و : ح -

دوستو! فائدہ کرتی ہے نصیحت کب آسے
گالیاں کھانا ہی جس شخص کی اوقات ہوئی

۲۳۹

گر چشمِ تر سے ہم نے ٹک آستیں اٹھا لی
تو دل نے نالے کر کے سر پر زمیں اٹھا لی

مجلس کے بیچ ناگہ آیا جو ذکر میرا
اُس جنگجو نے ووں ہی شمشیرِ کیں اٹھا لی

اے دیو بےحمیت! ہوتا ہے کیوں تو منکر؟
انگشترِ سلیماں تو نے نہیں اٹھا لی

پہنچے میں موچ اُس کے کہتے ہیں آ گئی ہے
کم بخت نے صراحی مے کی کہیں اٹھا لی

کل چیخیں مار رویا اتنا یہ دل کہ اس نے
مجلس تمام سر پر اے ہم نشیں! اٹھا لی

نقشِ جبیں ہمارا اس در پہ رہ گیا، گو
جوں مہر سجدہ کر کے ہم نے جبیں اٹھا لی

اے مصحفی! نہ ہم نے رونے سے پائی فرصت
آنکھوں پہ ہاتھ رکھے گر آستیں اٹھا لی

۲۴۰

شرم آتی ہے اب اٹھ کر یاں سے کیا گھر جائیے
آستاں پر اس کے بیٹھے بیٹھے ہی مر جائیے

ہم تو کب اس بات سے راضی ہیں پر تم نے میاں
دل میں جانے ہی کی ٹھہرا لی[1] تو بہتر، جائیے

۱ - ٹھہرائی : خ -

اشتیاق اس کی گلی کا دل کو کرتا ہے کباب
گر بہم ہوں بال و پر اپنے تو اُڑ کر جائیے
وہ تو آتا ہی نہیں اب کب تلک گزری کے بیچ
بیچنے کو ہاتھ میں لے کر کبوتر جائیے
آئیے گر کرکے دل سخت اپنا اس کوچے سے ہائے
کیا قیامت ہے کہ پھر ہو ووں ہی مضطر جائیے
تا کہ بعد از مرگ ہووے وہ مرا لوحِ مزار
اک ذرا چھاتی پہ میری پاؤں تو دھر جائیے
مصحفی یہ بحرِ معنی خیز آتی ہے نظر
اک غزل تو اور بھی اس میں رقم کر جائیے

۴۴۱

جی میں آتا ہے گر اب کے اس کے در پر جائیے
سر پٹکیے یاں تلک اپنا کہ بس مر جائیے
ڈر سے جاسوسوں کے مجھ کو سوچ رہتا ہے یہی
کس طرح جا ملیے اس سے آہ ، کیوں کر جائیے
بے قراری کا برا ہو کب تلک راتوں کو ہائے
کھولیے دروازہ ہر دم اُٹھ کے باہر جائیے
اس کے ملنے کو گر آتا ہے معزز سا کوئی
مجھ سے کہتا ہے کہ آپ[۱] اس وقت تو گھر جائیے
کاش یہ خجلت نہ ہوتی اس گلی میں کب تلک
سر جھکائے آئیے ، با دیدۂ تر جائیے
گوشہ‌گیری ہی بھلی ہے کیا مناسب ہے دلا
بزم شاہاں میں بہ ایں احوالِ ابتر جائیے

۱ - اب : ح -

آپ کا بس بس بہت میں نے کیا اب تک ادب
کھینچیے ہر دم میاں صاحب نہ خنجر ، جائیے
اس قدر اچھا نہیں کچھ خانہ جنگی کا گھمنڈ
بس بہت شیخی نہ کیجے بندہ پرور جائیے
اضطرابِ دل سے میں تو مصحفی گھبرا گیا
یار ملتا ہی نہیں ، کیا کیجے ، کیدھر جائیے

۴۴۲

نہ اس رونے سے آفت دیدۂ گریاں پہ آئی ہے
یہی رونا ہے تو دیکھو گے اک دن جاں پہ آئی ہے
نہیں زلفِ سیہ رخسار سے اس کے جدا ہوتی
عجب کم بخت بدلی اس مہِ تاباں پہ آئی ہے
صدف میں یہ صفا موتی نے کب پائی تعالی اللہ
صفا کچھ اور ہی اس کے درِ دنداں پہ آئی ہے
کوئی اتنا تو کہہ دے جا کے[1] زنداں بانِ یوسف سے
زلیخا پیٹتی سر کو درِ زنداں پہ آئی ہے
ہوا ہے گر کے دل مجروح چاہِ عشقِ خوباں میں
شکست اس طرح سے اس رستمِ دستاں پہ آئی ہے
جب اس کی انگلیاں فندق بندھی کر یاد رویا ہوں
لہو کی بوند میری ہر سرِ مژگاں پہ آئی ہے

۱ - اصل متن میں ''زندانیاں'' غلط ہے - مصرع ساقط الوزن ہے - ''زنداں باں'' تصحیح قیاسی ہے - (فائق)

یہ تیرِ غمزہ کس کے خون میں بوندی' ہوا سچ کہہ
کہ سرخی زور ہی اس کے پر و پیکاں پہ آئی ہے
سنی ہے جھوٹ سچ بھی میرے مرنے کی تو اس ساعت
بشاشت اور ہی کچھ اس گلِ خنداں پہ آئی ہے
درِ شہ سے کیا ہے منع گر صاحب کمالوں کو
اُلٹ کر چوبِ درباں ہی سر درباں پہ آئی ہے
غزل اک اور بھی اے مصحفیؔ! میں کہہ سناتا ہوں
طبیعت ان دنوں پھر کچھ ذرا جولاں پہ آئی ہے

۴۴۳

بہارِ موسمِ گل اب کے پھر طغیاں پہ آئی ہے
پھر ان ہاتھوں سے آفت جیب اور داماں پہ آئی ہے
میں کر کے یاد وہ دستِ حنائی اتنا رویا ہوں
کہ روتے روتے لالی دیدۂ گریاں پہ آئی ہے
قرینِ زلف یوں آویزۂ لعل اس کے ہے گویا
کلی لالے کی جھک کر شاخِ نافرماں پہ آئی ہے
پڑا پہلو میں تیرے رات دن فریاد کرتا ہے
نہیں معلوم کیا چوٹ اس دلِ نالاں پہ آئی ہے
'ذرا تو بھی تو عالم دیکھ اپنے پان کھانے کا
عجب سرخی میاں تیرے لب و دنداں پہ آئی ہے

---

۱ - آلودہ : ح -
بوندی : کچنار کا پھول -
۲ - ن - ح میں یہ شعر زائد ہے -
جو تیرا دورِ دامن دیکھتا ہے وہ یہ کہتا ہے
اسی دامن سے گردشِ گردشِ دوراں پہ آئی ہے

شبِ ہجراں سیاہ اتنی نہ تھی شاید کہ ان روزوں
سیاہی بخت کی میرے شبِ ہجراں پہ آئی ہے

لبوں پر اس کے مسّی کی دھڑی کا رنگ تو دیکھو
عجب کالی گھٹا اس چشمۂ حیواں پہ آئی ہے

بہت بے طرح چمکے ہے تمامی کی سنجاف اس کی
یہ بجلی دیکھیں کس کس بے سر و ساماں پہ آئی ہے

جدھر دیکھو اُدھر خوش قامتوں کا فتنہ برپا ہے
قیامت ان[1] سے ہی اس شہرِ ہندوستاں پہ آئی ہے

گرفتارِ مصیبت جس قدر اے **مصحفی**! میں ہوں
مصیبت اس قدر دنیا میں کس انساں پہ آئی ہے

۴۲۴

یاد اُس کو دیدہ بازی کے ہیں فن نئے نئے
نت ہر طرف کو نکلیں ہیں روزن نئے نئے

گزرا میں اُس گلی سے تو آئے مجھے نظر
کتنے اسیرِ طوق بہ گردن نئے نئے

تجھ سے رفو نہ ہووے گا زخمِ دل اے مسیح!
لاتا ہے کیوں تو رشتہ و سوزن نئے نئے

مسّی کی ان لبوں کی دھڑی یاد آئے ہے
پتے نکالتی ہے جو سوسن نئے نئے

آنکھوں کو موند لے ُتو کہ آویں تجھے نظر
آئینۂ خیال میں گلشن نئے نئے

یاروں سے پیش لولیِ دنیا نہ لے گئی
از بس کہ ہم کو یاد تھے آسن نئے نئے

---

[1] ایسی ہی : ح -

دیوانہ کیوں نہ ہوں میں کہ ہر روز وہ پری
نقشے مجھے دکھائے ہے بن ٹھن نئے نئے
آتا ہے اب یہ جی میں کہ ایجاد کیجیے
ماتم میں دل کے نالہ و شیون نئے نئے
سب صرفِ چاکِ جیب ہوے تھے جو **مصحفی**
بقچے میں طفلِ غنچہ کے دامن نئے نئے

۴۴۵

خط نیا ، خال نیا ، زلف کی تحریر نئی
ان دنوں مجھ کو نظر آئے ہے تصویر نئی
کر دیا اور خفا ملنے سے میرے اُس کو
دیکھی اے آہِ سحر! تجھ میں یہ تاثیر نئی
پہلے مجھ پر ہی لگایا اسے ہنستے ہنستے
گرکبھی اُس نے خریدی کوئی شمشیر نئی
بات کو کس کی میں باورکروں اس محفل سے
جو کوئی آوے ہے کرتا ہے وہ تقریر نئی
کس سے یہ ٹھوکریں سیکھا ہے خدا را سچ کہہ
ہے تری چال توکچھ اے بتِ بے پیرا نئی
خانۂ دل کے تو نقشے پہ ذرا غور تو کر
دستِ صانع نے بنائی ہے یہ تعمیر نئی
مصحفی شب میں لیا اس کی کفک کا بوسہ
جاےخوں ہے کہ ہوئی مجھ سے یہ تقصیرنئی

۴۴۶

کاجل آنکھوں میں نہ اتنا بھی لگایا کیجے
تیرہ روزی مجھے ان کی نہ دکھایا کیجے

منھ چھپاؤ نہ چھپاؤ ، نہیں اس کا کچھ ڈر
لیک سینہ تو دوپٹے سے چھپایا کیجے
جی میں آتا ہے کہ آتش پہ تماشے کے لیے
پرزے کر کر کے گریباں کو جلایا کیجے
دیکھنے والوں پہ آ جاتی ہے بےہوشی سی
منہ سے یک بارگی پردہ نہ اٹھایا کیجے
قابل اس لطف کے کیا ہم نہیں ، غیروں کے تئیں
عطر مل مل کے نہ ہاتھوں کو سنگھایا کیجے
وے جو مارے ہوئے ہیں طرزِ تغافل کے انھیں
کبھی چتون کی ادا بھی تو دکھایا کیجے

ق

میں نہ کہتا تھا کہ ان روزوں وہ بیمار ہے سخت
دم بہ دم اس کی خبر لینے کو جایا کیجے
ہو چکا مصحفیؔ خستہ کا سو کام تمام
آپ اب بیٹھے ہوئے باتیں بنایا کیجے

۴۴۷

بہ حالِ نزع ہوں میں دے مجھے شمشیر سے پانی
نہیں رکھتے دریغ اس وقت میں نخچیر سے پانی
گرفتاری پہ میری بس کہ آہن[۱] گریہ کرتا ہے
رواں ہوتا ہے چشمِ حلقۂ زنجیر سے پانی
اگر بیت الصنم میں پردہ تو رخ سے اٹھا دیوے
بہے جوں چشمِ مردم دیدۂ تصویر سے پانی

---

۱ - آہن وہ بھی کرتا ہے : ح -

مزاجِ پیر سے سردی کا کھونا سخت مشکل ہے
ملے پر بھی[1] جدا ہوتا ہے کوئی شیر سے پانی
جوں ہی لکھنے لگا کاغذ پہ میں مضمون گریے کا
ٹپکنے ہی لگا بینیِ کاغذ گیر سے پانی
تجھے پانی پلاتے غیر کو شب خواب میں دیکھا
دل اپنا تو ہوا اس خواب کی تعبیر سے پانی
یوں آنسو چاک دل سے آئے شب بھر بھر کے آنکھوں میں
خیابانوں میں آوے جیسے اک تدبیر سے پانی
وہ اپنا تیرِ خوں آلودہ جب پانی سے دھوتا ہے
ٹپکتا ہے شہابی ہو کے اُس کے تیر سے پانی
دلِ بگداختہ یوں چھن گیا[2] غربال سینہ سے
بہ آسانی نکل جاتا ہے جوں کفگیر سے پانی
گلستانِ شہادت تازہ و تر کیوں نہ ہو جس میں
رواں ہو آبشارِ چشمۂ شمشیر سے پانی
پڑا ہے مصحفی یاں مہرۂ[3] تدبیر ششدر میں
بہت دشوار ہے بازی ہمیں تقدیر سے پانی

۴۲۸

جوں جوں الفت زیادہ ہوتی ہے
دل کی حسرت زیادہ ہوتی ہے

---

۱ - بھر : ح -   ۲ - پڑا : ح -

۳ - مہرہ ششدر میں پڑنا : وہ جگہ جہاں سے رہائی مشکل ہو - تختہ نرد کی بازی میں چھ گھر ہوتے ہیں ، جس وقت نرد تختے کے آخر گھر میں جا کر بند ہوجاتی ہے تو کھلاڑی حیران رہ جاتا ہے - (نوراللغات ، ج ۳ ، صفحات ۳۷۳ ، ۳۷۴)

دیکھتا ہوں جو تیری صورت کو
مجھ کو حیرت زیادہ ہوتی ہے
دن بہ دن بے مروتی تیری
بے مروت ، زیادہ ہوتی ہے
دیکھتا میں نہیں جو تجھ کو ذرا
غم کی شدت زیادہ ہوتی ہے
دل کو روکے ہوئے ہوں میں تو بھی
ہائے چاہت زیادہ ہوتی ہے
میری اور تیری ، یہ نہیں معلوم
کیوں محبت زیادہ ہوتی ہے
بڑھ چلا پھر تو ، دیکھ کہتا ہوں
غم ِ فرقت زیادہ ہوتی ہے

ق

مصحفی وقت ِ شب مرے آس کے
گرچہ صحبت زیادہ ہوتی ہے
لیک جب اٹھ چلوں ہوں میں واں سے
پھر مصیبت زیادہ ہوتی ہے

۴۴۹

جز نجد کے دیکھی نہ کوئی منزل ِ لیلی
سو بار گیا جی سے ادھر محمل لیلی
ہے ہے وہ ستم کرتی ہے آواز ُحدی کی
محمل میں ملا جائے ہے جس سے دل ِ لیلی

جاتا ہے بگولے میں اڑا قالبِ مجنوں
تا قافلے میں جاکے وہ ہو شاملِ لیلیٰ

لیلیٰ ہے اگر حسن کا دریا تو نظر میں
جز ناز و کرشمہ نہیں کچھ ساحلِ لیلیٰ

یاں خون میں تڑپیں ہیں کئی طفلِ دبستاں
مرغِ دلِ مجنوں ہی نہیں بسملِ لیلیٰ

سچ ، عشق میں ہیں عاشق و معشوق برابر
جو مشکلِ مجنوں ہے سو ہے مشکلِ لیلیٰ

اس خاک سے کہتے ہیں بنی پیکرِ مجنوں
جو خاک مخمّر[1] تھی بہ آب و گلِ لیلیٰ

کاسے پہ پڑیں اس کے اگر سنگ ہزاروں
جاوے نہ کسی در پہ کبھو سائلِ لیلیٰ

ہیں بال جو مکھڑے پہ پڑے ان کو اٹھا دے
کب تک یہ سیہ خانہ رہے حائلِ لیلیٰ

اے مصحفی ! لیلیٰ ہے اگر قاتلِ مجنوں
معشوق مرا وہ ہے کہ ہے قاتلِ لیلیٰ

۴۵۰

[2]نہ ڈر سے شیخ کے جامِ مُل آستیں میں ہے
برنگِ شیشہ یہاں قلقل آستیں میں ہے

[3]میں آستیں جو نچوڑوں تو جائے عالم ڈوب
ہنوز اشک کا دریا کل آستیں میں ہے

نہ کر غرور کہ گجرے ہیں میرے ہاتھوں میں
کہ اشکِ سرخ سے یاں بھی گل آستیں میں ہے

۱ - مخمّر : خمیر کی گئی -
۲ ، ۳ - ن - ح میں مصرعوں کی ترتیب غلط ہے : ح -

آتار سر سے میاں پیرہن کو اپنے شتاب
کہ مثلِ مار سیہ کاکل آستیں میں ہے
شب اُس کی زلف کو ٹک لگ گیا تھا میرا ہاتھ
جو دیکھتا ہوں ، سحر سنبل آستیں میں ہے
چمن میں جاکے زبس دی ہے دادِ صیّادی
ہر ایک طفل کے اک بلبل آستیں میں ہے
نہ **مصحفی** پہ کرو تہمتِ تہی‌دستی
کہ نقدِ داغ سے اس کے پل آستیں میں ہے

۴۵۱

نہ یہ وہ دل ہے کہ اب جس سے نالہ سر کھینچے
نہ وہ زمیں ہے جگر جس سے لالہ سر کھینچے
کسی سے ہم نے تو یاں سرکشی نہ کی پس قتل
ہمارے خون کا شاید قبالہ سر کھینچے
لے اپنے ہاتھ میں ساقی اگر تو ساغرِ لعل
تو شاخِ گل پہ نہ گل کا پیالہ سر کھینچے
مری بغل سے تُو جاتا ہے اب کہاں ، نہ سنا
کہ ماہ ہو کے ہم آغوش ہالہ[۱] سر کھینچے
اسیرِ زلف ہوں میں اس غزالِ رعنا کا
نہ جس کے دام سے ہرگز غزالہ سر کھینچے
شہیدِ رنگِ حنا کا ترے جہاں ہو مزار
عجب نہیں ہے ، اگر واں سے لالہ سر کھینچے
نہ آوسی اسے دکھلاؤ کوئی ڈرتا ہوں
مبادا پھر کے وہ مشکیں کلالہ سر کھینچے

---

۱ - لالہ : ح ۔

کسی کا حق جو کوئی غصب کر کے کھا جاوے
تو مصحفی نہ بچے وہ نوالہ سر کھینچے

۴۵۲

دور رہنا ہی بھلا ہے ہمیں محبوبوں سے
رفتگی خوب نہیں اتنی خوش اسلوبوں سے
بس کہ طومار کے طومار میں لکھ لکھ بھیجے
ہو گیا یار بھی عاجز مرے مکتوبوں سے
تلخ دشنام تری ہم کو گوارا ہے ولے
جانِ من خوب نہیں بے مزگی خوبوں سے
سیر کو چل تو کہ جھاڑا ہے صبا نے اے گل
صحنِ گلشن پر طاؤس کی جاروبوں سے
مددِ بخت نہ ہو اہلِ ہنر[1] کو جب تک
بازی پاتے ہیں کوئی عقل کے منصوبوں سے
دل دھڑکتا ہے کبھو ، آنکھ پھڑکتی ہے کبھو
کیوں کہ جاں بر ہو کوئی عشق کے آشوبوں سے
مصحفی مانگے ہے یارب یہ دعا بعدِ نماز
حشر کے دن نہ اٹھانا اسے مغضوبوں سے

۴۵۳

گو تم نے مجھے زیست سے بیزار رکھا ہے
پر میں نے تو تم سے ہی سر و کار رکھا ہے
میں مارِ تہِ سنگ ہوں سر کیوں کہ اٹھاؤں
کافر کی اداؤں نے مجھے مار رکھا ہے

---

۱ - اہلِ دول : پ (حاشیہ) ـ

صیاد کا احساں ہے کہ دیوار چمن پر
لا کر قفس مرغ گرفتار رکھا ہے
رہتا ہے جو دل سینے میں بے تاب ہمیشہ
اللہ نے اس میں بھی کچھ اسرار رکھا ہے
روتے ہوے کروٹ ، میں کبھی لی ہے تو گویا
تکیے پہ مرے موتیوں کا ہار رکھا ہے
ہو قافلہ راہی تو چلیں ، گھر میں ہمارے
اسباب سفر کرنے کا طیّار رکھا ہے
کاوش تو ذرا دیکھیو اُس شوخ نے آکر
تربت پہ مری گل کی جگہ خار رکھا ہے
توگھر سے جو نکلے تو نماز اس کی پڑھی جائے
عاشق کا جنازہ پس دیوار رکھا ہے
مرہم بھی رکھا ہے جو مرے زخم پہ اس نے
تو وائے ستم مرہم زنگار رکھا ہے
میں سینہ زنی کی ہے شب ہجر تو برسوں
بیماری دل نے مجھے بیمار رکھا ہے
چاہو سو کرو خواہ جفا ، خواہ وفا تم
میں آپ کو اس کام میں مختار رکھا ہے
تربت پہ کبھی مصحفی کی چلیے نا صاحب
نزدیک تمہارے یہ گنہگار رکھا ہے

۲۵۴

مروت بھی اگر آنکھوں میں اُس کی اک ذرا ہوتی
تو نظروں سے مری اُس کی نظر خود آشنا ہوتی

گریباں کے تو کر ڈالے میں پرزے مثلِ گل ہے ہے
ذرا ہاتھ اور اٹھ جاتا تو چولی بھی ہوا ہوتی
نظر مژگاں تک اب آتی نہیں ، یا ایک دن وہ تھا
کہ اس کے روے زیبا سے نہ اک ساعت جدا ہوتی
چمن کو دیکھتے ہم کس طرح سرسبز ہوتا پھر
اگر اس گل کے بر میں گل کے بوٹے کی قبا ہوتی
نہ دیتا میں اگر اس شوخِ ہرجائی کو دل اپنا
تو کیوں اس بات کی عالم میں شہرت جا بجا ہوتی
گلی میں اس کی گر ہم خاک ہو جاتے تو بہتر تھا
موے پر واں ہماری خاک کی وارث صبا ہوتی
جو لگ چلتی ہمارے خون کی سرخی اس کے پاؤں سے
تو یہ بھی رفتہ رفتہ خوش تر از رنگِ حنا ہوتی
نظر آتا نہ اس کو گر یہ تیرا پھول سا مکھڑا
صبا اس طرح کیوں گلشن میں آتش زیرِ پا ہوتی
خفا ہے ہم سے وہ اے مصحفی ! اتنا ہی بہتر ہے
غضب تھا اس سے گر اپنی طبیعت بھی خفا ہوتی

۴۵۵

غرض کہ جو حرکت ہے سو دل لبھانے کی
ادا میں کیا کہوں کافر کے منھ پھرانے کی
کہیں ہیں آگ لگی ہے چمن کو بے دردو !
خبر تو لو کوئی بلبل کے آشیانے کی
گلہ نہ کیجیے یاروں کی بے وفائی کا
کہ ان دنوں یہی تاثیر ہے زمانے کی

وہ رعشہ سہ میں کہاں ہے جو میں نے جمنا میں
ادائیں دیکھیں ہیں کافر کے تھرتھرانے کی
کہاں ہے قافلہ رفتگانِ ملک عدم
کوئی تو بات کہو اک ذرا ٹھکانے کی
کبھی تو[1] خوش نہ کیا مجھ کو آ کے قاصد نے
کبھی جو بات بھی کوئی تو جی کڑھانے کی
کہوں میں کیا مری آنکھوں سے خون ٹپکتا ہے
ادا جب آتی ہے یاد اُس کے پان کھانے کی
لگائے اُس نے مری قبر پر کل اتنے تیر
کہ مٹی بھی نہ رہی مصحفی نشانے کی

۴۵۶

تم ہم کو اپنا منہ نہ دکھاؤ تو خوب ہے
پردے میں اور چاہ بڑھاؤ تو خوب ہے
مرتے ہیں جو تمھاری اس آواز پر انھیں
آواز بھی اگر نہ سناؤ تو خوب ہے
چولی چسی[2] ہوئی ہے تمھاری تو کیا ہوا
دو چار دن اسے نہ سِلاؤ تو خوب ہے
اے ساکنانِ کنجِ قفس ! آئی ہے بہار
ایسے میں تم بھی دھوم مچاؤ تو خوب ہے
جھپکی ہے مصحفی کی ابھی آنکھ اک ذرا
تم اس کو اس گھڑی نہ جگاؤ تو خوب ہے

---

۱ - کبھی خوشی نہ کیا : ح -
۲ - چسنا : (ہ) پھٹنا -

۴۵۷

اس کی چاہت کے گرفتار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
دیکھنے کے تو گنہگار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
کون کہتا ہے ، نہیں روے نکو کے خواہاں
جنس اچھی کے خریدار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
تہمتِ حسن پرستی نہیں ہم پر بے جا
ہاں ترے والۂ دیدار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
غیر ہی تجھ کو نہیں دیکھتے سر کر کے بلند
اس ہوس میں پسِ دیوار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
کیا کریں دیکھنے بن رہتی نہیں یہ آنکھیں
اپنی آنکھوں سے تو ناچار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
حق تعالیٰ ترے جلووں کو سلامت رکھے
ایسے جلووں کے خریدار ہیں ہم بھی ، سچ ہے
مصحفی گر کوئی مل جائے نصیبوں سے تو ہاں
روز و شب طالبِ دیدار ہیں ہم بھی ، سچ ہے

۴۵۸

کوئی کیا جانے کہ اس عشق میں کیا بنتی ہے
دیکھتے دیکھتے ہی جان پر آ بنتی ہے
اب کے سرما میں تو ہوویں گے بہت لوگ نہال
واسطے اس کے مشجّر کی قبا بنتی ہے
اس کی صورت کا وہ عالم ہے کہ سبحان اللہ
کوئی تصویر بہ ایں حسن و صفا بنتی ہے ؟
کس پہ ظالم کی چڑھائی ہے یہ معلوم نہیں
ان دنوں تیرِ جدی ، تیغ جدا بنتی ہے

زلف کو اس کے[1] بناتی ہے جو مشاطہ کبھو
مصحفی کہتے ہیں دونی وہ بلا بنتی ہے

۴۵۹

بجلی کی کوند دیکھ اسے منھ چھپا گئی
دل کی تڑپ تو مجھ کو تماشا دکھا گئی
بھیجیں گے ہم بھی گل کو کوئی رقعہ اس کے ہاتھ
اب کے ، طرف چمن کی جو بادِ صبا گئی
مت پوچھ اس کی گت کا عالم میں کیا کہوں
نظروں میں کیا کبھی کہ وہ جی میں سما گئی
تصویر تیری دیکھی جو شیریں نے ایک دن
تھی بس کہ باشعور وہ نقشہ اُڑا گئی
سروِ رواں کی اپنے میں تعریف کیا کروں
رفتار اس کی خاک میں مجھ کو ملا گئی
کب اُس پری نے وصل کا وعدہ وفا کیا
بالا دکھا کے نت ہمیں بالا بتا[2] گئی
تُو دیکھتے ہی اُس کو جو دیوانہ ہو گیا
سچ کہیو مصحفی ترے کیا جی میں آ گئی

۴۶۰

رفتار اُس کی دل پہ جو ٹھوکر لگا گئی
اک بار بختِ خفتہ کو میرے جگا گئی

---

۱ - کو : ح
۲ - بالا بتانا : ٹالنا ، فریب دینا :
خواصوں کو بالا بتانا اسے
اکیلے درختوں میں جانا اسے (میر حسن)

میں اس نگاہِ تیز کے صدقے گیا کہ وہ
دل پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا گئی
دیکھا نہ ہوگا وہ کبھی مانی نے خواب میں
تصویر اس کی مجھ کو جو عالم دکھا گئی
کیا جانے اس کو مرغِ سحرخواں نے کیا کہا
آزردہ دل چمن میں جو بادِ صبا گئی
مردہ سا کیا پڑا ہے تو بستر پہ **مصحفی**
کیوں بولتا نہیں، تجھے کیا موت آ گئی ؟

۴۶۱

کب ہاتھ مرا اس کے گریباں کے تلے جائے
سو بار نہ تا سیبِ زنخداں کے تلے جائے
کیا ایسی نگہ سے کوئی خوش ہووے جو کافر
مژگاں سے جدا ہوتے ہی مژگاں کے تلے جائے
مرغِ دلِ بسمل شدہ ہے رحم کے قابل
وقتے کہ تڑپ کر ترے داماں کے تلے جائے
وحشت اسے ہو جائے گر اس فصل میں کوئی
ٹک سایۂ دیوار گلستاں کے تلے جائے
گو جی سے گزر جائے کوئی، یہ نہ ہو گا ہے
انگشتِ تاسف ترے دنداں کے تلے جائے
ہے عید کا دن، دیکھیے آج اس کی گلی میں
کس کس کا گلا خنجرِ برّاں کے تلے جائے
اس سینۂ مجروح سے کیا ہو کوئی واقف
خوں بہتا ہوا جس کا گریباں کے تلے جائے

اے مصحفی ! دیکھے نہ وہ شوخ آنکھ اٹھا کر
گر دجلۂ خوں دیدۂ گریاں کے تلے جاے

۲٦۲

جوں جوں دل زخم کھائے جاتا ہے
وہ بھی ہنہی[1] (پنہٹی) لگائے جاتا ہے
مجھ کو پامال کر گیا ہے ابھی
یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے
الم عشق کا برا ہو ہاے
دل مرا بلبلائے جاتا ہے
لے خبر ، تیری چشم کا بیار
کہتے ہیں دم چرائے جاتا ہے
دن ہوا آخر ، آفتاب نشاط
ہم سے اب منہ چھپائے جاتا ہے
گرچہ ہم جھک رہے ہیں تو بھی ہمیں
شوق دارو پلائے جاتا ہے
دیکھیو اس کو ، دیکھ کر کیسا
مصحفی سٹپٹائے جاتا ہے

۲٦۳

گاہ مد سُرمے کی ، کاجل کی گہے تحریر ہے
عالم ان آنکھوں کا رشک عالم تصویر ہے

---

۱ - بھاہے : ح -
پنہٹی : (ف) صفت - ۱ - روئی دار - ۲-روئی دار دو تہہ کا کپڑا -
(نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۱۵)

دل جو چاہے ہے تجھے میرا تو پھر میں کیا کروں
تو ہی کر انصاف اس میں کیا مری تقصیر ہے

توڑ جاتا ہے توے اک پل میں نہ افلاک کے
تو کہے نالہ مرا اور ہی کہاں کا تیر ہے

گرد ٹوپی کے جو کافر کی ہے یہ گوٹا لگا
آہ مت پوچھو مرے حق میں دم شمشیر ہے

کیا بلا نازل ہوئی، اس دل کو یہ کیا ہو گیا
میں وہی، دل بھی وہی، پر نالہ بے تاثیر ہے

دیکھیے اس معرکے میں کس کی ہو فتح و شکست
یاں میں اس کی فکر میں ہوں واں تری تدبیر ہے

کیا ترے زندانیوں کو آئی اس شب[۲] خواب مرگ
نے صدا شیون کی وہ، نے نالہ[۱] زنجیر ہے

اس کی زلفوں کو میں شب دیکھا ہے دست غیر میں
یارو اس خواب پریشاں کی بھی کچھ تعبیر ہے؟

اس کی باتوں پر لگاؤں کیوں نہ اب جی دوستو
مصحفی ہے اک تو شاعر تس پہ خوش تقریر ہے

۲۶۴

آیا تھا ترے سجدے کو میں خواب[۳] عدم سے
جوں سایہ اٹھایا نہ کبھی[۴] سر کو قدم سے

---

۱ - روئیں (؟) : ح -
۲ - اس شب آئی : ح -
۳ - شہر عدم : ل، ح -
۴ - میں نے : ح -

گو میں نے یہ جانا کہ تو آنے کا نہیں لیک
کر میری تسلی تو بھلا[1] جھوٹی قسم سے
تا سمجھے حقیقت دلِ خوں گشتہ کی میرے
میں نامہ لکھا ہے اسے مرجاں کے قلم سے
گر چشم تری دیوے ذرا زلف کو پرچک[3]
روکش ہو ابھی سنبلِ گلزارِ ارم سے
کعبے کو تو ہم جاتے ہیں پر کیونکہ پھریں گے
گر لڑ گئی واں آنکھ کسی تازہ صنم سے
سچ پوچھو تو کچھ جسم میں اپنے نہیں باقی
اک بیٹھے ہوئے کھال سی ہم دھونکیں ہیں دم سے
اب مصحفی تو جانے ترا کام مری جاں
کی ہم نے تو اپنی سی جو کچھ ہو سکی ہم سے

۴۶۵

ملو ہو غیروں سے اور ہم سے بے وفائی ہے
یہ کون شیوہ ہے ؟ کیا رسمِ آشنائی ہے ؟
رہی ہے آرسی آنکھوں سے اس کی آنکھ ملا
ذرا تو دیکھ تو کیا دیدے کی صفائی ہے
اسیر مر گئے لاکھوں قفس کدے کے قریب
کہا تھا آ کے کسی نے بہار آئی ہے
ہزار مومن و کافر سجود میں ہیں یہاں
بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو اک خدائی ہے

---

۱ - کوٹھے پہ : ح -   ۲ - ذرا : ل ، ح -
۳ - پرچک : (ہ) مؤنث - ۱ - دلاسا - ۲ - حمایت - ۳ - اشارہ ، اجازت -
(نوراللغات ، ج دوم ، صفحہ ۷۵)

ز خویش رفتہ ہوں اتنا کہ کچھ نہیں معلوم
شبِ وصال ہے یہ یا شبِ جدائی ہے
مجال کیا دلِ عاشق پہ ہو تصرفِ غیر
کہ اس نگر میں شہِ حسن کی دہائی ہے
فقط نہ رنگ کفک نے کیا ہے دل کو خون
بلائے جاں یہ ترا پنجۂ حنائی ہے
بہ غور دیکھے کوئی مصحفی تو سمجھے کہ سچ
غرورِ حسن میں اک شانِ کبریائی ہے

۴٦٦

یوں ہے نازاں جی سے مجھ کو وہ ستم گر مار کے
جوں کوئی غازی مسلماں خوش ہو کافر مار کے
اک ادا دکھلا کے بھاگے، دل پہ نشتر مار کے
اس ادا پر میں تو مر جاؤں گا خنجر مار کے
دوش کیوں لیوے کسی کو وہ ستم گر مار کے
لوگ جب مرتے ہوں آس پر آپ خنجر مار کے
روز کی خارا تراشی تھی بلائے جاں ستاں
چھٹ گیا فرہاد بس اک تیشہ سر پر مار کے
میری تربت پر گر آیا ہے تو از بہرِ ثواب
جائیو اے ابر! دو چھینٹے مقرر مار کے
چل سکا اس سے نہ جب ہرگز مرے نامے کا بوجھ
رہ گیا آخر کو مرغِ نامہ بر پر مار کے

۱ - بطرف (؟) : ل -

خوش قدوں کی شوخیِ رفتار میں ہے یہ اثر
بختِ خفتہ کو جگا دیتے ہیں ٹھوکر مار کے

آپڑی ہے اب دلوں میں صید[1] دیکھیں ہووے کیا
جان پر کھیلے ہیں ہم اس کا کبوتر مار کے

قصۂ خسرو سے ظاہر ہے کہ وقتِ زورِ عشق
باپ کو بیٹا سلا رکھے ہے خنجر مار کے

وا نہیں ہوتا کسی کے منھ پہ ہرگز در ترا
یاں جو آتے ہیں چلے جاتے ہیں وے سر مار کے

جب نہ نکلا خوں رگِ جاں سے مری فصادِ عشق
منفعل کتنا ہوا نشتر پہ نشتر مار کے

اس کے کوچے سے منانے آئے تب ہم کو حریف
اٹھ چلے جب ہم بغل کے بیچ بستر مار کے

چوٹ ہے اس بات کی دل پر کہ تم جاتے رہے
تازیانے کی طرح زلفِ معنبر مار کے

عشق کے ورطے[2] سے ٹک نکلے ہے گر کشتی مری
بیٹھ جاتی ہے وہیں پھر اس میں چکر[3] مار کے

مصحفی کو رات ساقی نے جو دی لاے[4] شراب
اٹھ گیا جھنجلا کے وہ شیشے پہ ساغر مار کے

---

۱ - صید : (ع) ضد -
۲ - ورطہ : (ع) گرداب -
۳ - لنگر : ح -
۴ - لاے شراب: (ف) شراب کی تلچھٹ -

۴٦٧

مار ڈالا ہے ادا نے تیری
جی جلایا ہے حنا نے تیری

وقت فرصت کے بھی اے گل! مجھ سے
نہ کبھی بادِ صبا نے تیری

کیوں نہ گھوروں کہ بنائی ہے صنم
صورت ایسی ہی خدا نے تیری

گور کے سوتوں کو بیدار کیا
آخر[1] اس جنبشِ پا نے تیری

ظلم ہے یہ کہ حیا پر میری
نہ کیا رحم حنا[2] نے تیری

نام پایا ہے زمانے میں میاں
بے وفائی ہی ، وفا نے تیری

مصحفی عشق کا اب نام نہ لے
جان رکّھی ہے خدا نے تیری

۴٦٨

دیکھ کر صورت تمھاری ہم بہت پُر غم ہوے
برہمی زلفوں کی کیا کم تھی کہ تم برہم ہوے

حسن نے اس کے بہ وقتِ گریہ دونی[3] دی بہار
اشک کے قطرے گلِ عارض پہ یہ[4] شبنم ہوے

۱ - آخرش : ح -
۲ - حیا : ح -
۳ - دی دونی بہار : ح -
۴ - آ : ح -

اب لگاتے ہاتھ اس سینے کے تئیں آتی ہے شرم
ہاتھ کس کس کے خدا جانے کہ واں محرم ہوئے

اٹھ گئے جب بزم سے تم آخرِ شب مست[1] خواب
عاشقوں نے پھوڑ ڈالے سر، بڑے ماتم ہوئے

داغ اس ملنے کا ہے دل پر کہ ہم تم روزِ وصل
ایک ساعت پاس بیٹھے، ایک دم ہمدم ہوئے

ایک موسم[2] پر نہ دیکھا ہم نے اس گلشن کا رنگ
جب تلک گل آنکھ کھولے یاں کئی عالم ہوئے

مصحفی دلی سے نکلے پر گیا سب دل کا چین
تھے جو اوراق اپنی جمعیّت کے سو درہم ہوئے

۴۶۹

راہ میں کُشتے پڑے ہیں کئی ارمان بھرے
بچ کے چلیو نہ ترا خون سے دامان بھرے

دیدۂ تر کا بتاؤں میں سبب کیا تم کو
بیٹھے بیٹھے یوں ہی کچھ آتے ہیں ہر آن بھرے

دیکھ کر کیوں وہ مجھے آنکھ چرا جاتا ہے
مدعی نے نہیں اُس گل کے اگر کان بھرے

وہ پُر آشوب ہے ہر اشک مری آنکھوں کا
جس کے ہر قطرے میں ہیں سیکڑوں طوفان بھرے

کشتۂ ناوکِ مژگاں کی جہاں تربت تھی
اُس جگہ نکلے کئی خون سے پیکان بھرے

آدمیت جسے کہتے ہیں سو ہے چیز جُدی
یوں تو ہر شہر میں ہیں گبر و مسلمان بھرے

---

۱ - خواب سے : ح -   ۲ - عالم : ح -

مصحفی جس کو سخن کہیے سو وہ بات کہاں
رطب و یابس سے ہیں یوں یاروں کے دیوان بھرے

۴۷۰

مثلِ آئینہ فقط وہ ہے اور اک حیرت ہے
عاشقِ بے سر و پا کی بھی عجب صورت ہے

نہیں آتا ہے زیارت کو کبھی واں کوئی
کشتۂ تیغِ تغافل کی جہاں تربت ہے

سیکڑوں صحبتیں غائب ہوئیں اس خاک کے بیچ
کوئی کیا جانے کہ اس پردے میں کیا صحبت ہے

ایک گل پھول میں سو رنگ دکھاتی ہے بہار
قلمِ قدرتِ صانع کی عجب صنعت ہے

اور دو زخم لگا، نعش پہ میری قاتل
یہی وقتِ کرم، تجھ میں اگر ہمت ہے

جب تلک تو ہی بلاوے نہ اسے بے ایما
آئنہ سامنے آوے ترے، کیا قدرت ہے

کرکے قربان مجھے وہ بتِ بے دیں بولا
اب تلک آنکھوں میں اُس کی نگہِ حسرت ہے

مجھ کو اے دوست! جو چاہے تو ملا دے تجھ سے
میں تو عاجز ہوں پر اللہ میں سب قدرت ہے

عید کا دن ہے کہ آئی ہے قیامت اللہ[1]
اُس کے کوچے میں جو دیکھا تو عجب کثرت ہے

دیکھیے گلشنِ ہستی کا تماشا کیوں کر
دیدنی خار تک اور چشمِ زدن فرصت ہے

۱ - یارب . ح -

ابر تر خوب ہی رویا تو مری تربت پر
چاہیے یوں ہی تجھے، تیرے تئیں رحمت ہے
ہے کلی گل کی کلی پر نہ ہو کیوں بلبل کو
کہ نیا عشق ہے یہ اور نئی چاہت ہے
خوب رو دیکھ کے دوڑے ہے یہ اس کے پیچھے
مصحفی دل میں ترے پارے کی خاصیت ہے

۴۷۱

چمن ہے، سبزہ ہے، ساقی ہے اور ہوا بھی ہے
جو یار ایسے میں ہووے تو اک مزا بھی ہے
گئی نہیں عطشِ دل ابھی تو اے ساقی!
خبر تو لیجو گلابی میں کچھ رہا بھی ہے؟
کیا ہے قتل ہزاروں کو اس نے دزدیدہ
کسی کے خون کا چرچا کہیں ہوا بھی ہے؟
میں کیونکہ جان نہ دوں اپنی اس کے ہاتھوں پر
کہیں پور پور میں چھلے تو پھر حنا بھی ہے
تو اس سے آنکھ ملاتی ہے آرسی کیسی
خبر تو لے تری آنکھوں میں کچھ حیا بھی ہے
میں اعتماد کروں کیوں کہ آشنائی کا[۱]
کوئی کسی کا زمانے میں آشنا بھی ہے؟
جوابِ خط کے لیے کیوں پڑا ہے اے قاصد!
کسی کو اس بت کافر نے خط لکھا بھی ہے؟
ہمیشہ لٹتے ہی دیکھی میں راہِ ملکِ عدم
کوئی یہاں سے کچھ اسباب لے گیا بھی ہے؟

---

۱ - نہ : ح -

نسیم ہی نہیں مرتی ہے تیری زلفوں پر
جو دیکھتا ہوں تو وارفتہ کچھ صبا بھی ہے

دعا لکھی ہے میں نامے میں اس کو لیک بہ غور
کوئی پڑھے تو دعا ہی میں مدعا بھی ہے

جواب نامہ تو یک سُو رہا، یہ پوچھو کوئی
کہ اس کے ہاتھ میں قاصد نے خط دیا بھی ہے ؟

بہ غور دیکھے جو دیوانِ مصحفی کو کوئی
تو خود کتاب ہے یہ بلکہ[1] مرثیا بھی ہے

۴۷۲

ہر ایک قدم پر جو وہاں غش کی جگہ ہے
کوچے کی ترے خاک بھی عش عش کی جگہ ہے

باندھا ہے جو ترکش کے تئیں تم[2] نے کمر سے
انصاف کرو آپھی یہ ترکش کی جگہ ہے ؟

ڈھونڈو نہ مری آہ کو آتش کی گرہ میں
افلاک پہ اس شعلۂ سرکش کی جگہ ہے

رکھتا ہوں ترے غم کو سدا اس میں چھپائے
ہر چند کہ سینہ مرا آتش کی جگہ ہے

اے دل ! مرے پہلو سے شبِ وصل جدا رہ
کس واسطے، یہ اس بتِ مہ وش کی جگہ ہے

ہرگز[3] دلِ عارف میں نہ سنّا ہے کدورت
یہ شیشہ ہمیشہ مے بے غش کی جگہ ہے

---

۱ - لیک : ح -　　۲ - ہم نے : ح -
۳ - ہرگز دلِ عارف نہ سنا جاے کدورت : ح -

خالی نہیں اے **مصحفی**! یاں رنج سے کوئی
یہ بزم بھی اک طرفہ کشاکش کی جگہ ہے

۴۷۳

دلِ خارا میں مرا نالہ اثر کرتا ہے
لیک سختی سے ترے دل کی حذر کرتا ہے
چشم بد دور ، ہے واں بے خبری کا عالم
میرے احوال سے کون اس کو خبر کرتا ہے
میں بھی گزرا جو کبھی یاں سے تو کیا قہر ہوا
ایک عالم ترے کوچے سے گزر کرتا ہے
گھر خدا کا تھا یہ دل جس میں وہ بت آکے رہا
یہ نہ سمجھا کہ کوئی گھر میں بھی گھر کرتا ہے
اس کی بالیں پہ ذرا ُتو بھی تو آ وقتِ وداع
کہ تری چشم کا بیمار سفر کرتا ہے
دیکھیو دم کشیِ بلبلِ بستانی کو
کیا بری طرح شب اپنی یہ سحر کرتا ہے
کیونکہ حیران[1] نہ رہوں میں کہ تری مجلس میں
جو کوئی آوے ہے مجھ پر ہی نظر کرتا ہے
مصحفی کے تئیں از بس کہ نہیں عقلِ معاش
گھر میں بیٹھا ہوا اوقات بسر کرتا ہے

۴۷۴

جھپٹے میں آگیا ہے دل اپنا اس پری کے
لاکھوں ہیں یاد جس کو انداز دلبری کے

---

۱ - حیران نہ ہوں میں : ح -

چاہت نے تیری ہم کو سب کچھ بھلا دیا ہے
کیا لطف میں کٹے ہیں اوقات بے زری کے
اس دل کی ابتری کا میں حال کیا بتاؤں
ہیں ڈھنگ سارے اس میں زلفوں کی ابتری کے
اس رخ سے جو صبا نے پردہ اٹھا دیا تھا
گرتے تھے اشک ٹپ ٹپ شب ماہ و مشتری کے
لطفِ مجسّم اس کا ہے سر و قد ، ولیکن
اسلوب ہیں سب اس میں پیدا ستم گری کے
اے مصحفی ! گلی میں کون اس کی پوچھتا ہے
پھرتے ہیں خوار و رسوا واں لاکھوں ہم سری کے

۴۷۵

ہر قدم انداز ہے ، ہر گام پر[۱] اک ناز ہے
ہم عناں اس کے جلو میں ناز اور انداز ہے
جس نے چہرے کی ترے تصویر دیکھی ، یہ کہا
ہائے اس تصویر کا بھی کیا غضب پرواز ہے
کیا کروں اب باغ میں رہ کر کہ اے گل تجھ بغیر
آشیاں اپنی نظر میں چنگلِ شہباز ہے
نقش[۲] دیبا کی طرح ہم بسترِ غم پر مدام
ہیں پڑے تنہا نہ کوئی[۳] ہمدم ہے نے ہمراز ہے
یار کی آوازِ خوش نے مار رکھا ہے ہمیں
سچ تو یہ ہے ، کیا گلا ہے اور کیا آواز ہے

---

۱ - ہر اک بار ہے : ح -
۲ - نقش پا : ح - ۳ - بر وزن فع -

بال و پر ہم وا نہیں کرتے وگرنہ دوستو
فرش سے تا عرش اپنی ایک ہی پرواز ہے
آخر اس طفلِ کبوتر باز کو دے گا فریب
مصحفی بھی عشق کے فن میں کبوتر باز ہے

۴۷۶

منہ پھرا لینے میں تو بارے بھلا اک ناز ہے
دائیں بائیں دیکھتے جانا ، یہ کیا انداز ہے؟
گو کوئی ہووے فدا ان خوب رویوں کے تئیں
کب خیالِ جان و مالِ عاشقِ جاں باز ہے
دل تڑپنے جو لگا خنجر تلے، بولا وہ شوخ
دیکھیو اس مرغ کو کیا حسرتِ پرواز ہے
مان کہنے کو مرے ، امرد پرستوں سے نہ مل
جان ! چہرے پر ترے خط کا ابھی آغاز ہے
درد یہ کس سے کہوں جاکر کہ یارو ان دنوں
دشمنِ جاں ہے جو اپنا محرمِ ہمراز ہے
مصحفی کی[1] قدر اس مجلس میں اتنی تو نہیں
لیکن اتنا ہے کہ اوروں سے ذرا ممتاز ہے

۴۷۷

یوں قتل غریبوں کا ، اے شوخ ! روا کب ہے
شایاں تری خوبی کے یہ جور و جفا کب ہے
کھل[2] جاویں اگر آنکھیں تو آوے نظر تجھ کو
وہ شاہدِ بے پردہ ، پردے میں چھپا کب ہے

۱ - نے (؟) : ح -
۲ - کھنچ آویں (؟) : ح -

غنچہ ہے سو افسردہ اور گل ہے سو پژمردہ
گلزارِ زمانہ کی خوش آب و ہوا کب ہے

میں دعویٔ خوں اُس سے کس طرح کروں یارب
اس کے دمِ خنجر پر[۱] خوں میرا جا کب ہے

کاہے کو کروں شکوہ میں اُس کی جدائی کا
معشوق مرا مجھ سے اے یارو! جدا کب ہے

خط اس کو ہی دیتے ہم سو یوں بھی نہیں بنتی
جاوے ترے کوچے میں مقدورِ صبا کب ہے

اس کی شبِ ہجراں کا دل مارگزیدہ ہے
تہمت ہے عبث ان پر زلفوں نے ڈسا کب ہے

خوباں کی جفا پر دل ناچار رکھا ہم نے
گر ان سے وفا ڈھونڈیں تو ان میں وفا کب ہے

لوہو کسی بسمل کا ہاتھوں سے لگایا ہے
قاتل میں نہ مانوں گا یہ رنگِ حنا کب ہے

آگو ہی دل اپنے کو کرتا ہوں تسلی میں
قاصد ابھی اس کُو سے خط لے کے پھرا کب ہے

اک عمر ہوئی اس کو، مرتا ہے نہ جیتا ہے
بیمارِ محبت کی کیا جانے قضا کب ہے؟

آئینے کو تجھ پر سے سو بار کروں صدقے
آئینے کے چہرے پر یہ حسن و صفا کب ہے

اے مصحفی! ناحق تُو کھینچے ہے تعب ناداں
اس دردِ محبت کی دنیا میں دوا کب ہے

---

۱ - ح : میں -

۴۷۸

اے فلک آپ کو اتنا جو پھرایا تو نے
کوئی معشوق بھی عاشق سے ملایا تو نے؟
خاک میں مجھ کو مری جان ملایا تو نے
فائدہ اس میں تو کچھ خاک نہ پایا تو نے
فاتحہ کا بھی تو ممنوں نہیں میں تجھ سے بھلا
میری تربت پہ کبھی ہاتھ اٹھایا تو نے؟
میں جو دیوانہ سا جاتا ہوں تو اس کوچے کے
مجھ کو کہتے ہیں یہ کیا رنگ بنایا تو نے؟
عید کا چاند تجھے کیونکہ کہوں میں کہ میاں
عید کے دن بھی مجھے منھ نہ دکھایا تو نے
دیکھیے گزرے گی کیا کتنے گریبانوں پر
اب کے جامہ تو بہت تنگ سلایا تو نے

ق

مصحفی حال ترا کچھ نظر آتا ہے تغیر
سچ تو کہہ کس سے دل اپنے کو لگایا تو نے؟
رنگ چہرے کا ترے ہم سے کہے دیتا ہے
عشق چھپتا ہے کوئی، گو کہ چھپایا تو نے

۴۷۹

شب وہ ان آنکھوں کو شغلِ اشکباری دے گئے
لے گئے خواب ان کا اور اخترشماری دے گئے
چلتے چلتے اس ادا سے وعدہ آنے کا کیا
دے کے ہاتھ اس دل پہ اور اک زخم کاری دے گئے

خواب و خور، صبر و سکون یک بار سب جاتا رہا
بے قرار اپنے کو کیسی بےقراری دے گئے

یہ خبر تو نے سنی ہوگی کہ اس کوچے میں رات
داد رونے کی ہم اے ابر بہاری ! دے گئے

آپ جا بیٹھے کئی منزل پہ ہو تھانے امیر
اور دیار دل کی غم کو فوجداری دے گئے

گر کبھیں آیا نظر ان کو کبھیں مٹی کا ڈھیر
گالیاں اس کو، سمجھ تربت ہماری، دے گئے

آپ تو جاتے رہے باتیں بنا اور مجھ کو آہ
بے قراری ، بےخودی ، بےاختیاری دے گئے

گر ہوا عزم سفر ان کا سحر ہر مصحفی
وقت شام آکر مجھے اپنی کٹاری دے گئے

۴۸۰

خطرہ ہے مجھے اس دل کم بخت کی خو سے
ڈرتا ہوں کہ ہو جائے محبت نہ کسو سے

دم تیرے مریضوں کا ٹھہرتا نہیں کافر
جانوں پہ بنی ہے ترے تعویذ گلو سے

یہ خون نہیں، آتش ہے، مبادا بھڑک اٹھے
دامن کو بچانا تو ذرا میرے لہو سے

کیا باغ میں آیا تھا صبا وہ اگری پوش
جو اب تئیں مہکے ہے چمن عطر کی بو سے

ٹک غمزۂ خوں ریز کو سمجھا کہ ہمیشہ
اک کشتہ نیا نکلے ہے قاتل تری خو سے

چل سوزنِ تدبیر کو لے جا تو مسیحا
یہ زخم سمٹنے کا نہیں تیرے رفو سے

سر کعبہ نشیں مارہی ہیں دیوار سے اب تک
اک روز کہیں پردہ اٹھا تھا ترے رو سے

جب سر کھولے وہ سامنے آ جائے ہے میرے
جی الجھے ہے کافر کی پریشانیِ مو سے

ساقی کا مرے حال پہ گر ہے یہ تغافل
سر اپنا میں دے ماروں گا اک روز سبو سے

اے آئنہ ہوتا ہے تو اُس رو سے مقابل
چل دور، خبر لے کہیں اپنے اسی رو سے

اے **مصحفی**! کرتا ہے تو کیوں زخم کا شکوہ
تجھ کو بھی تو اک لاگ ہے اس عربدہ جو سے

۴۸۱

چھیڑے سے مرے ہر دم زلف اس کی اکڑتی ہے
جوں جوں میں بناؤں ہوں وہ اور بگڑتی ہے

طولِ شبِ ہجراں کو تا چند بیاں کیجے
نے رات نبڑتی ہے، نے بات نبڑتی ہے

گو حسن پرستی کا انکار تو کرتا ہے
آئینے سے پر تیری کچھ آنکھ تو لڑتی ہے

رخ یار کی مژگاں نے شاید کہ کیا ایدھر
کچھ کل سے کلیجے میں اک پھانس سی گڑتی ہے

گو شیخ جی داڑھی کو نت اپنی کریں شانہ
ناحق کی یہ شیخی ہے، کیا ان سے اکھڑتی ہے

صحبت مرے بلبل کی گلشن میں کوئی دیکھے
میں اس سے جھگڑتا ہوں وہ مجھ سے جھگڑتی ہے

احوال جو ہے تیرا ایسا نہیں گھبراتا
انساں پہ مصیبت بھی اے مصحفی ! پڑتی ہے

۴۸۲

طاق پر خوشۂ انگور دھرا رہتا ہے
یاں علاجِ دلِ رنجور دھرا رہتا ہے

تو جو ہوتا نہیں ساقی تو تری[1] مجلس میں
سامنے شیشۂ مے دور دھرا رہتا ہے

بخت اسے کہتے ہیں تکیے پہ مرے بازو کے
نت سرِ ساقیِ مخمور دھرا رہتا ہے

مدعی کر نہ تو مقدور کا اپنے دعوی
جب حریف آئے ہے مقدور دھرا رہتا ہے

مقتلِ عشق میں فہمیدہ قدم رکھ ناداں
دار پر یاں سرِ منصور دھرا رہتا ہے

ذکر آجائے ہے جس جاگہ مری وحشت کا
قیس کا واں سرِ پُر شور دھرا رہتا ہے

مصحفی آئنہ اس ناوکِ مژگاں کے حضور
صورتِ خانہ زنبور دھرا رہتا ہے

۴۸۳

ہر ایک بال وہ ، جس کے تئیں کمر نہ لگے
خدا کرے کہ ترے بالوں کو نظر نہ لگے

---

۱ - مری : ح -

شب ِ فراق کی ایسی ہی ہے ڈرانی رات
اکیلے گھر میں بھلا کیوں کہ مجھ کو ڈر نہ لگے
قفس سے تازہ میں آیا ہوں کیا عجب اس کا
چمن میں موسم ِ گل جی مرا اگر نہ لگے
جو لے چلا ہے مرے خط کو تُو تو ہے مختار
پر اتنا کیجو تجھے دیر نامہ بر نہ لگے
خیال دل میں سمایا ہے مانگ کا اُس کی
عجب نہیں جو مری آنکھ تا سحر نہ لگے
اگرچہ تشنہ ٔ خوں ہے وہ پر نزاکت دست
یہ چاہے ہے کہ مرے زخم کارگر نہ لگے
لگائے تیغ تو بہر[۱] ثواب عید کے دن
جو مصحفی کے گلے سے وہ سیم بر نہ لگے

۴۸۴

جو تھے سننے والے اس آہ ِ حزیں کے
میاں پہلے دشمن ہوئے تم انہیں کے
خدا کی قسم ہے کیا گر میں نالہ
گزر جائے گا پار عرش ِ بریں کے
ذرا آنکھ اٹھا کر ادھر دیکھ تو لے
میں صدقے تری نرگس ِ شرمگیں کے
معلم نے چھڑیاں لگائیں کہ چُھریاں
الف[۲] دیکھیو اس تن ِ نازنیں کے

۱ - پھر تو اب : ل (؟) -
۲ - الفت : ل (؟) -

انھیں دسترس اتنی کب ہے کہ ہوتے
مرے اشک تکمہ تری آستیں کے

ہنسو ہو مری بات پر کھلکھلا کر
بڑے ہنسنے والے تم آئے کہیں کے

تری طبع کو **مصحفی** آفریں ہے
کہ دلچسپ ہیں شعر سب اس زمیں کے

۲۸۵

کوئی ایسا نہیں ملتا کہ ہم کو ہم سے لے جاوے
دکھا دے اور عالم اور اس عالم سے لے جاوے

کوئی اس وقت میں جراح ایسا بھیج دے یا رب
کہ میرے کہنہ زخموں کے الم مرہم سے لے جاوے

تمہارے دست نازک کا بھروسہ یہ نہ تھا مجھ کو
کہ میرا کاٹ کر سر خنجر بے دم سے لے جاوے

مرے آگے سے جانے کا نہیں غم، میں یہ چاہوں ہوں
کہ محرم تجھ کو پنہاں کر کے نامحرم سے لے جاوے

جو وہ خورشید رو آوے سحر سیر گلستاں کو
لطافت حسن و رنگینی گل و شبنم سے لے جاوے

نے قلیاں تلک کھانے کو اپنے منھ پسارے ہے
بسر کیا اس زمانے میں کوئی ہمدم سے لے جاوے

غم دوری کے ہم بندے ہیں کہیے آفریں اس کو
سلامت جان و دل گر **مصحفی** اس غم سے لے جاوے

رباعیات

۱

ہم تجھ سے جدا ہوتے ہی آنکھوں کو سیئیں گے
جب تو ہی نہ ہوگا تو کسے دیکھ جیئیں گے
غیروں کے گلے پر تری تلوار چلے گی
ہم سامنے بیٹھے لہو کے گھونٹ پیئیں گے

۲

سودا کا تو سرد ہو چکا ہے بازار
اب بزمِ سخن ہے مرے دم سے گلزار
ہے شانِ تری جلوہ گری میں ہر وقت
سچ ہے کہ تجلی کو نہیں ہے تکرار

۳

باہم جو فلک کا ہے بندھا زنجیرا
معلوم نہیں کہ اس میں ہے حکمت کیا
ہر چند کیے ہم نے بہت عقدے وا
لیکن نہ کھلا ہم سے یہ گورکھ دھندا

۴

کچھ دیں کی طرف ہوں کچھ ہوں دنیا کی طرف
دل جائے ہے اپنا سو تمنا کی طرف

یہ پست تو خاک دانِ ہستی میں رہا
اے آہ تو جا عالمِ بالا کی طرف

۵

سب خاک میں مل گئی جوانی کی بہار
بیٹھا سر و رُو پہ آ کے پیری کا غبار
چالیس برس تو خوابِ غفلت میں کٹے[1]
اے مصحفیؔ! اب تو ٹک کہیں ہو بیدار

۶

اس کلبۂ احزاں میں وطن تو نے کیا
اس تودۂ خاک کو چمن تو نے کیا
القصہ کہ مصحفیؔ کو اپنے یارب
دستاں زنِ گلزارِ سخن تو نے کیا

۷

جاتے ہوئے پاؤں سا پھسل جاتا ہے
دل سینے میں جیسے کوئی مل جاتا ہے
گر صورتِ خوش کہوں[2] نظر آتی ہے
واللہ مرا تو جی نکل جاتا ہے

۸

نادان گئے جہاں سے اور دانا بھی
پیدا جو ہوئے ، ہوئے وہ ناپیدا بھی

---

۱ - گئے: ح -
۲ - اصل متن میں ''کہوں'' ہے - ''کہیں'' ہونا چاہیے - شاید کتابت کی غلطی ہو - فائقؔ

ہے ہستی دنیا تو ہمارے دم سے
جب ہم نہ ہوئے توگو نہ ہو دنیا بھی

۹

ہوتی ہے جو دل میں چاہ ، چھپتی کب ہے
میلانِ طبیعت آہ چھپتی کب ہے
گو خواہشِ دل نہ منہ پہ لاوے عاشق
خواہش کی ولے نگاہ چھپتی کب ہے

۱۰

ظالم مرے جی کا درد تو کیا جانے
سچ بےمزگی کا درد تو کیا جانے
ہے تجھ کو تو رات دن ستانے سے کام
بے درد کسی کا درد تو کیا جانے

۱۱

دل آتشِ عشق میں جو رہتا تھا سپند
ہوتا تھا دھوئیں سے آہ کے شعلہ بلند
سو سرد ہیں وے گرمیاں اب ہم کو
اک خوشی ہے دیکھنے کی ، وہ بھی تا چند

۱۲

جوں آبلہ پھوٹ پھوٹ کب تک بہیے
ہے مصلحت اب یہی کہ چپ ہی رہیے
نہ یار ، نہ آشنا ، نہ مشفق ، نہ رفیق
کہیے تو یہ درد اپنا کس سے کہیے

۱۳

چاہت نے تری یاں سے نکالا مجھ کو
کس چاہ سے ہائے تو نے پالا مجھ کو
اے آفت جان مصحفی تو نے تو
اتنا چاہا کہ مار ڈالا مجھ کو

۱۴

کیا جلدی سے ہو گئی جدائی کم بخت
افسوس اجل بھی تو نہ آئی کم بخت
کیا تو نے کیا فلک کہ بن وصل ہوئے
صورت مجھے ہجراں کی دکھائی کم بخت

۱۵

گاہے مکدر گہ بہ صفا رہتے ہیں
گہ سب میں گہے سب سے جدا رہتے ہیں
ہم لوگ کچھ اختیار اپنے میں نہیں
جس طرح سے رکھتا ہے خدا، رہتے ہیں

۱۶

ہر چند کے اوروں میں ترا، ساکا[1] ہے
پر میں نے تو کچھ اور تجھے تاکا ہے
دریائے لباس آبگوں میں یعنی
گھڑیال تری تو ندیوں[2] کا ناکا ہے

۱۷

ہے ہم کو تو شعر کا فقط اک سودا
ہو ہم سے نہ کار دین، نہ کار دنیا

---

۱ - ساکا: اتفاق - جھگڑا (؟) - ۲ - تری ہوند تو تو: ح -

ہوتی ہے جنھیں کہ مصحفی عقلِ معاش
پتھر سے بھی کرتے ہیں وہ روٹی پیدا

۱۸

ہم نے نہ جلے (چلی ؟) بندِ سلاسل دیکھا
نہ قافلہ کوئی[1] راہیِ منزل دیکھا
صورت میں بگولے کے تو صدقے ہوتا
اک مشتِ غبارِ گردِ محمل دیکھا

۱۹

چھپ جاتے ہو لحظہ لحظہ منہ دکھلا کر
کیا مار ہی ڈالو گے ہمیں ترسا کر
آنا ہے تمھیں تو آ ملو جیتے جی
مر جاویں گے ہم تو کیا کرو گے آ کر

۲۰

یا رب نہ گرفتارِ بلا رکھ مجھ کو
دن رات نہ اتنا بھی خفا رکھ مجھ کو
آمیزشِ نیک و بد مرے حق میں ہے سم
رکھ سب میں ولے سب سے جدا رکھ مجھ کو

۲۱

زاہد تو ہے طاعت سے خریدارِ بہشت
پائے جاتے ہیں اس میں آثارِ بہشت
لیکن یہ گنہگار جو ہے اے یارو !
نہ قابلِ دوزخ ، نہ سزاوارِ بہشت

---

۱ - بر وزن فع -

۲۲

بس جزئی و کُلی سے وہی ماہر ہے
نیک و بدِ بندہ آس پہ سب ظاہر ہے
شان اس کی کبھے رحیم و گہ قاہر ہے
اللہ جو چاہے سو کرے ، قادر ہے

۲۳

ہے حور و قصور در نظر اک[1] کے تئیں
اور ایک ہے داغِ غم سے جلنے کے قریں
عرصہ ہے قیامت کا یہ میدانِ زمیں
سچ پوچھو اگر ، بہشت و دوزخ ہے یہیں

۲۴

کیا ہم سے ہوا انشائے سابق میں عمل
ہے جس کے سبب سے یہ حواسوں میں خلل
یارب کہ نہ پھر روے تناسخ دیکھے
اس مرتبہ جان ، تن سے گر جاوے نکل

۲۵

ہے خیر[2] بدیہہ روزگار آس کے میں
کیا دخل کسی کو کاروبار آس کے میں
جوں صورتِ شب باز جو تو غور کرے
سر رشتہ کل ہے اختیار آس کے میں

۱ - ایک کبھی : ح -
۲ - اصل متن میں ''جز'' ہے جو بظاہر درست نہیں ہے - ''خیر'' تصحیح قیاسی ہے - فائق

۲۶

ہیں وے[1] نظر باز حقیقت آئیں
رکھ پیش نظر آئنۂ چرخ و زمیں
دیکھیں ہیں اسے (ہی ؟) جس کی یہ صنعت ہے
ہر چند بصارت[2] کو وہاں دخل نہیں

۲۷

ہر گز نہ کھُلا ہم پہ معماے فلک
چھُٹ اس کے کہ ہے تو کارفرماے فلک
پیسے ہے ہمیں وہ آسیہ کے مانند
ہم پستے نہیں ہنوز اے واے فلک

۲۸

بعضوں نے کہا ہستی عالم ہے قدیم
بعضوں نے کیا ہے اس کو حادث تفہیم
اک بات ٹھہرتی ہی نہیں خاطر خواہ
کیا کیجے کہ عاجز ہے یہاں فکر حکیم

۲۹

ہستی جسے کہتے ہیں سو وہ ہے اک دم
اور سمجھے جو[3] تو اول و آخر ہے عدم
اس دم کو تو رائگاں نہ کھو دیوانے
گر یہ بھی نہ ہوگا تو کہاں کا عالم

---

۱ - وے کے بعد 'جو' ضروری ہے یا ''ہی'' ہونا چاہیے ورنہ مصرع ساقط الوزن ہے -

۲ - بصیرت : ح -   ۳ - سو اول و آخر : ح -

۳۰

ہستی تری ، گر غور کرے دو دم ہے
ہے جس پہ بنائے زندگی ، سو دم ہے
آ ، فکر نہ کر ماضی و مستقبل کا
بس اس کو غنیمت ہی سمجھ جو دم ہے

۳۱

بعضوں نے تو لی مذہب و ملت کی راہ
اور بعضے گئے سقر میں ذلت کی راہ
ان سب سے پہ مصحفی نے ہو کر کے جدا
کی اپنے لیے پسند قلت کی راہ

۳۲

تو ہستیِ باری[1] کے تئیں یوں پہچان
یعنی کہ وجود اپنا ، وجود اُس کا جان
جب تجھ پہ یہ اثبات ہوا سب حق ہے
پھر آوے نظر میں غیرِ حق ، کیا امکان

۳۳

کیا تیرے سوا یہاں بنا ہے کوئی اور
بندہ ہے جو تو ، تو کیا خدا ہے کوئی اور
یا رب تجھے اپنی ہی قسم سچ کہہ دے
اس پردے میں تو ہے یا چھپا ہے کوئی اور

۳۴

کیا تجھ سے کہوں حالِ شہودِ عالم
کچھ ایک سی ہے بودِ و نبودِ عالم

۱ - ہستی واجب : ح -

پس یوں ہی جو ٹھہری تو ہوا اے ناداں !
خود عینِ وجودِ حق ، وجودِ عالم

۳۵

عینیت[1] ذات جس کو حاصل ہووے
عینِ دریا ہے گو کہ ساحل ہووے
کیا دخل ہے عکس رونما ہووے اگر
آئینے کے آئینہ مقابل ہووے

۳۶

ہم دونوں جہاں میں آشنا تجھ سے ہیں
جس جا پہ ہیں جان ایک جا تجھ سے ہیں
ہے بحر و حباب کی سی نسبت باہم
تو ہم سے جدا ، نہ ہم جدا تجھ سے ہیں

۳۷

تھا پیشتر آدم سے تو عالم کا ظہور
بعد اس کے ہوا جہاں میں آدم کا ظہور
گر دیدۂ تحقیق سے دیکھے کوئی
سارا یہ پیکھنا[2] ہے اک دم کا ظہور

۳۸

کیا ہم سے گریزاں ہیں بتانِ گل فام
گویا کہ بچھا رکھا ہے یاں ہم نے دام
گر ان کو یہ وحشت ہے تو پھر ہم کو بھی
رعنائی و دل بری سے ان کی کیا کام

---

۱ - بہ منت ؟ : ح -   ۲ - پیکھنا : (ہ) نمود و نمائش -

۳۹

جب چھیپ کے داغوں پہ گئی میری نظر
مجھ کو نظر آیا وویں اک لطفِ دگر
اعجاز سے حسن کے ہوا عیب ہنر
یعنی کہ یہ تارے تو وہ پنڈا ہے قمر

۴۰

ہرچند کہ ہم فاقوں سے جاں دیتے ہیں
تنخواہ تو کب نعیم خاں دیتے ہیں
ہے لب پہ خوشامد اور غضب کے مارے
بیٹھے ہوئے جی میں گالیاں دیتے ہیں

۴۱

ظاہر میں تو ہاں نعیم کے نوکر ہیں
باطن میں ولے کریم کے نوکر ہیں
نہ عید ، نہ بقر عید ، نہ روزی ، نہ دہا[1]
ہم بھی عجب اک لئیم کے نوکر ہیں

۴۲

دی بانٹ محل میں چپکے چپکے تنخواہ
اور ہم کو بہانوں ہی میں ٹالا کئی ماہ
انصاف سے کتنا دور ہے میر نعیم
لا حول و لا قوت الا" باللہ

۴۳

جیتا ہوں کبھی تو ، کبھی مرتا ہوں
ہنستا ہوں کبھی ، کبھی فغاں کرتا ہوں

---

۱ - دہا : عسرہ -

دن رات جدائی کا جو دکھ بھرتا ہوں
کچھ خلق سے ، کچھ خدا سے ڈرتا ہوں

۴۴

دو دن جو کشیدہ وہ مجھے پاتا ہے
یوں پیار سے حق میں مرے فرماتا ہے
آ جائے ہے **مصحفی** کے کیا جی میں بھلا
کم بخت جو آتے آتے رک جاتا ہے

۴۵

اک دن نہ عیادت کو مری ُتو آیا
نہ اپنی طرف سے ہی کوئی بھجوایا
کیا چاہے ہے اب صنم جدائی نے تری
نزدیک بہ مردن تو مجھے پہنچایا

۴۶

قمری سے نہ سرو کا ٹھکانا ُچھوٹے
بلبل سے نہ گل کا آستانا ُچھوٹے
گو مجھ کو کرے کوئی نصیحت ، مجھ سے
ممکن نہیں اس گلی کا جانا ُچھوٹے

۴۷

یا تو کسی شخص کو جنوں ہووے گا
یا چاہِ الم میں کوئی[1] نگوں ہووے گا
ہوتا ہے تری وضع سے معلوم ہمیں
اک آدھ غریب کا بھی خوں ہووے گا

---

۱ - بر وزن فع -

۴۸

ہر سفلہ نہ فنِ شعر کا ماہر ہے
ہر ذرہ نہ آفتابِ خوش ظاہر ہے
شاعر ہیں بہت سے یوں تو کہنے کو والے
جو شعر کی روٹی کھائے وہ شاعر ہے

۴۹

صد شکر کیا آپ نے غسلِ صحت
دھوئی گئی دل سے سب گردِ کلفت
ہو غسل مبارک تجھے[۱] مرزا مینڈو
جب تک ہے جہاں میں رسمِ[۲] رنج و راحت

۵۰

کی مجھ سے بہ قصد بےوفائی تو نے
مٹی میں ملا دی آشنائی تو نے
افسوس اس کا تجھے ہی ہوگا سچ ہے
کی تھی کوئی روز کی[۳] جدائی تو نے

۵۱

ہے روزِ وداع آنسوؤں کا طوفاں
آیا ہوں ترے پاس بہ چشمِ گریاں
جاتا ہوں سفر کو میں ، تجھے یاد[۴] رہے
دل سے نہ بھلانا تو مجھے میری جاں

۱ - تمھیں مرزا مینڈھو : ح -   ۳ - کیا : ح -
۲ - رسم و رنج و راحت : ح -   ۴ - باور ہے : ح -

مسدس

۱

اے کہ صورت میں بنایا تجھے حق نے جوں ماہ
کیوں نہ دیکھے سے ترے ہووے فزوں نور نگاہ
اس کا مذکور ہے، کیا قصۂ یوسف در چاہ
وصف کیجے تو ترے حسن کے سبحان اللہ
گر بہ روے تو زلیخا مژۂ وا می کرد
انچہ در خواب ندیدہ است تماشا می کرد

۲

پر عجب یہ ہے کہ کچھ تجھ کو نہیں اپنی خبر
میری آنکھوں سے نہیں تجھ پہ پڑی تیری نظر
اس صفائی و صباحت پہ بھی اے رشکِ قمر!
حسن تیرا نہیں کرتا ہے ترے دل میں اثر
ہر نفس آئنہ می بینی و رو می‌تابی
بندہ دارم عجب از تو کہ عجب در خوابی

۳

ہے زبس جان مری حسن ترا نو بہ نو
دل کو زلفوں میں تری رکھتے ہیں زہاد گرو
تجھ تلک آکے میں پہنچا تو ہوں باصد تگ و دو
بے وفائی کو تری میں بھی ذرا دیکھوں تو
چارۂ کارِ من و دل نہ توانی تا چند
حالِ من بشنوی و باز ندانی تا چند

۴۸

ہر سفلہ نہ فنِ شعر کا ماہر ہے
ہر ذرہ نہ آفتابِ خوش ظاہر ہے
شاعر ہیں بہت سے یوں تو کہنے کو ولے
جو شعر کی روٹی کھائے وہ شاعر ہے

۴۹

صد شکر کیا آپ نے غسلِ صحت
دھوئی گئی دل سے سب گردِ کلفت
ہو غسل مبارک تجھے[1] مرزا مینڈو
جب تک ہے جہاں میں رسمِ[2] رنج و راحت

۵۰

کی مجھ سے بہ قصد بےوفائی تو نے
مٹی میں ملا دی آشنائی تو نے
افسوس اس کا تجھے ہی ہوگا سچ ہے
کی تھی کوئی روز کی[3] جدائی تو نے

۵۱

ہے روزِ وداع آنسوؤں کا طوفاں
آیا ہوں ترے پاس بہ چشمِ گریاں
جاتا ہوں سفر کو میں ، تجھے یاد[4] رہے
دل سے نہ بھلانا تو مجھے میری جاں

۱ - تمہیں مرزا مینڈھو : ح - ۳ - کیا : ح -
۲ - رسم و رنج و راحت : ح - ۴ - باور ہے : ح -

مسدس

۱

اے کہ صورت میں بنایا تجھےحق نے جوں ماہ
کیوں نہ دیکھے سے ترے ہووے فزوں نورِ نگاہ
اس کا مذکور ہے ، کیا قصۂ یوسف در چاہ
وصف کیجے تو ترے حسن کے سبحان اللہ
گر بہ روے تو زلیخا مژۂ وا می کرد
انچہ در خواب ندیدہ است تماشا می کرد

۲

پر عجب یہ ہے کہ کچھ تجھکو نہیں اپنی خبر
میری آنکھوں سے نہیں تجھ پہ پڑی تیری نظر
اس صفائی و صباحت پہ بھی اے رشکِ قمر!
حسن تیرا نہیں کرتا ہے ترے دل میں اثر
ہر نفس آئنہ می بینی و رو می‌تابی
بندہ دارم عجب از تو کہ عجب در خوابی

۳

ہے زبس جان مری حسن ترا نو بر نو
دل کو زلفوں میں تری رکھتے ہیں زہاد گرو
تجھ تلک آکے میں پہنچا تو ہوں باصد تگ و دو
بے وفائی کو تری میں بھی ذرا دیکھوں تو
چارۂ کارِ من و دل نہ توانی تا چند
حالِ من بشنوی و باز ندانی تا چند

۴

جب سے پھینکی ہے تری کاکلِ مشکیں نے کمند
رہ گیا ہے یہ مرا آہوے دل کر کے زغند
اسی باعث ہے مرے عزم کا گھوڑا جابند
مجھ سے یہ فعل عمل میں نہیں آتا، ہر چند
ہر شب اندیشۂ دیگر کنم و راے دگر
کہ من از دستِ تو فردا بروم جاے دگر

۵

حال اپنا مجھے ہر دم بتر آتا ہے نظر
اب یہ ڈر ہے کہ نہ ہو جائے کہیں اس سے بتر
بسترِ غم پہ پڑا رہتا ہوں با دیدۂ تر
غمِ فرقت میں غرض روز و شب و شام و سحر
سوز دم سینہ و دل تاکہ مرا جانے ہست
عشقِ بےدرد عجب آتشِ سوزانے ہست

۶

اپھرا پھرتا ہے 'تو واں کوچہ و بازار کے بیچ
یاں رمق بھی نہیں باقی ترے بیمار کے بیچ
جاں کھپ جاتی ہے ہاں سچ ہے اس آزار کے بیچ
بےقرارانہ تری حسرتِ دیدار کے بیچ
شب کہ دل در گروِ یک نفسِ دیگر بود
ہر نگہم نفسِ بازپسِ دیگر بود

۷

حسرت آلودہ پھرے ہے مری آنکھوں میں نگاہ
نہ تو ہے نالے کی قوت، نہ رہی طاقتِ آہ

حالتِ نزع کو' پہنچا ہوں میں اے غیرتِ ماہ !
میرے احوال سے اب تک بھی نہیں تو آگاہ
چند گوئی کہ ترا در دلِ بےحاصل چیست
در دل من ہوسِ تست ترا در دل چیست

۸

پوچھ مت حال مرا اے صنمِ بے پروا
حال ہو جائے گا تیرا متغیر بہ خدا
دل جفاؤں سے تری بس کہ بھرا ہے میرا
غیر اس کے نہیں کچھ میرے تئیں بن آتا
باز خواہم گلہ از جورِ تو بنیاد کنم
زیرِ دیوارِ تو بنشینم و فریاد کنم

۹

بھیجتا ہے تو ہر اک شخص کو پیغام و سلام
میری قسمت میں نہیں لب سے ترے اک دشنام
آخرش عشق میں تیرے میں ہوا ہوں بدنام
قحط قاصد کا نہیں اس سے تو مت رکھ ناکام
از تو دشنام و عتابے چہ شود گر بہ رسد
یا سلامے بجوابے چہ شود گر بہ رسد

۱۰

ہیں جفاؤں کے تری شہر میں آثار عیاں
ایسی خوں ریزی سے مانگیں ہیں ملائک بھی اماں

۱ - تو : ح -

نہ فقط میں ہی پڑا خون میں تڑپوں ہوں یہاں
جس طرف دیکھے کوئی نیک و بد و پیر و جواں
ناز مژگاں تو شورے بہ جہاں افتاد است
بسملے بر سر ہر کوچہ تپاں افتاد است

۱۱

ڈر مری جان! بتا دے مجھے کس کا ہے تجھے
دیر کرنی غرض اس امر میں بےجا ہے تجھے
تیغ خوش آب کی بے وجہ[1] تمنا ہے تجھے
قتل کرنے کا مرے ہی جو ارادا ہے تجھے
سرِ من قابلِ شمشیرِ ستم نیست بیا
آب در خنجرِ مژگانِ تو کم نیست بیا

۱۲

ہے نظر بند مری ، دیدۂ قربانی (قربانی ؟) میں
تو نے جوں آئنہ رکھا مجھے حیرانی میں
ڈھونڈوں جمعیتِ دل کیوں کہ پریشانی میں
اب تلک چین پڑے ہے تری پیشانی میں
از منِ خستہ تو بیزاری و من می دانم
سرِ آزارِ دلم داری و من می دانم

۱۳

گئی برباد ترے عشق میں سب دانائی
دے کے دل تجھ کو میں مشہور ہوا سودائی

---

۱ - بیہودہ : ح -

تس پہ ہوں وصل سے محروم زہے رسوائی
تو پھر اس پر بھی میاں از رہ بے پروائی
شاد کے گردم اگر دردِ دلم گوش کنی
نشنوی بہ کہ کنی گوش و فراموش کنی

۱۴

بس کہ صانع نے بنایا ہے تجھے رشک چمن
گل سے عارض ترے بہتر ہیں تو غنچے سے دہن
نازکی ختم ہوئی تجھ پہ بس اے سیم بدن !
نرم اندام تو اتنا ہے کہ جوں شاخ چمن[۱]
ہمہ اعضاے تو نازک بود الا دلِ تو
ماندہ سنگے دمِ ایجاد مگر در گلِ تو

۱۵

چشم بد دور ہے کچھ اور ہی عالم تیرا
سچ ہے اے جان مری ! تجھ کو مری کیا پروا
حال درماندگی اپنی کا کہوں ہاے میں کیا
کھو کے دل اپنا سر راہ میں تیری بیٹھا
زار می گریم و از دل خبرے پیدا نیست
دہ کہ از گم شدۂ من اثرے پیدا نیست

۱۶

ہم تو پھرتے ہیں تجھے ڈھونڈتے اے زہرہ جبیں !
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

۱ - سمن : ح -

لیک ہم لوگوں کی پرواہ ہے کب تیرے تئیں
درد مندوں میں تو اپنے ہمیں گنتا ہی نہیں
چند شرحِ طلب و حرفِ تمنا گویم
ما کہ باشیم کہ بر روے تو ایں ہا گوئیم

۱۷

کیا ہوا ہم سے جو وہ راتوں کا ملنا چھوٹا
کر دیا گردشِ گیتی نے ہمیں تجھ سے جدا
گو ترے پاس نہ اب بیٹھنے پاویں تنہا
تو سلامت رہے ، کچھ اس کا نہیں اندیشا
گر نہ بینیم بہ خلوت رخِ چوں ماہ ترا
کسے از ما نگرفتہ است سرِ راہِ ترا

۱۸

غیر کے ساتھ جلانے تو مجھے آیا ہے
میں بھی جانوں ہوں کڑھانے تو مجھے آیا ہے
اوچھی[1] بن کے ستانے تو مجھے آیا ہے
واہ کیا خوب منانے تو مجھے آیا ہے
خیز و دیگر منشیں فتنہ بینگیز و برو
خویش را می‌کشم از دست تو بر خیز و برو

۱۹

میں یہ جانا کہ بہت تجھ پہ ہوے جور و ستم
تنگ آیا ہے تو اب تجھ میں نہیں تابِ الم

۱- اوچھی: (ھ) بانکا سپاہی، ہتھیار بند (نوراللغات، ج ۱ ، ص ۳۳۵) -

زندگانی میں تری اور ہے باقی کوئی دم
کوچۂ یار میں بیٹھا ہوا با صورتِ غم
چند سر بر سرِ زانو نہی اے دل! برخیز
اینک اینک بہ سرت آمدہ قاتل برخیز

۲۰

تھا تصور کا میں اُس شوخ کے جو دامن گیر
دل سے آتی تھی بہ صد رنگ زباں پر تقریر
رو برو تھی مری آنکھوں کے اُسی کی تصویر
دیکھتا کیا ہوں میں اتنے میں کہ وہ ماہِ منیر
زلف آشفتہ و خوے[1] کردہ و خندان لب و مست
نیم شب بر سرِ بالینِ من آمد بہ نشست

۲۱

شب کی صحبت کا کہوں یارو میں کیا اب احوال
اب تلک ہے اُسی صحبت کا مرے دل پہ ملال
وصل کو اُس کے سمجھتا تھا میں ہر چند محال
پر میسر جو ہوا خواب تھا وہ یا کہ خیال
دستِ شوقے نہ کشیدیم کہ یار از در رفت
گلِ مقصود نہ چیدیم و بہار از در رفت

۲۲

پسِ دیوار میں اب اس کے جو جا کرتا ہوں
طرفِ غرفہ و روزن ہی تکا کرتا ہوں

---

۱ - خوے - ۱ - "خ" (بہ فتح خا) - عرق ، عرقے کہ از بدن ترشح کند -
(فرہنگ عمید ، صفحہ ۵۵۳)

اپنی خواری پہ نظر پھر جو ذرا کرتا ہوں
پھر کے اک آہ یہی شعر پڑھا کرتا ہوں
یاد روزے کہ دلم طالبِ دیدار نبود
منتے بر سرش از سایۂ دیوار نبود

۲۳

میں تو خواہندہ نہ تھا حشمتِ کاؤسی کا
تھا مجھے فکر سدا اپنی ہی محبوسی کا
رہ گیا شوق سو وہ دل میں قدم بوسی کا
ہم نشیں پوچھ نہ قصہ مری مایوسی کا
از درِ دوست چہ گویم بہ چہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

۲۴

تھا ازیں پیش تو میں عاشقِ رسوا مشہور
یار کرتے تھے ہر اک بزم میں میرا مذکور
ہو چکا کب سے سو یہ شیشۂ دل چکنا چور
مجھ کو ان باتوں کے سننے کا نہیں اب مقدور
دوستاں از سخنِ عشق کبابم مکنید
مکنید ایں سخن و خانہ خرابم مکنید

۲۵

ہم دل آزردوں کو کیا سیرِ چمن سے سروکار
گو بہ صد رنگِ دگر پھولے پھلے یہ گلزار

فائدہ کیا ہے جو تم کرتے ہو اتنی[1] اصرار
مگر اس بات سے واقف نہیں ایام بہار
عہد کردیم کہ بے دوست بہ صحرا نہ رویم
بے تماشا گہہِ رویش بہ تماشا نہ رویم

۲۶

دلِ دیوانہ نہ سمجھا مرے سمجھانے سے
فیض پایا نہ کچھ اپنے سے نہ بیگانے سے
آیا میں شہر میں نومید ہی ویرانے سے
مصحفی کچھ نہ ہوا کعبہ و بتخانے سے
حالیا مصلحتِ خویش دراں می بینم
کہ کشم رخت بہ میخانہ و خوش بنشینم[2]

مسدس دوم

۱

بخت نے اس کی مدد تو کی تھی اے رشکِ بہار!
پر کرے کیا تو، جو ہو جاوے وہی بے اختیار
دیکھ تو نے اس کی دست اندازی و بوس وکنار
گھر کے جانے کی اسے تکلیف کی جب بار بار
رات تجھ کو مصحفی جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۱ - ایسی اصرار : ح -
۲ - می بنشینم : ح -

۲

شوق سے آ کر کیا تھا سر پہ جو اس کے ہجوم
دست و ساعد ، رو و سو لیتا تھا تیرے چوم چوم
بوسہ بازی کی مچا دی تھی جو دیوانے نے دھوم
اتنے میں تو درمیاں لایا جو رنجش کی[۱] رسوم
رات تجھ کو **مصحفی** جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۳

حال پر اس کے ہوئی تھی لطف کی تیری نظر
ورنہ بخت ایسے کہاں رکھتا تھا یہ خستہ جگر
لیک گستاخی لگا کرنے وہ جب ہو کر نڈر
اور لگا رخ پر ترے آنے خجالت کا اثر
رات تجھ کو **مصحفی** جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۴

ہاتھ اس کا جب کہ آیا تھا برونِ آستیں
شرم کے مارے رکھی تھی تو نے زانو پر جبیں
تھی مقدر لیک نومیدی ہی جو اس کے تئیں
آخرش بے جرأتی سے اپنی ہو کر شرمگیں
رات تجھ کو **مصحفی** جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

---

۱ - کا : ح -

۵

جب کہ پھرتا تھا بدن پر تیرے پیارے اس کا ہاتھ
تھر تھراتی تھی پڑی جوں موج دریا تیری گات
بے نصیبی کی کہوں اس کے ولے کیا تجھ سے بات
یک دگر کی کشمکش ہی میں جو آئی آدھی رات
رات تجھ کو **مصحفی** جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۶

گرچہ وہ مہماں تھا تیرا اور[۱] تو مہماں دار تھا
کام دل دینے پہ آس کے آپ تو تیار تھا
ایک جوش شوق سے وہ بھی جو حد ناچار تھا
اور بہت رہنے میں اس کے تیرے تئیں آزار تھا
رات تجھ کو **مصحفی** جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۷

تو جو اس کے سامنے بیٹھا تھا اے رشک بہار!
دل[۲] سے اس کے ہجر کے سارے چمن تھے خار خار
لیک جب رنجش پہ ٹھہرا صحبت شب کا مدار
چارپائی سے آتر اور بھر کے آہ شعلہ بار
رات تجھ کو **مصحفی** جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۱ - بروزن فع -
۲ - دل میں اس کے ہجر کے سارے چبھے تھے خار خار : ح -

۸

دوش پر اس کے پڑا تھا پرتوِ خورشیدِ وصل
کرکے آیا تھا وہ اپنے دل میں بھی امیدِ وصل
کر گئی پہلو تہی شب اس سے جب ناپیدِ وصل
ہو کے تجھ سے مہ جبیں سے عاقبت نومیدِ وصل
رات تجھ کو مصحفی جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۹

یک بیک اس نے اٹھا کر پردۂ شرم و حیا
جو نہ کہنا تھا ترے کانوں میں جھک جھک کر کہا
باوجود اتنی مروت کے تو اے نازک ادا!
پاس سے اس کے خفا ہو کرکے جس دم اٹھ چلا
رات تجھ کو مصحفی جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

۱۰

اس نے چاہا تھا رہوں گا رات ساری تیرے پاس
کر دیا تھا شوقِ مشتاقی نے اس کو بےحواس
ڈر سے بدنامی کے پر تو نے جو رکھا اس کا پاس
دیکھ کر مرضی تری اور[۱] وصل سے ہو کر نراس
رات تجھ کو مصحفی جی سے دعائیں دے گیا
سر سے لے پاؤں تلک تیری بلائیں لے گیا

---

۱ - بر وزن فع -

مسدس سوم

۱

تقصیر ہوئی مجھ سے جو میں نے تجھے چاہا
یا اپنی زباں سے تری خوبی کو سراہا
نکلے کسی صورت تو مرے دل کی' ا ہا ہا
مقدور زیادہ نہیں تو جلوہ پناہا
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۲

آ شوق میں ہاتھ اپنا چلایا جو میں تجھ پر
جوں پنجۂ شاہیں وہ گرا سینے کے اوپر
لیکن نہ ہوا وصل ترا مجھ کو میسر
آ ، جانے دے اس بات کو ، اب پیار سے آکر
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۳

کیا لطف رہی دل کی ہوس دل ہی میں میرے
حیرت زدہ بیٹھا میں رہوں سامنے تیرے
آخر تو میں آتا ہوں دو وقتی ترے ڈیرے
جس وقت کہ قابو ہو ترا سانجھ سویرے
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۱ - سے : ح -

۴

کب تک میں دل اپنے ہی میں کھا کھا کے رہوں جوش
جوں غنچہ رہیں ڈر سے ترے لب مرے خاموش
آخر تو کیا ہے مجھے مدہ نے تری مدہوش
اے راحتِ جاں! جوں مہ تو کھول کر آغوش
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۵

میں غم زدہ ڈر سے ترے پاتا نہیں قابو
ہے مست مے عشق تری نرگسِ جادو
ہو گو کہ خجالت سے عرق جلوہ ترا رو
صدقے میں تری شرم کے ہاں اے بتِ خوش خو!
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۶

حیرت زدہ ہوں دیکھ کے صورت کو میں تیری
ہوتی نہیں دیدار سے تیرے مجھے سیری
میں ہاتھ لگاؤں تجھے طاقت نہیں میری
از بہر خدا تو ہی ٹک اک کر کے دلیری
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۷

چھاتی پہ نہ رکھ دست رو اربابِ وفا کے
یک بار نکل آ کہیں پردے سے حیا کے

کیا دیر میں ہے فائدہ سو کام خدا کے
انگڑائیاں لیتا ہوا مجھ پاس ٹک آ کے
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۸

وہ دل کہ کیا تیری طرف سے میں اسے صاف
سینے میں دھنا جائے ہے جوں پنبۂ ندّاف
جس وقت کھلا دیکھوں ہوں تیرا شکم و ناف[۱]
گزرے ہے غضب مجھ پہ، صنم از رہ الطاف
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۹

تا چند رہوں منتظر لطف نمایاں
کر حرف نوازش سے ذرا وا لب خنداں
تا خانۂ ترا مجھ پہ نہ ہو صورت زنداں
ہے یہ بھی کوئی جائے حیا اے بت ناداں!
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۱۰

تو ہی مجھے کھولے تو کھلوں ورنہ میں غمناک
ہوں زخم جدائی سے تری با دل صد چاک

---

۱ - شکم صاف : ح -

کیا جانیے پھر کیا کرے یہ گردشِ افلاک
فرصت یہ غنیمت ہے کوئی دم بتِ چالاک
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

۱۱

جس دن سے ہوا ہے وہ ترے حسن پہ مائل
سمجھے ہے صنم اپنے تئیں عاشقِ بیدل
دیکھا تو سوا شرم کے کوئی نہیں حائل
اس واسطے ہے **مصحفی** اس شعر کا قائل
لگ جا تو گلے ہی سے مرے اور نہیں تو
لوں بوسے ہی چٹ چٹ میں ترے اور نہیں تو

مثمن نا تمام

۱

اگرچہ تجھ سا زمانے میں کیا نہیں کوئی
پہ غور کیجے تو صبر آزما نہیں کوئی
بایں کرشمہ و ناز و ادا نہیں کوئی
ہزار نقشے ہیں ایسا بنا نہیں کوئی
تو ہی ہے، بہترِ صنعِ خدا نہیں کوئی
تری شبیہ میاں دوسرا نہیں کوئی
بہ صورت تو بتے کمتر آفریدہ خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشیدہ خدا

۲

ترے جال میں ہے چشمِ عقل کل حیراں
مقربانِ جنابِ خدا ہیں سب نگراں
یہ حسن اور یہ لطافت ہر اک بشر میں کہاں
بیاں میں کیا کروں خوبی تری ہے سب پہ عیاں
دیا ہے دل تجھے اول نگہ میں میں نے میاں
میں تجھ پہ ہوں نہ بھلا کس طرح بلا گرداں
چو جعد پر گہرت کہکشاں نمی بینم
بہ صورتِ تو مہ آسماں نمی بینم

۳

تری ہر ایک ادا گرچہ تیغِ قاتل ہے
دلِ طپیدہ بھی پہلو میں رشکِ بسمل ہے
یہی تو مجھ کو تری دوستی سے حاصل ہے
میں سر کو پٹکوں ہوں حسرت سے، غیر واصل ہے
مرے کہے میں نہیں یہ میں کیا کروں دل ہے
غرض کہ مجھ کو تو اب ہر طرح سے مشکل ہے
نہ با تو دستِ ہوس در کمر تواں کردن
نہ آرزوے تو از سر بدر تواں کردن

۴

خبر ہے تجھ کو بھی کچھ اے ستم گر خوں خوار
کہ کھینچتا ہوں میں کس کس طرح کا اب آزار
نہ صبر دل میں ہے میرے، نہ جاں میں ہے قرار
بنی ہے شکل مری جیسی صورتِ دیوار

میں حال اپنا بھلا تجھ سے کیا کروں اظہار
ملا نہ آن کے تو یاں تلک کہ آخر کار
جدائی تو ہلاکم در اشتیاق تو کرد
تو با من انچہ نکردی غم فراق تو کرد

۵

پھرا کرے ہے تو گلیوں میں پی کے مے دن رات
کٹے ہے اہل خرابات میں تری اوقات
کسی کی خاک نہیں تجھ کو فکر موت و حیات
تری بلا سے کوئی گو ہو مورد آفات
زباں سے نکلی مری آمد سخن اک بات
وگرنہ میں ترے حق میں کہوں گا کچھ ہیہات
خدا بہ شکوہ زبان من آشنا نہ کند
من و شکایت و انگہ ز تو خدا نہ کند

۶

کوئی ادھر سے طرف اس گلی کی جاتا ہے
جو دیکھتا ہوں کوئی اس طرف سے آتا ہے
کوئی کھپائے ہے جی، کوئی دل لگاتا ہے
کوئی اشارہ کرے ہے، کوئی بلاتا ہے
غرض کہ ہر کوئی اب[1] اپنی داد پاتا ہے
بھلا تو ایک مجھی کو سدا ستاتا ہے
ز ہر طرف نگرم می رسد خریدارے
بود بہ کوے تو ہر روز زور بازارے

۱ - اب داد اپنی : ح -

۷

اگرچہ اتنا تو زیں پیش تو نہ تھا ظالم
کچھ ان دنوں ہی میں بے طرح ہوگیا ظالم
جو ظلم ہو سکے کر مجھ پہ تو بھلا ظالم
رکھا ہے نام ترا میں نے آشنا ظالم
نکال تیغِ جفا اور مرے لگا ظالم
جفا و جور سے تو ہاتھ مت اٹھا ظالم

ہنوز صبر ازیں بے قرار می آید
ہنوز از دلِ افسردہ کار می آید

۸

کہاں تلک میں کروں اپنے بخت کا شکوا
میں اس کے ہاتھ سے ہے ہے ستم سہے کیا کیا
کبھی تو زہر میں کھایا ، کبھی کنویں میں گرا
یہ باتیں ہوچکیں سب اب جو پوچھو حال مرا
تو اُس کے کوچے میں با[۱] حال خستہ ہوں بیٹھا
پہ یہ بھی اُس سے تو جا کر کوئی نہیں کہتا

فتادہ بر سرِ کوے تو ناتوانے ہست
رسیدہ بر لبش از ضعف نیم جانے ہست

۱ - با جان خستہ : ح -

۱ - مثنوی در افراط سرما

اب کے سردی کا جو ہوا ہے وفور
ڈھانپ کر منہ کو رہ گئے ہیں تنور
دیگ داں گھر میں سب کے ہیں بیکار
یعنی آتش کا سرد ہے بازار
آئے ہے ہو کے زمہریر ہوا
ہے جہنم زمانہ سردی کا
بن رہے ہیں جو یخ ظروف تمام
برف خانہ ہے خانۂ حمّام
عوض آتش کے ان دنوں اے یار!
خاک کھاتا ہے مرغِ آتش خوار
شمع تک جا کے کیا کرے گل گیر
شمع تو خود[۱] ہے بن رہی کشمیر
بیچ پانی کے جاڑے کے مارے
بچۂ بط ہیں یخ بچے سارے
صاحبِ لقوہ جی سے ہے نومید
کانپتا نکلے ہے سحر خورشید
کہوں[۲] چمکی جو اک ذرا اخگر
پھر جو دیکھا تو تھی وہ خاکستر
دل میں سردی سے ہووے ہے اب درد
آتشِ عشق ہو گئی ہے سرد

۱ - بن رہی ہے خود کشمیر : ح -
۲ - ''کہوں'' بہ معنی ''کہیں'' یا ''کبھی'' ؟ - فائق -

آہ و نالے میں وہ کہاں گرمی
دہر سے ہو گئی نہاں گرمی
ان دنوں وے جو عشق کرتے ہیں
دم بہ دم آہِ سرد بھرتے ہیں
برف باری ہے اب سحاب کا کام
نہیں اس رت میں آفتاب کا کام
ابر ہو دگلا[1] پوش آتے ہیں
دانت بجلی کے کڑکڑاتے ہیں
دیکھ پھیکا سا آفتاب کا رنگ
آتشِ لعل ہے نہاں در سنگ
جوہری گر کرے اب اس پہ نظر
پنبہ دانہ ہے دانۂ گوہر
باغِ ہستی میں دیکھ کر یہ ہوا
سیب کیا کیا نہ سرخ و زرد ہوا
نہیں مطلق ہی کو اپنا ہوش
ناشپاتی روئی میں ہے روپوش
باغباں ہی نہ منہ کو ڈھانپے ہے[2]
بید بھی اس ہوا سے کانپے ہے[3]
مشک پاتا ہے قیمتِ کافور
سر پہ نافے کے ہو کلاہِ سمور[4]

۱ - دگلا : (ہ) لبادہ ، روئی دار انگرکھا -
۲ ، ۳ - ہیں : ح -
۴ - سمور : نرم پشم والی کھال -

جب غریبوں کے سر پہ آئے ہے رات
ہے ہم آغوشی ان کو زانو سات
سر پہ لے کر گلیمِ بختِ سیاہ
گر رہے ہیں گدا جو کر کے آہ
مارِ سرما نہ کاٹ کھائے کہیں
بیم سے پا دراز کرتے نہیں
اپنی حدت سے جو ہوئی ہے نفور
فلفلِ گرد[1] اب ہے خود کافور
فلفلِ سرخ کا کروں اظہار
ٹک ادھر کان دھر کے سن اے یار!
اس کو گر تو زبان پر رکھے
اور ذرا ان دنوں مزہ چکھے
تجھ کو پہنچاوے ووں ہی تا لبِ گور
یہ نہ جانے کہ کہا گیا کافور
آگ سے شعلہ جو اٹھے ہے کبھو
وہ بھی کرتا ہے دم بہ دم ہو ہو

---

۱ - فلفلِ گرد : - فلفل (معرب پاپل) - اسم مؤنث - مرچ - (فلفل تین قسم کی ہے - ایک دراز جو رنگ میں سرخ یا زرد ہوتی ہے - دوسری سیاہ جو گول ہوتی ہے - تیسری سفید کہ وہ بھی گول ہوتی اور دکھنی مرچ کے نام سے بکتی ہے) -
(فرہنگ آصفیہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۳۵۱)
فلفل : دو قسم است ؛ گرد و دراز ، گرد نیز دو قسم است -
(شمس اللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۱۶)

سب کی مجمر پہ آنکھیں رہتی ہیں
جیسے ناسور ، ناک بہتی ہیں

تھی جو کوکردا کی زمین کہیں
واں بھی گرمی کا نام خاک نہیں

ہے مزاجِ زمانہ جوں کافور
ہوئے گرمی کسی میں کیا مذکور

تھی جنھوں کے مزاج میں مردی
اور بھی آ گئی ہے نامردی

دست و پا اپنے یخ جو پاتے ہیں
آگ پر کچھ گرے ہی جاتے ہیں

تپ کی نے حرف و نے حکایت ہے
ہے تو سردی ہی کی شکایت ہے

غیرتِ دیں نہیں رہی زنہار
صاف آتش پرست ہیں دیں دار

سر ہلاتے ہیں صاحبِ تمکیں
کون سی جاگہ رعشہ عام نہیں

تھا سمندر جو آگ کا کیڑا
آگ ہی میں وہ ہو گیا ٹھنڈا

پاؤں چلنے سے ان کے ہیں بیکار
بہ تصور پھریں ہیں چوکیدار

چور چوری سے جی چراتے ہیں
شحنہ گھر بھاگ بھاگ آتے ہیں

۱ - گوگرد : (ف) - بالضم و کسر سوم و سکون چہارم - مؤنث - گندھک - (نور اللغات ، جلد ۴ ، صفحہ ۹۶)

ہے دوشالوں کی یہ خریداری
نہیں آتی غریب کی باری
پشم پوشی پہ بس کہ مرتے ہیں
بعضے کمبل خرید کرتے ہیں
ہے گراں بس کہ شال کا رومال
اس کو لگتی نہیں ہے قیمتِ شال
پشم پوشی سے اپنی کر کے زیب
سگ پشمی بنا پھرے ہے رقیب
دی ہے سرما نے کیا مجھی کو شکست
تا بہ حربا ہے آفتاب پرست
جن کے تن پر نہیں ہے اک لتّا
کیا کہوں ہائے حال میں ان کا
آتش افروزی سے ہے شب سروکار
قرصِ خورشید پر ہے دن کو مدار
تھے جو بعضے خورندہ ماہی کے
اب وہ پانی ذرا نہیں پیتے
آگ کے بس کہ کھل گئے ہیں چھپے
ہنستے ہیں اس کو دیکھ دیکھ توے
حال کیا ہووے گا غریبوں کا
ہے روئی پر تو زور ہی لرزا
آپ کو بس کہ سرد پاتی ہے
خود وہ پردے میں منہ چھپاتی ہے
طرفہ سردی ہے ان دنوں یارب
جس کے ڈر سے گلیم پوش ہے شب

سنگ و آہنگ جو اب ہم ہوں دوچار
برف ان سے جھڑے بجائے بخار
ہاتھ میں لیجیے گر انگار
ہووے محسوس جیسے یخ پارا
دیکھیو شدتِ شبِ سرما
بن بجھائے چراغ ہے ٹھنڈا
جس طرف دیکھو آگ کی ہے پکار
آگ کیا اک خدا کا ہے دیدار
مفلسوں کے بغل میں رہتے ہیں ہاتھ
ہیں نمد پوش آئنے دن رات
سرد دیکھی دکاں کبابی کی
اب کے جاڑے نے کیا خرابی کی
ہے نمک داں میں برف جائے نمک
خاک کھاویں گے بادہ نوش گزک
مہر سے پھر گئے بتانِ جہاں
ڈھونڈیے کوئی گرم تو ہے کہاں
کر گئی ہے سفر حرارتِ تن
واں برودت[1] کا اب ہوا ہے وطن
گرمی ہوتی نہیں ذرا اظہار
جیسے پانی ہے نبض کی رفتار
مصحفی اس ہوا میں کیا امکاں
ہووے گرمِ سخن کسی کی زباں

---

۱ برودت : (ع) سردی -

آگے اب کیا لکھوں میں سردی دے
کیوں کہ میرا بھی ہاتھ کانپے ہے

۲ - مثنوی در افرط گرما

کیا کہوں سوزشِ ہوائے تموز[1]
ان دنوں کی ہوا ہے طاقت سوز
سردی عالم سے کر گئی ہے کنار
موسمِ گل ہے اور شروعِ بہار
حوت[2] میں آفتاب آیا ہے
مرغ و ماہی کے تئیں جلایا ہے
مارے گرمی کے سایے جلتے ہیں
اس ہوا میں درخت پھلتے ہیں
پھول سارے گئے ہیں یوں مرجھائے
بھوکے پیاسے کا جیسے منہ ست جائے
ان دنوں باغ بھوت خانہ ہے
سرب[3] و باروت کا خزانہ ہے
آتشِ گل ز بس کہ ہے سرکش
اس پہ لالہ ہوا ہے میر آتش

۱ - تموز : موسم گرما و نام یکے از ماہ ہائے رومی -
(فرہنگ عمید ، صفحہ ۳۱۵)

۲ - حوت : آسمان کا بارھواں برج - (فرہنگ عمید ، صفحہ ۵۱۱)

۳ - سرب : (ف - بالضم) مذکر - سیسہ - (نوراللغات،جلد۳،صفحہ ۲۵)

ہیں صنوبر کے تار شمع کے تار
سرو آتش فشاں ہے مثلِ چنار
وہ جو دستِ چنار بالا ہے
سو وہ آتش کا پنج شاخا ہے
دانۂ نار سب ہیں چنگاری
آک[1] کے پھولوں کی ہے گل کاری
گل کے جو تمتما رہے ہیں گال
دال ہیبت (ہیئت ؟) پہ اس کا چہرۂ لال
شاخِ نرگس نے قد کیا ہے علم
بن دیے آگ چھوٹے ہے یہ قلم
کیا عجب شعلہ بن کیے ہی قبول
ہووے گلدستہ بیچ[2] میں ہتھ پھول
ٹہنیاں ہیں جو خشک اور کڑیاں
آگ دیجے تو چھوٹیں جوں نڑیاں
بس کہ طبعِ ہوا ہے آتش‌بیز
شاخِ گل تک چمن میں ہے گل ریز
جا پڑیں ہیں ادھر اُدھر یک‌بار
پتے پھولوں کے اُڑ کے مثلِ شرار
کوئی طاؤس ہے جو یاں دلکش
ہے وہ طاؤسِ بازیِ آتش

---

۱ - آک ، آکھ ، آگ : (ہ) (اس کی اصل ارک ہے - ارک سے آک ، آک سے آگ ، ہو گیا) - مذکر - مدار کا درخت (نوراللغات ، جلد۱ ، صفحہ ۱۲۰) -

۲ - ہاتھ : ل ، ح -

سیخ کی شکل سروِ دلجو ہے
اس پہ قمری کباب کوکو ہے
کوئی تنکا[1] جو اڑ کے گل پہ پڑا
جل اٹھا وہ دیا سلائی سا
شعلہ جاروبِ صحنِ گلشن ہے
خس سے خالی چمن کا آنگن ہے
خشک و تر سب نہال جاتے ہیں
کفِ افسوس پتے ملتے ہیں
جیسے گلخن کی ہووے گرم رماد[2]
سایہ جلنے میں دھوپ سے ہے زیاد
بھول کر سایے میں جو جا بیٹھے
کود کر دھوپ میں پھر آ بیٹھے
پاؤں سایے پہ جو رکھے ناگاہ
کاٹ کھاوے وہ مثلِ مارِ سیاہ
ہیں سلیں پتھروں کی گرم تمام
جن پہ پائے نگہ کرے نہ قیام
پھول کھاوے جو مرغِ آتش خوار
شکلِ گل گیر اس کی ہو منقار
آگ پاؤں سے جو بجھاتے ہیں
دیکھ پھولوں کو جی چھپاتے ہیں

---

۱ - پتنگا -
۲ - رماد : (ع) (بہ فتح را) خاکستر (راکھ) (فرہنگ عمید، صفحہ ۶۳۷) -

جعفری نے دیا ہے جلوہ زور
گلِ سوری بنا ہے شب افروز
شب کو ماہِ فلک میں ہے وہ تاب
جیسے روشن کرے کوئی مہتاب
لگتے ہیں آسماں پہ یوں تارے
دگدگاتے[1] ہوں جیسے انگارے
نسر طائر ہو جل کے کیوں نہ کباب
بان سا چھوٹتا ہے تیرِ شہاب
شفقِ شام کی جو ہے تحریر
برق ہے آسماں کی دامن گیر
وے جو صحرا میں ہیں وحوش و طیور
گرمی نے ان سے بھی لیا ہے قصور
گینڈے ڈھالوں سے تن کو ڈھانپتے[2] ہیں
شیر گرمی کے مارے ہانپتے[3] ہیں
مرغ آئے ہیں گھونسلوں سے نکل
کہ بسیرے میں آ گیا ہے خلل
باغ بے آب و خشک ہیں تالاب
دیکھتی[4] نہیں زمیں پہ سبزہ بہ خواب

---

۱ - دگدگانا : (ہ) لازم - دیکھو (دغ دغانا) - دمکنا - چمکنا -
روشن ہونا - سرخ ہونا -
(نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحات ۷۰۹ ، ۷۱۵)
۲ - ڈھانپے : ح - ۳ - ہانپے : ح -
۴ ''دیکھتی نئیں زمیں سبزہ بہ خواب'' ہونا چاہیے - ''نئیں''
بر وزن فع پڑھا جائے - (فائق)

سب[1] کنوؤں پر چرس پڑے ہیں چھوٹ
کہ کنوؤں کے گئے ہیں پانی ٹوٹ

قدِ آدم جنھوں میں تھا پانی
ان سے مشکل ہے بوند بھی پانی

ہے توے پر کنوؤں کے یہ تف و تاب
ہو گیا ہے توے کی بوند سب آب

پوچھ مت کچھ مسافروں کا حال
ان پہ لایا ہے آفتاب زوال

وہ لویں گرم گرم آتی ہیں
چھاتیاں جن سے بھلسی جاتی ہیں

کوئی جاتا ہے گر کسی کے گھر
مثلِ[2] مستسقی[3] آب پر ہے نظر

سبزہ ہے کوہ و دشت میں نایاب
ہاں مگر خضر پھر کرے سیراب

نہیں گرتا ہے اس سے اک قطرا
آسماں بن گیا ہے لوہے کا

ہم کو کب فکر تشنگی کی ہے
موت ہے سو ٹھٹھرے[4] (ٹھٹھرنے ؟) کی ہے

۱ - نت : ح - ۲ - اصل متن میں ''مسلسل'' غلط ہے - تصحیح کی گئی ہے -

۳ - مستسقی : استسقا کا مریض - استسقا میں پیٹ پھول جاتا ہے ، پیاس زیادہ ہوتی ہے -

۴ - ٹھٹھیرا : برتن بیچنے والا -

سادہ سبزے سے دشت و صحرا ہے
سبزہ ہے سو وہ اک چوانسا ہے

آ کے خشکی نے جو کیا ہے اثر
پپڑیاں بندھ گئیں ہیں ہونٹوں پر

بعضے پیاسوں کے کنٹھا[1] خشک ہوے
بیچ صحرا کے تشنہ لب وہ موے

بعض گرمی کے مارے تونس[2] گئے
بعضے بے آسرے ہو بیٹھ رہے

بعضوں کو بے کلی سے لگ گئی ڈاک[3]
بعضے ہونے لگے قلق سے ہلاک

خلق بے آبی سے پُر از غم ہے
جیٹھ گویا مہِ محرم ہے

ہیں جو اندارے[4] چاہ یاں ان کے
مارے گرمی کے کھل گئے ہیں چھبے

کون کرتا ہے چہ بچوں کا حساب
حوض و تالاب ہیں سبھی بے آب

مصحفی کیا کروں میں آگے رقم
خشکی دوڑی ہے تا زبانِ قلم

---

۱ - کنٹھ : (ہ) گلا - ۲ - توسنا : (ہ) گرمی سے پیاس بڑھ جانا -
۳ - ڈاک : (ہ) قے - ۴ - اندارا : (ہ) مذکر - بہت بڑا پختہ کنواں
جس میں اکثر توا دیا ہوتا ہے -
(نوراللغات ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۱۶)

۳ - مثنوی در افراط آتش

شورِ آتش ہے کس قدر اس سال
جس سے ہے دل پہ مرد و زن کے ملال

بانس سے بانس جو کھڑکتا[1] ہے
آگ کا شعلہ اک بھڑکتا ہے

گھر غریبوں کے جلتے آتے ہیں
ہر طرف لوگ بھاگے جاتے ہیں

یوں پتنگے اڑیں ہیں یک باری
تو کہے ہے ہوا میں پھلواری

جب کہ چھپر کسی کا جلتا ہے
کفِ افسوس شعلہ ملتا ہے

کوئی کہتا ہے کاٹو اس کے بند
کوئی ہوتا ہے دور سے خورسند

کوئی کاندھے پہ رکھ کے مشکیزا
آب پاشی کو جاے ہے دوڑا

کوئی اس پہ گھڑا لڑھاتا ہے
کوئی ہاتھوں ہی سے بجھاتا ہے

گھر غریبوں کے ہو رہے تھے جو پھونس
دن دیے آگ نے لیے ہیں موس[2]

ہائے کیا حال میں کہوں ان کا
خانہ باشی شعار ہے جن کا

۱ - کھڑکنا : (ہ) ٹکرانا - ۲ - موس لینا ، موسنا : لوٹ لینا -
دزد ہر خوبرو مسی سا ہے مجھ کو عیسائیوں نے موسا ہے (شاد)

دم خفا ہو کے پردہ پوش موئیں
چکیاں حل کے سنگِ سرمہ ہوئیں
تھی جو گھر میں کسی کے کوئی[1] تلوار
سو وہ بجلی کی ہو گئی اک بار
جس جگہ ہے پراچے[2] کی دکاں
آگ ناگاہ جو لگے ہے وہاں
گھر کو کر دے ہے اس کے جوں گلزار
اس کو آتش دکھائے ہے یہ بہار
ہیں جو بیوپاری کرتے پھرتے ہیں آہ
منڈیاں ہو گئی ہیں خاک سیاہ
آگے آیا ہے ان کے کردۂ خویش
گھاس بھس والے ہیں سبھی دل ریش
تا بہ ہیزم[3] فروش و پنبہ فروش
سر کو زانو پہ رکھے ہیں خاموش
اب اگر جا کے اس پہ کیجے نگاہ
کوئلے والے کی دکاں ہے سیاہ
ہے غرض جس فریق کا انساں
اس کی بیداد سے ہے شکوہ کناں
بنیے[4] ، تیلی ، تنبولی اور بزاز
کاسہ گر ، مے فروش ، آتش باز

---

۱ - بر وزن فع -
۲ - پراچہ : کپڑا ، کپڑے کا کام کرنے والا -
۳ - ہیزم : ایندھن - ۴ - سبھی : ح -

اس کے ہاتھوں جلے ہوئے ہیں سبھی
نہیں بے داغ اک غریب کا جی
پا کے ان کو بھی سوختہ مغموم
دھوبیوں سے بھی سن کے[1] اس کی دھوم
سہما جاتا ہے ہول سے دریا
ماہی پڑھتی ہے آب میں "قانا"
آگ نے بس کہ سر اٹھایا ہے
ایک عالم کا جی جلایا ہے
ایک کے گھر سے جوں ہی شعلہ اٹھا
جا کے گھر دوسروں[2] کے پھول پڑا
گر لیا اس کے تئیں بجھا تو خیر
نہیں تو اور بھی ہوئی ٹک[3] سیر
ایک کے گھر جو لگتی ہے آتش
اور اٹھتا ہے شعلہ[4] سرکش
دوسرا چڑھ کے اپنے چھپر پر
اس کو پانی چھڑک کرے ہے تر
جس طرف دیکھو آگ کی ہے پکار
گھر کے گھر ہو گئے ہیں یاں فی‌النار
لگی کیا آگ فتنہ اک جاگا
شہدا گھر میں سے گٹھری لے بھاگا
لوگ آ کر کے جو پڑے سب ٹوٹ
مچ گئی گھر میں اک مزے کی لوٹ

---

۱ - سنیے : ح - ۲ - دوسرے : ح -
۳ - اک : ح -

کوئی کہتی ہے ہائے رے میں موئی
کوئی پھرتی ہے بلبلائی ہوئی
کوئی تکتی ہے منہ کو شوہر کے
کوئی ساتھ آٹھ چلی برادر کے
کوئی ہمسایے میں چھپی جا کر
گر پڑی ٹھوکر اک کوئی کھا کر
سر سے برقع کسی نے پھینک دیا
اٹھ مقابا[1] کسی نے ہاتھ لیا
رہ گئی کوئی در کے بیچ اڑی
کوئی اٹھی جو گرم گر ہی پڑی
سن کے جوں ہی یہ شور ہمسایے
مل کے آتش بجھانے کو آئے
بعضے رستے کے جانے والے بھی
دیکھ کر آگ کی یہ شعلہ وری
اس بہانے سے واں تلک آئے
حسن و آتش نے جلوے دکھلائے
حسن و آتش کی طرفہ سیر ہوئی
نہ جلا جی کسی کا خیر ہوئی
روے زیبا پہ مت نظر کر تو
آتش حسن سے حذر کر تو
آگ کہتی ہے جلوہ میرا دیکھ
مصحفی گھر جلا تماشا دیکھ

---

۱ - مقابا : مذکر - سنگھاردان (نوراللغات ، ج ۴ ، صفحہ ۳۲۸) -

۴ ۔ مثنوی پسر تنبولی

یہ جو اک خوں چکاں حکایت ہے
اس کے راوی سے یوں روایت ہے
کہ کسی نگری میں بہ طرفِ شمال
اک تنبولی بچہ تھا بدر مثال
شہرۂ حسن اس کا ہر سو تھا
ماہ سیما ہلالِ ابرو تھا
خوب رو تھا زبس وہ غیرتِ ماہ
ہر کسو کی پڑے تھی اس پہ نگاہ
دور و نزدیک اس پہ مرتے تھے
نقدِ دل مفت نذر کرتے تھے
آ کے دوکاں پہ وہ پری رخسار
بیٹھتا جب کہ بر سرِ بازار
حسنِ یوسف سے یاد دیتا تھا
دل فریبی کی داد دیتا تھا
جو کہ اس راہ سے گزر کرتا
اس پہ خواہش کی اک نظر کرتا
تھے خریدار اس کے جی سے ہزار
حسن تھا اس کا گرمیِ بازار
اتفاقاً رہا شب آ کے اتر
اسی بستی کے باہر اک لشکر
لشکری بستی میں سے ہو نکلے
ایدھر اودھر سے ایک دو نکلے

ناگہاں اک جوانِ کہنہ سوار
آن نکلا جو بر سر بازار
دیکھ کافر کی ابروے پُر[1] خم
کھا گیا دل پہ زخمِ تیغِ الم
آفت اک اس کی جان پر آئی
بد بلا اس جوان پر آئی
کھب گئی دل میں چشمِ کافر کیش
سینہ پلکوں نے کر دیا سب ریش
ہاتھ سے چھٹ گئی زمامِ سمند
خانۂ زیں پہ رہ گیا جا بند
آ کے حیرت نے اس کو گھیر لیا
دوڑ کر بے ہوشی نے جام دیا
آخر کار ہو کے سودائی
دل میں یہ بات اپنے ٹھہرائی
کہ یہاں جب تلک ہے یہ لشکر
دیکھیے صورت کو اس کی مدِ نظر
الغرض لے کے صبح سے تا شام
بیٹھ کر دیکھتا تھا اس کو مدام
ہو[2] گیا ہو کے جامِ عشق سے مست
مثلِ نیلوفر آفتاب پرست
شکل آئنہ اس کا حیراں تھا
ہر سحر رو بروے دوکاں تھا

۱ - بر چشم (؟) : ح -
۲ - ہو گیا جام عشق سے سرمست : ح -

قیمت اک پیسہ اس کو دیتا تھا
اس سے روز اک گلوری لیتا تھا

عشق میں ساتھ تھی حیا اس کے
ربط جوئی نہ تھی سوا اس کے

جی پر اس کے جو کچھ گزرتا تھا
دل ہی دل میں بیاں وہ کرتا تھا

لب سے محروم تھی صداے آہ
بہہ گئی تھی سرشک ہو کے نگاہ

روز تا شب رکھے تھا ضبط سے کام
تھا اسے بس نہفتہ ربط سے کام

اسی صورت سے گزرے جب کئی ماہ
وارث اس طفل کے ہوے آگاہ

کہ یہاں آ کے صبح سے یہ جواں
اس پہ رہتا ہے نت نظارہ کناں

غالباً اس سے لاگ ہے اس کو
کیجیے اس کی کچھ نہ کچھ تگ و دو

باپ و بھائی[1] تھے سخت دانش مند
یہی تدبیر کی انھوں نے پسند

کہ کوئی اس جواں سے کچھ نہ کہو
کرم حق ہے یہ ، خموش رہو

۱ - ''باپ و بھائی'' کے درمیان واو عاطفہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے - صحیح ''باپ بھائی''۔ فائق

رب نے ایسا ہمیں دیا بیٹا
محوِ صورت ہے یہ جواں جس کا
اپنی خواہش کی داد دیتا ہے
دیکھے ہے ، کیا ہمارا لیتا ہے
بعد یک چند واں سے جب ناگاہ
لائے جنّب[1] غفیر روئے براہ
رات سے کوچ کا نقارہ ہوا
دل جواں کا ہزار پارہ ہوا
تھا تنبولی بچے کا وہ نوکر
رہ گیا فوج سے جدا ہو کر
پال[2] و پرتل[3] شتر سے لے تا اسپ
سب دیا راہ میں لٹا با اسپ
سر بسر بن کے عشق کا پُتلا
رہ گیا آپ اک تنِ تنہا
سر پر اس کے جنوں نے جوش کیا
با رفیقاں وداعِ ہوش کیا

---

۱ - ''جم غفیر'' ہونا چاہیے - ''جنب غفیر'' اصل متن میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے - فائق
جم غفیر : ع (بہ فتح جیم و تشدید) کثیر ، فراواں ، ہر چیز بسیار - جم غفیر : گروہے بسیارے از مردم -
(فرہنگ عمید ، صفحہ ۴۵٦)
۲ - پال : (ہ) چھوٹا خیمہ ، بادبان ، پتوار ، گھاس پھوس -
(نوراللغات ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۳)
۳ - پرتل : (ہ) سامان جو ایک گھوڑے یا بیل پر لادا جائے -

قیمتِ پاں میں دل لگا بیٹھا
پیرہن چاک کر کے جا بیٹھا

ہو گیا رفتہ رفتہ سودائی
چاہ آخر کھنچی بہ رسوائی[1]

نوکِ مژگاں سے اشکِ خوں ٹپکا
فصد کھلوائی تو جنوں ٹپکا

غم چھپایا بہت ولے نہ چھپا
راز ناگفتہ ہو گیا رسوا

تب تو ہونے لگا خود اس کا گزار
مثل مجنوں کے ہر سرِ بازار

نہ وہ عزت رہی ، نہ وہ حرمت
رفتہ رفتہ بگڑ گئی ہیئت

ناوکِ حسن نے نشانہ کیا
عشق نے عاشقِ یگانہ کیا

منقضی[2] اس پہ جب ہوئے کئی سال
غم سے گھٹنے لگا وہ بدرِ مثال

دن بہ دن رنگ زرد ہونے لگا
خود بخود دل میں درد ہونے لگا

خفقان دل پہ جو ہوئی طاری
آ کے لیٹا بہ فرشِ بیماری

۱ - بہ سودائی : ح -
۲ - منقضی (ع) گزرنے والا ، گزرا ہوا -

لٹ گئے رنگِ سرخ کے گلزار
ہو گیا زرد لالۂ رخسار
عشق کی لگ گئی نظر اس کو
مرگ نے آ کے دی خبر اس کو
کہ تو تابِ نگاہ گرم نہیں
تجھ کو نظارگی سے شرم نہیں
منہ چھپا لے کہ ہے حیا بیزار
تجھ سے اے بت نہ ہو خدا بیزار
بس بہت تو نے خود فروشی کی
اب اشارت ہے روے پوشی کی
سنتے ہی یہ خبر وہ رشکِ قمر
آہ بھر کر گیا جہاں سے گزر
یہ خبر شہر میں ہوئی مشہور
کہ وہ حسرت فزاے جلوۂ حور
آج دنیا سے نا امید گیا
کتنی تدبیریں کیں ، ولے نہ بچا
ہوے مصروفِ تعزیت اب و عم
ہو گیا خانہ ، خانۂ ماتم
آخرِ کار با زبانِ درد
روئی ماں کر کے یہ بیانِ درد
کاے مرے لعل تھا تو گھر کا چراغ
تیرے بجھنے سے ہے جگر پر داغ
غرض ارتھی کو اس کی کر تیار
لے چلے یک دگر جو خویش و تبار

آس گھڑی یہ جواں بھی با دلِ زار
ساتھ ارتھی کے ہو لیا یک بار
کر دیا جب بہ رسمِ قومِ ہنود
مردہ اس کا سپردِ آتشِ دود
یہ، جو واں اک درخت تھا تنہا
ٹہنی پکڑے ہوے تھا اس کی کھڑا
آگ واں جو اسے جلاتی تھی
اس کو باطن میں سوخت پاتی تھی
یک دو ساعت میں جب وہ لالہ عذار
ہو گیا جل کے خاک کا انبار
واں سے ہر اک نے عزمِ خانہ کیا
آدم اک پیشتر روانہ کیا
لیک ہونے لگے وہ جب راہی
ہوئی تب اس جواں سے آگاہی
باپ نے بیٹے سے کہی یہ بات
جا کر اس کو بھی لے لے اپنے سات
کیونکہ اُس کا انیسِ ہر دم تھا
وہ جو گل تھا تو یہ بھی شبنم تھا
پاس جا جوں ہی اس کا پکڑا ہاتھ
کیا کہوں ہائے وہ حمیدہ صفات
گر پڑا جیسے قالبِ بے جاں
نہ رہی خاک اس میں تاب و تواں
روح کا اس کی کچھ نشاں نہ ملا
خاک میں کیا وہ نوجواں نہ ملا

عشق کے جذب نے کیا یہ اثر
کہ ہوا بن جلے وہ خاکستر
کیا عجب عشق ہے وہ خانہ خراب
جس سے کھنچ جائے آسماں کی طناب
عشق کی دیکھی جب میں یہ بیداد
مجھ کو مطلع اک اپنا آیا یاد
عشق ہے آفت و بلا تو نہیں
اس کا مارا کوئی بچا تو نہیں
اب تو اس داستان کو تہہ کر
مصحفی طول عشق کو تہہ کر
ہے یہ چنگاری اک جو شعلہ نما
"شعلۂ شوق" نام ہے اس کا

(۵) مثنوی در ہجو مکانے

اپنے رہنے کو جو ملا ہے مکاں
ہے بعینہ وہ صورت زنداں
نہ تو روزن نہ اس میں جالی ہے
دن دیے جیسے رات کالی ہے
اس میں مطلق نہیں ہوا کا گزر
سیر یلدا کی واں کرے ہے نظر
جائے بول[۲] اس کے در کے آگے ہے
دوزخ اک میرے گھر کے آگے ہے

۱ - یہ شعر نسخۂ لاہور میں نہیں ہے -
۲ - جائے بول : بیت الخلاء -

بوے ناخوش جو اس سے آتی ہے
جوہرِ مغز کو جلاتی ہے
تس پہ جالوں کی کیا کہوں میں بات
تُو کہے چھت میں چھا رہی ہے رات
مکڑیوں نے جو گھر بنائے ہیں
تونبئے کاٹ کر دکھائے ہیں
خاک بازی ہے اس کی چھت کا کام
خاک اس سے جھڑا کرے ہے مدام
چار پائی جو میں اٹھاتا ہوں
ایدھر اودھر اسے بچھاتا ہوں
بے کدرا جا ذرا نہیں ملتی
خاک چھانی صفا نہیں ملتی
دل کو کاوش ہی رات اور دن ہے
بس کہ پشوں کی اس میں بھن بھن ہے
الغرض اس میں مجھ کو ہر صورت
رہتی ہے موذیات سے صحبت
کبھی چیونٹی بدن کو کاٹے ہے
کبھی دیمک ہی پائے چاٹے ہے
چارپائی جو ہے ہمارے پاس
کھٹملوں کی رہے ہے اس میں مواس
گھونس نے کر دی ہے زمیں سوراخ
موشکِ ۲ کور پر ہے عرصہ فراخ

---

۱ - بے کدر : صاف -
۲ - موشک کور : چھچھوندر - (لغات کشوری ، صفحہ ۵۱۲)

گر نظر جائے جانبِ دیوار
نظر آتی ہے چینٹیوں کی قطار
گھن نے بانوں کے تئیں جو ہے چاٹا
'خوردہ ہے اس کا چنی کا ہے آٹا
رات دن جی صفا کو ترسے ہے
اپنی قسمت کی خاک برسے ہے
اس میں جتنے کہ ہیں لکھے اشعار
سب وہ لکھے گئے بہ "خط غبار"
خاک ان پر زبس پڑی پیہم
تیرِ خاکی ہوئے تمام قلم
گرد جز دانوں پر ہے دو دو تسو
ہے قلم داں اٹا پڑا یک سو
گھر میں میرے جو کوئی آتا ہے
اپنی صورت کو بھول جاتا ہے
مصحفی جائے سینہ چاکی ہے
گھر نہیں، یہ تو برجِ خاکی ہے

---

۱. مصرع نا موزوں ہے